

علامہ ہند و محدث عصر فقیر کے شان

عالم عربیت والحدیث اکبر مولانا نذیر محمد علی

(۱۲۶۳ھ - ۱۳۰۳ھ)

حیات و خدمات

تالیف

ڈاکٹر نذیر محمد علی، لائبریریئن، نذیر مولانا

ترجمہ

محمد رفیع اعجازی، لکھنؤ

ناشر

مرکز اہل تشیع اہل حدیث، مولانا نذیر محمد علی، پتہ پورہ، لاہور



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

علامہ ہند، محدث عصر، فقیہ بے مثال

علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلیؒ

(۱۲۶۴ھ - ۱۳۰۴ھ)

حیات و خدمات

تالیف:

ڈاکٹر ولی الدین ندوی

ترجمہ:

محمد رافع اعظمی ندوی

ناشر: مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی، مظفر پور، اعظم گڑھ یوپی (انڈیا)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب:	علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی (حیات و خدمات)
مؤلف:	ڈاکٹر ولی الدین ندوی
مترجم:	محمد رافع اعظمی ندوی
کتابت:	مشتاق احمد غازی پوری، صلاح الدین ندوی
اشاعت نو:	بائیس سو (۲۲۰۰)
باہتمام:	مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی
سن طباعت:	۲۰۱۲ء
صفحات:	۳۰۹
قیمت:	
ناشر:	جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ یوپی (انڈیا)

ملنے کے پتے:

- (۱) جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ (یوپی) 9450876465
- (۲) نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند 01336-223294
- (۳) مکتبہ الشباب العلمیة لکھنؤ 9696437283

فہرست مضامین

صفحہ	موضوع	نمبر شمار
۲۱	حرف اولیں از: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری	۱
۲۲	تقریظ: مولانا عمیر الصدیق ندوی رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ، یوپی	۲
۲۹	پیش لفظ از: مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی	۳
۳۱	علامہ عبدالحی لکھنوی کے بارے میں علمائے مشاہیر کی گراں قدر آراء	۴
۳۳	مقدمہ: مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی	۵
۳۵	تمہید: علامہ لکھنوی کا زمانہ	۶
۳۶	فصل اول: نشوونما اور حالات زندگی	۷
۳۶	فصل دوم: اساتذہ اور تلامذہ	۸
۳۶	فصل سوم: الف - ثقافت - ب - تصنیف کردہ کتابیں - ج - معاصرین کے ساتھ علمی مناقشے	۹
۴۱	سیاسی حالات	۱۰
۴۲	دہلی میں باغیوں کا داخلہ	۱۱
۴۵	لکھنؤ میں انقلاب کی لہر	۱۲

صفحہ	موضوع	نمبر شمار
۴۸	بغاوت کی ناکامی کے اسباب	۱۳
۴۹	بغاوت کی ناکامی کے بعد کی صورتحال	۱۴
۵۲	بغاوت میں مسلم علماء کا موقف	۱۵
۵۵	معاشرتی اور اقتصادی حالات	۱۶
۶۱	علمی حالات	۱۷
۶۲	دارالعلوم دیوبند	۱۸
۶۳	مدرسہ مظاہر علوم	۱۹
۶۴	مدرسہ فرنگی محل	۲۰
۶۴	مدرسہ عظیمیہ	۲۱
۶۴	مدرسہ والا جاہیہ	۲۲
۶۵	رام پور کا مدرسہ عالیہ	۲۳
۶۵	بڑا مدرسہ	۲۴
۶۵	دہلی کا مدرسہ شاہ ولی اللہ دہلوی	۲۵
۶۶	مدرسہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (مدرسہ ریاست بھوپال)	۲۶
۶۶	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۲۷
۶۹	علامہ لکھنوی کے عہد سے ما قبل تاریخ اور حدیث و محدثین پر ایک نظر	۲۸
۷۹	نام و نسب	۲۹

صفحہ	موضوع	نمبر شمار
۸۱	کنیت، نسبت	۳۰
۸۵	خاندان	۳۱
۸۷	ولادت	۳۲
۸۸	نشوونما اور طالب علمی	۳۳
۹۱	دکن کا سفر	۳۴
۹۲	شادی	۳۵
۹۲	حرمین کا سفر	۳۶
۹۴	وطن واپسی	۳۷
۹۴	بہار کا سفر	۳۸
۹۵	علامہ کے امراض، وفات	۳۹
۹۷	وفات میں لوگوں کا شک	۴۰
۹۷	مزار	۴۱
۹۸	مرثیے	۴۲
۹۹	اولاد	۴۳
۹۹	علماء کا خراج تحسین	۴۴
۱۰۳	خلقی اوصاف	۴۵
۱۰۴	عادات و اخلاق	۴۶

صفحہ	موضوع	نمبر شمار
۱۰۴	قتاعت پسندی	۴۷
۱۰۵	یادداشت	۴۸
۱۰۹	اساتذہ	۴۹
۱۱۰	علامہ لکھنوی کے اساتذہ	۵۰
۱۱۰	والدگرمی علامہ محمد عبدالجلیم بن محمد امین بن محمد اکبر انصاری لکھنوی	۵۱
۱۱۱	فقیہ محدث و مفکر شیخ محمد جمال عمر حنفی	۵۲
۱۱۱	محدث فقیہ مفسر احمد بن زینی دحلان	۵۳
۱۱۲	مولانا محمد بن محمد عرب شافعی	۵۴
۱۱۲	شیخ محدث عبدالغنی بن ابوسعید مجددی	۵۵
۱۱۲	مولانا عبدالرشید بن احمد سعید مجددی دہلوی	۵۶
۱۱۲	شیخ علی الحریری مدنی حاکم باہلی	۵۷
۱۱۳	آثار و کتب	۵۸
۱۱۳	شیخ مفتی نعمت اللہ بن مفتی نور اللہ بن قاضی محمد ولی اللہ بن قاضی غلام مصطفیٰ انصاری لکھنوی	۵۹
۱۱۵	مولوی خادم حسین	۶۰
۱۱۵	وہ اساتذہ جن سے مختلف علوم کی اجازت لی	۶۱
۱۱۶	شیخ ابوالعباس احمد بن زینی دحلان شافعی مکی	۶۲

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۶۳	شیخ علی حریری	۱۱۸
۶۴	شیخ عبدالغنی بن ابوسعید بن صفی عمری دہلوی	۱۱۸
۶۵	شیخ محمد عبداللہ بن علی عثمان بن حمید عامری نجدی حنبلی	۱۲۰
۶۶	تلامذہ	۱۲۳
۶۷	علامہ لکھنوی کے اسباق	۱۲۵
۶۸	علامہ لکھنوی کا طلبہ کو سند اجازت دینا	۱۲۷
۶۹	سند اجازت جاری کرنے میں علامہ لکھنوی کی احتیاط	۱۳۰
۷۰	علامہ لکھنوی کے مشہور تلامذہ اور ان کے مختصر حالات زندگی	۱۳۲
۷۱	ادریس بن عبدالعلی حنفی نگرانی	۱۳۲
۷۲	افہام اللہ بن انعام اللہ بن ولی اللہ انصاری لکھنوی	۱۳۲
۷۳	انوار اللہ بن شجاع الدین بن القاضی سراج الدین عمری حنفی	۱۳۳
۷۴	سید امین بن طہ بن زین حسینی حسینی نصیر آبادی	۱۳۴
۷۵	بدیع الزماں بن مسیح الزماں نور محمد لکھنوی	۱۳۵
۷۶	ابوالفضل حفیظ اللہ بن دین علی بندوی	۱۳۶
۷۷	شیر علی بن رحم علی بن انوار حسینی حیدر آبادی	۱۳۶
۷۸	ظہور الاسلام بن حسن علی حسینی کاظمی نیشاپوری فتح پوری	۱۳۷
۷۹	ظہیر احسن بن سبحان علی حنفی نیموی عظیم آبادی	۱۳۷

نمبر شمار	موضوع	صفحه
۸۰	عبدالباری بن تطف حسیں بن روشن علی بن حسین علی بکری عظیم آبادی	۱۳۹
۸۱	عبدالباقی بن علی محمد بن محمد معین بن ملا محمد مبین انصاری لکھنوی	۱۳۹
۸۲	عبدالخلیم بن اسماعیل بن حسین بن امام الدین ویلوری، مدراسی ابو اسماعیل	۱۴۰
۸۳	عبدالخلیم بن تفضل حسین بن محمد بن نظام الدین عباسی لکھنوی	۱۴۰
۸۴	عبدالحمید بن عبدالکریم بن قربان قنبر بن تاج علی انصاری فراہی اعظمی معروف بہ حمید الدین فراہی	۱۴۱
۸۵	عبدالعزیز بن عبدالرحیم بن عبدالسلام انصاری لکھنوی	۱۴۲
۸۶	عبدالعلی بن ابراہیم بن یعقوب حنفی لکھنوی	۱۴۲
۸۷	عبدالعلی بن مصطفیٰ حنفی مدراسی لکھنوی	۱۴۳
۸۸	عبدالغفور رمضان پوری	۱۴۳
۸۹	عبداللہ بن ہمت علی چاند پاری	۱۴۴
۹۰	عبدالحمید بن عبدالخلیم بن عبدالکیم بن عبدالرب بن بحر العلوم عبدالعلی انصاری	۱۴۴
۹۱	عبدالوہاب بن احسان علی سریندوی بہوری	۱۴۵
۹۲	عثمان بن اشرف علی حنفی	۱۴۵
۹۳	عین القضاة بن محمد وزیر بن محمد جعفر حسینی نقشبندی	۱۴۵

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۹۴	فتح محمد حنفی لکھنوی	۱۴۶
۹۵	قادر بخش بن حسن علی حنفی سہسوانی	۱۴۶
۹۶	محمد حسین بن احمد حسن بن محمد حسنی حسینی نصیر آبادی	۱۴۷
۹۷	محمد حسین بن تفضل حسین عمری الہ آبادی	۱۴۷
۹۸	محمد سلیمان بن داود بن وعظ اللہ بن محبوب پھلواری	۱۴۸
۹۹	محمد عبدالاحد بن امام علی الہ آبادی	۱۴۸
۱۰۰	محمد کلی ابوالخیر بن سخاوت علی عمری جوینپوری	۱۴۹
۱۰۱	محمد یلین بن ناصر علی حنفی آروی	۱۴۹
۱۰۲	وحید الزماں بن مسیح الزماں بن نور محمد عمری ملتانی ثم حیدر آبادی ملقب بہ نواب وقار نواز جنگ بہادر	۱۴۹
۱۰۳	ثقافت	۱۵۳
۱۰۴	ثقافت کے عناصر	۱۵۳
۱۰۵	علامہ لکھنوی کے علوم و معارف	۱۵۵
۱۰۶	تفسیر	۱۵۵
۱۰۷	حدیث اور علوم حدیث	۱۵۶
۱۰۸	فقہ و اصول فقہ	۱۵۷
۱۰۹	سوانح و تراجم	۱۵۹

صفحہ	موضوع	نمبر شمار
۱۶۰	منطق و فلسفہ	۱۱۰
۱۶۰	لغات (زبانیں)	۱۱۱
۱۶۱	تصنیفات	۱۱۲
۱۶۵	علامہ لکھنوی کی کتابوں کی تعداد	۱۱۳
۱۶۶	بعض کتابوں کی نسبت کی تحقیق	۱۱۴
۱۶۸	علامہ لکھنوی کی تالیفات	۱۱۵
۱۶۹	عقائد	۱۱۶
۱۶۹	الآیات البينات على وجود الأنبياء في الطبقات	۱۱۷
۱۷۰	الحاشية على حواشي الخيالي على شرح العقائد	۱۱۸
۱۷۰	الحاشية على شرح العقائد النسفية	۱۱۹
۱۷۱	دافع الوسواس في أثر ابن عباس	۱۲۰
۱۷۱	حدیث اور علوم حدیث	۱۲۱
۱۷۱	الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة	۱۲۲
۱۷۵	زنادقہ	۱۲۳
۱۷۶	الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة	۱۲۴
۱۷۸	التعليق الممجد على موطأ إمام محمد	۱۲۵
۱۸۲	اس کتاب سے علماء کا استفادہ اور توہین کی کلمات	۱۲۶

صفحة	موضوع	نمبر شمار
١٨٣	خير الخبر في أذان خير البشر	١٢٤
١٨٤	الرفع والتكميل في الجرح والتعديل	١٢٨
١٨٨	شرح الحصن الحصين	١٢٩
١٩٠	ظفر الأمانى في مختصر الجرجاني	١٣٠
١٩٢	اصول فقه	١٣١
١٩٢	حاشية على التوضيح والتلويح	١٣٢
١٩٢	فقه	١٣٣
١٩٢	آثار النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس	١٣٢
١٩٣	أحكام القنطرة في أحكام البسملة	١٣٥
١٩٥	إفادة الخير في الاستياك بسواك الغير	١٣٦
١٩٦	الإفصاح عن شهادة المرأة في الإرضاع	١٣٤
١٩٤	إقامة الحججة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة	١٣٨
١٩٨	إمام الكلام فيما يتعلق بالقراءة خلف الإمام	١٣٩
٢٠٠	الإنصاف في حكم الاعتكاف	١٤٠
٢٠١	تحفة الأختيار في إحياء سنة سيد الأبرار	١٣١
٢٠٢	تحفة الثقات في تفاضل اللغات	١٣٢
٢٠٣	تحفة الطلبة في تحقيق مسح الرقبة	١٣٣

صفحة	موضوع	نمبر شمار
٢٠٢	تحفة الكملة على حواشي تحفة الطلبة	١٢٢
٢٠٥	تحفة النبلاء في جماعة النساء	١٢٥
٢٠٦	التحقيق العجيب في التثويب	١٢٦
٢٠٧	تدوير الفلك في حصول الجماعة بالجن والملك	١٢٧
٢٠٨	ترويح الجنان بتشريح حكم شرب الدخان	١٢٨
٢١٠	حاشية نور الإيمان بزيارة آثار حبيب الرحمان	١٢٩
٢١٠	حاشية القول الجازم	١٥٠
٢١٠	جمع الغرر في رد نثر الدرر	١٥١
٢١٢	حاشية الجامع الصغير	١٥٢
٢١٢	حاشية هداية	١٥٣
٢١٣	حسن الولاية بحل شرح الوقاية	١٥٢
٢١٣	ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان	١٥٥
٢١٥	رفع الستر عن كيفية إدخال الميت وتوجيهه إلى القبلة في القبر	١٥٦
٢١٦	زجر أرباب الريان عن شرب الدخان	١٥٧
٢١٧	زجر الشبان والشبية عن ارتكاب الغيبة	١٥٨
٢١٨	سباحة الفكر في الجهر بالذكر	١٥٩
٢١٩	السعاية في كشف ما في شرح الوقاية	١٦٠

صفحة	موضوع	نمبر شمار
٢٢١	السعي المشكور في رد المذهب المأمور (واضح الحجة في إبطال إتمام الحجة)	١٦١
٢٢٢	ظفر الأنفال على حواشي غاية المقال	١٦٢
٢٢٢	عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية	١٦٣
٢٢٣	عمدة النصائح في ترك القبائح	١٦٤
٢٢٤	غاية المقال فيما يتعلق بالنعال	١٦٥
٢٢٦	غيث الغمام على حواشي إمام الكلام	١٦٦
٢٢٧	الفلك الدوّار في رؤية الهلال بالنهار	١٦٧
٢٢٨	الفلك المشحون فيما يتعلق بانتفاع المرتهن بالمرهون	١٦٨
٢٢٩	قوت المغتدين بفتح المقتدين	١٦٩
٢٣٠	القول الأشرف في الفتح من المصحف	١٧٠
٢٣٠	القول الجازم في سقوط الحد بنكاح المحارم	١٧١
٢٣١	القول المنشور على القول المنشور	١٧٢
٢٣٢	القول المنشور في هلال خير الشهور	١٧٣
٢٣٣	الكلام الجليل فيما يتعلق بالمنديل	١٧٤
٢٣٤	الكلام المبرم في نقض القول المحقق المحكم	١٧٥
٢٣٤	الكلام المبرور في رد القول المنصور	١٧٦

صفحة	موضوع	نمبر شمار
٢٣٢	مجموعة الفتاوى	١٤٤
٢٣٥	نخبة الأنظار على تحفة الأخيار	١٤٨
٢٣٦	نزهة الفكر في سبحة الذكر: لقب: هدية الأبرار في سبحة الأذكار	١٤٩
٢٣٧	النفحة بتحشية النزهة	١٨٠
٢٣٨	نفع المفتي والسائل بجميع متفرقات المسائل	١٨١
٢٣٩	هداية المعتدين إلى فتح المقتدين	١٨٢
٢٣٩	الهسهسة بنقض الوضوء بالقهقهة	١٨٣
٢٤١	فرائض	١٨٤
٢٤١	شرح شريفه شرح السراجية	١٨٥
٢٤٢	الرقائق	١٨٦
٢٤٣	اللطائف المستحسنة بجمع خطب شهور السنة: دوسرانام "إزالة الغفلة والسنة بتأليف خطب السنة"	١٨٧
٢٤٣	تاريخ وتراجم	١٨٨
٢٤٣	تبصرة البصائر في معرفة الأواخر	١٨٩
٢٤٤	التعليقات السننية على الفوائد البهية	١٩٠
٢٤٥	تحفة الأمجاد بذكر خير الأعداد	١٩١

صفحة	موضوع	نمبر شمار
٢٣٥	خير العمل بذكر تراجم علماء فرنگی محل	١٩٢
٢٣٥	دفع الغواية عمن يطالع شرح الوقاية (مقدمة السعاية)	١٩٣
٢٣٦	ایک رسالہ متقدم ہندوستانی علماء کے حالات زندگی میں	١٩٣
٢٣٧	رسالة في معرفة الأوائل	١٩٥
٢٣٧	طرب الأمثال بتراجم الأفاضل	١٩٦
٢٣٨	فرحة المدرسين بذكر المؤلفات والمؤلفين	١٩٧
٢٣٨	الفوائد البهية في تراجم الحنفية	١٩٨
٢٥٠	مذيلة الدراية لمقدمة الهداية	١٩٩
٢٥٣	مقدمه التعليق الممجد	٢٠٠
٢٣٥	مقدمة عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية	٢٠١
٢٥٥	مقدمة الهداية	٢٠٢
٢٥٧	النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير	٢٠٣
٢٥٨	النصيب الأوفر في تراجم علماء المائة الثالثة عشر	٢٠٢
٢٥٩	سير وسوانح	٢٠٥
٢٥٩	حسرة العالم بوفاة مرجع العالم	٢٠٦
٢٥٩	درك المآرب في شأن أبي طالب	٢٠٧
٢٦٠	مواليد ووفيات	٢٠٨

صفحة	موضوع	نمبر شمار
٢٦٠	إبراز الغي الواقع في شفاء العي: دوسرنام "حفظ أهل الإنصاف عن مسامحات الحطة و الإتحاف"	٢٠٩
٢٦٠	تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد (ظفر المنية بذكر أغلاط صاحب الحطة)	٢١٠
٢٦١	تنبيه أرباب الخبرة على مسامحات مؤلف الحطة	٢١١
٢٦٢	منطق وحكمة	٢١٢
٢٦٢	الإفادة الخطيرة في مبحث نسبة سُبُع عرض شعيرة	٢١٣
٢٦٢	تعليق الحمائل على تعليق السيد الزاهد المتعلق بشرح الهياكل	٢١٤
٢٦٣	التعليق العجيب لحل حاشية الجلال لمنطق التهذيب	٢١٥
٢٦٣	تعليق على حاشية الزاهد شرح التهذيب للدواني	٢١٦
٢٦٣	تعليق على حواشي الزاهد على شرح المواقف	٢١٧
٢٦٣	حاشية حواشي الزاهد رساله قطبيه	٢١٨
٢٦٣	التعليق النفيس على خطبة شرح الموجز للنفيس	٢١٩
٢٦٣	شرح هداية الحكمة	٢٢٠
٢٦٣	تكملة حل النفيس	٢٢١
٢٦٥	حاشية بديع الميزان	٢٢٢

صفحة	موضوع	نمبر شمار
٢٦٥	حاشية شرح التهذيب لعبدالله يزدي	٢٢٣
٢٦٥	حاشية شرح ملاحلال تهذيب المنطق	٢٢٢
٢٦٥	حاشية شرح هداية الحكمة ميدي	٢٢٥
٢٦٥	حاشية الشمس البازغة	٢٢٦
٢٦٦	حل المغلق في بحث المجهول المطلق	٢٢٤
٢٦٦	دفع الكلال عن طلاب تعليقات الكمال على الحواشي الزاهدية المتعلقة بحاشية التهذيب للجلال	٢٢٨
٢٦٤	علم الهدى على حواشي نور الهدى	٢٢٩
٢٦٤	الكلام المتين في تحرير البراهين	٢٣٠
٢٦٤	الكلام الوهبي في حل بعض عبارات القطبي	٢٣١
٢٦٤	مصباح الدجى في لواء الهدى	٢٣٢
٢٦٨	المعارف بما في حواشي شرح المواقف	٢٣٣
٢٦٨	مفيد الخائضين في جواب من رد على معين الغائضين	٢٣٢
٢٦٨	ميسر العسير في مبحث المثناة بالتكرير	٢٣٥
٢٦٩	نور الهدى لحملة لواء الهدى	٢٣٦
٢٦٩	هداية الورى إلى لواء الهدى	٢٣٤
٢٦٩	علم مناظره	٢٣٨

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۲۳۹	تعلیق حاشیہ الرشیدیہ شرح الشریفیہ	۲۶۹
۲۴۰	الهدایة المختاریة شرح الرسالة العضدیة	۲۷۰
۲۴۱	علم نحو	۲۷۰
۲۴۲	إزالة الجمد عن إعراب أكمل الحمد	۲۷۰
۲۴۳	خیر الکلام فی تصحیح کلام الملوک ملوک الکلام	۲۷۱
۲۴۴	علم صرف	۲۷۱
۲۴۵	امتحان الطلبة في الصیغ المشکلة	۲۷۱
۲۴۶	التبیان فی شرح المیزان	۲۷۱
۲۴۷	تکملة المیزان	۲۷۲
۲۴۸	چارگل	۲۷۲
۲۴۹	شرح تکملة المیزان	۲۷۲
۲۵۰	معاصرین کے ساتھ علامہ عبدالحی لکھنوی کے علمی مباحثے	۲۷۳
۲۵۱	علامہ زماں ابوالطیب صدیق بن حسن بن علی حسینی قنوجی بخاری	۲۷۴
۲۵۲	علامہ عبدالحی لکھنوی اور نواب صدیق حسن خان صاحب قنوجی کے درمیان علمی اختلاف	۲۷۶
۲۵۳	محدث محمد بشیر الدین بن صدر الدین عمری سہوانی	۲۸۱
۲۵۴	علامہ لکھنوی اور شیخ محمد بشیر سہوانی کا علمی اختلاف	۲۸۲

صفحہ	موضوع	نمبر شمار
۲۸۴	بلند پایہ امام المعقولات عبدالحق بن فضل امام عمری خیر آبادی	۲۵۵
۲۸۵	علامہ لکھنوی سے علمی اختلاف	۲۵۶
۲۸۶	مولوی احمد علی احراری	۲۵۷
۲۸۷	ابوسعید محمد حسین بن رحیم بخش بن ذوق محمد بطالوی	۲۵۸
۲۸۹	خاتمۃ الحجث	۲۵۹
۲۹۳	مصادر و مراجع	۲۶۰
۲۹۴	عربی مراجع	۲۶۱
۳۰۴	اردو اور فارسی مراجع	۲۶۲
۳۰۸	انگریزی مراجع	۲۶۳
۳۰۹	مجلات	۲۶۴





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف اولیں

از: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد وآله

وصحبه أجمعين، أما بعد!

علامہ عبداللہ فرنگی محلی متوفی ۱۳۰۴ھ کی ذات گرامی اس زمانہ میں عالم وجود میں آئی کہ جب مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہو چکا تھا، ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کا ہولناک حادثہ پیش آچکا تھا، علماء و صوفیاء نے علم دین کی بقاء کے لیے مدارس قائم کیے اور خانقاہوں کو آباد کیا، اس پُر آشوب زمانہ میں ہندوستان کے مشہور خاندان فرنگی محل کے علمی گھرانے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا، ذہانت و فقاہت اور علم و اجتہاد کی وہ قوت عطا فرمائی کہ مورخ ہند علامہ عبداللہ حسنی نے یہ شہادت دی: ”کان من عجائب الزمن ومن محاسن الهند، کان الثناء علیہ کلمة إجماع والاعتراف بفضله لیس فیہ نزاع“ ان کی ذات گرامی زمانہ کے عجائب میں اور ہندوستان کے محاسن میں شمار ہونے کے قابل ہے، جن کی ثناء و تعریف پر اہل علم کا اجماع ہے، ان کے فضل و کمال کے اعتراف میں کسی کو کلام نہیں۔

مشہور شامی عالم شیخ ابو غدہ مرحوم ان کی شان میں فرماتے ہیں: ”مختصر عمر پائی لیکن وہ علم میں امام تھے اور مفید کتابوں کی تالیف و تصنیف میں بھی ان کو امامت کا درجہ حاصل ہے۔“

جب اس ناچیز کا قیام عالم عربی میں ہوا اور علماء ہند کی حدیثی کتابوں کی تحقیق و

تعلیق کی خدمت کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو ہندوستانی علماء میں علامہ عبداللّٰحی فرنگی مہلی کی کتاب ”تعلیق لمجد“ کی تحقیق و تعلیق کی خدمت کے لیے مؤتمرا مام مالک منعقدہ ۱۹۸۲ء ابو ظہبی کی علمی کمیٹی نے اس ناچیز کو مکلف کیا، الحمد للہ! وہ کتاب مکمل ہو کر ۳ جلدوں میں سات مرتبہ شائع ہو چکی ہے، اس کتاب کے سلسلہ میں مجھے حضرت مولانا عبداللّٰحی فرنگی مہلی کی کتابوں اور ان کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

مجھے شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ عالم اسلامی میں علامہ عبداللّٰحی فرنگی مہلی کی ذات گرامی اور ان کی مؤلفات کا تفصیلی تعارف کرایا جائے، اب تک جو کچھ عرب ممالک میں تعارف کرایا گیا ہے اس بحرنا پیدا کنار کا ایک جزء ہے، اس لیے ہمارے صاحبزادے مولوی ڈاکٹر ولی الدین ندوی جب جامعہ اسکندریہ مصر میں پی ایچ ڈی کے مرحلہ میں پہنچے تو ان کے لیے شعبہٴ دراسات اسلامیہ پی ایچ ڈی کا موضوع ”الامام عبداللّٰحی الکنوی وچہودہ فی علم الحدیث“ اختیار کیا گیا، اس رسالہ کے مشرف پروفیسر ڈاکٹر مصطفیٰ صاوی جوینی مقرر ہوئے، اس موضوع کے لیے ضرورت تھی کہ حضرت مولانا فرنگی مہلی کی ساری کتابوں کو تلاش کیا جائے، جو آج سے سو سال پیشتر شائع ہوئی تھیں یا مکتبات میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں، بہر حال ڈاکٹر ولی الدین سلمہ نے اس کے لیے بیحد کوششیں کیں کہ ساری کتابیں جمع کی جائیں، الحمد للہ علامہ فرنگی مہلی کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ اکٹھا ہو گیا، جو شاید کسی ایک مکتبہ میں موجود نہیں ملے گا۔

درحقیقت یہ کتاب ان کے پی ایچ ڈی کے رسالے کا ایک جزء ہے، جس میں انہوں نے حضرت علامہ فرنگی مہلی کی سیرت اور ان کی مؤلفات کا ذکر کیا اور ان کا تعارف کرایا ہے، اور یہ کتاب عربی زبان میں علامہ فرنگی مہلی کے حالات زندگی اور علمی کارناموں

کے معلوم کرنے کا سب سے بڑا مرجع ہے، اس جزء کو دارالقلم دمشق نے بعنوان: الإمام عبدالحی الکنوی علامة الہند إمام المحدثین و الفقہاء، شائع کیا، اس کتاب میں علامہ فرنگی محلی کی زندگی کا پورا تعارف اور ان کی نادر مؤلفات کا پورا احصاء کیا گیا ہے اور ہر کتاب کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کتاب کو اردو زبان میں منتقل کیا جائے اس لیے کہ اردو زبان میں بھی علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی سیرت پر کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جو ان کے حالات زندگی اور علمی کارناموں کا مکمل تعارف کرا سکے، اس قلیل مدت عمر میں جو ۳۹ سال چار مہینے پر مشتمل ہے اور یہ عظیم الشان کارنامے، بلاشبہ اسلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، اس لیے اس ناچیز نے جامعہ اسلامیہ کے مدرس عزیز گرامی محمد رفیع ندوی جو عربی اردو دونوں میں دسترس رکھتے ہیں، ان سے مستقبل میں ہمیں بڑی توقعات ہیں اس کتاب کے ترجمہ کی ذمہ داری ان پر ڈالی، انہوں نے سعادت سمجھ کر نہایت ہی سلاست و روانی کے ساتھ اس کتاب کو اردو زبان میں منتقل کیا کہ ترجمہ کا شائبہ بھی محسوس نہیں ہوتا، جس کی شہادت مولانا عمیر الصدیق ندوی نے اپنے مقدمہ میں دی ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف اور مترجم دونوں کو دنیا و آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے، اور اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، آمین۔

واللہ من وراء القصد وهو یهدی السبیل

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی مظاہری (دامت برکاتہم)

تقریظ

مولانا عمیر الصدیق ندوی

رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ، یوپی

مولانا عبدالحی فرنگی محلی (۱۸۸۶-۱۸۴۷) انیسویں صدی کے اس دور میں

پیدا ہوئے جو ہندوستان اور مسلمانان ہندوستان کی تاریخ کا سب سے پُر آشوب دور تھا، ۱۸۵۷ء کی پہلی اور نہایت خونی انقلابی جدوجہد سے صرف دس سال پہلے باندہ میں ان کی پیدائش ہوئی اور دس سال کی عمر میں انہوں نے لکھنؤ کو تاخت و تاراج ہوتے دیکھا، یہ ایک خونی بادل کی تراوش تھی جس سے ہر جگہ تو خون برسایا لیکن بقول مولانا سید سلیمان ندوی ”کہیں کہیں خون کے قطروں کی بجائے سرخ یا قوت کے دانے بھی برسے“ عین زوال و ادبار کے ایسے عہد میں مولانا عبدالحی لکھنوی کی شخصیت، علم و فضل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت کی ایک آیت بن کر سامنے آئی۔

مولانا عبدالحی لکھنوی کے کمالات کو سمجھنے کے لیے اس علمی سلسلہ و روایت

کو جاننے کی بھی ضرورت ہے جس کی عظیم الشان کڑی کی شکل میں ان کا ظہور ہوا، یعنی سلسلہ درس نظامیہ، علامہ شبلی نعمانی کی نظر میں ”درس نظامیہ ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایاں لفظ ہے“ اسلامی ہند کے تمام تعلیمی سلسلے سب اسی درس کی شاخیں ہیں، اہل نظر کی نظر میں کوئی عالم، عالم ہی نہیں اگر اس نے

اس طریقہ درس کے مطابق تعلیم نہ حاصل کی ہو، اسی طرح درس نظامیہ سے خارج کوئی کتاب گویا اس بات کا اعلان ہے کہ وہ نصاب تعلیم میں داخل ہونے کی صلاحیت سے خارج ہے، اودھ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں، ملا نظام الدین کا وجود اور ان کے مسند تدریس کا قبول عام دراصل قدرت کی نیرنگی اور فیاضی کا ایسا مظہر ہے جس کی بظاہر کوئی توجیہ اور تعبیر آسان نہیں، ملا نظام الدین اور ان کے والد شہید قطب الدین کے لہو کی وہ کیا حدت و حرارت تھی کہ ہندوستان کے دوسرے ممتاز علماء کے خاندان دو تین نسل سے زیادہ مملکت علم پر حکمرانی نہ کر سکے لیکن درس نظامی اور خاندان نظامی (فرنگی محلی) کی حکومت اور سکہ آج بھی جاری ہے، کیسے کیسے تاجداران علم و دانش اس تاریخ سے وابستہ ہوئے، مثلاً ملا نظام الدین کے فرزند مولانا عبدالعلی جو بحر العلوم کے لقب سے مشہور ہوئے، اور جن کے متعلق وقت کے حجۃ الاسلام علامہ شبلی نعمانی نے گواہی دی کہ ”در حقیقت ہندوستان کی خاک سے کوئی شخص اس جامعیت کا شروع اسلام سے آج تک نہیں پیدا ہوا“، حق یہ ہے کہ خاندان نظامیہ اور اس کا مرکز علم فرنگی محل، علم و فن کا ایسا معدن بنا کہ سوسال پہلے اس قول کی واقعیت کا کوئی منکر ہی نہیں تھا کہ ”آج ہندوستان میں جہاں جہاں علوم عربیہ کا نام و نشان باقی ہے اسی خاندان کا پرتو فیض ہے“ اور آج بھی اس حقیقت سے انکار کرنا مشکل ہے کہ اب ہندوستان کا یہ کعبہ علم و فضل، تحصیل علم کے احرام باندھنے والوں کے طواف سے محروم ہے، اور اس کی ایک دلیل مولانا عبدالحی لکھنوی کی شخصیت اور کمالات پر لکھی گئی یہ قابل قدر کتاب ہے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی کی حیات مستعار صرف ۳۹ سال کے لیے تھی اس میں بچپن اور طالب علمی کے سن و سال سے صرف نظر کیا جائے تو صرف بیس

بائیس سال اور وہ بھی سن رشد سے پہلے کے عالم شباب کے ملتے ہیں، عمر کی اس فرصت کو دیکھئے اور پھر مولانا لکھنوی کے کارناموں کو تو یہ کسی مافوق فطرت کارنامے سے کم نظر نہیں آتا، شاید اسی لیے بعضوں نے ان کو ملا بحر العلوم پر ایک درجہ فوقیت دی، ان کے ہم نام اور ہم عصر اور علم و فضل کے نباض مولانا حکیم عبداللحی حسنی صاحب نزہتہ الخواطر نے اگر ان کے متعلق لکھا کہ وہ زمانے کے عجائب اور ہندوستان کے نوادر میں تھے، ان کی تعریف و توصیف میں سب متفق اور اعتراف فضیلت میں کوئی بھی مختلف نہیں تو یہ محض کلمات مدح نہیں بلکہ ایک نہایت محتاط اور الفاظ کی حقیقت سے باخبر، نقاد و محقق کے حرف گفتار تھے، اسی طرح دوسرے اہل فضل نے مولانا عبداللحی لکھنوی کو اگر آیت اللہ فی العالمین، وارث علوم سید المرسلین، فخر خلف، یادگار سلف جیسی تعبیرات سے ذکر کیا تو اب تک ان جذبات پر آمنا و صدقاً کہنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

مولانا لکھنوی کی معجز نما حیات و تالیفات کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ بھی ہے کہ باوجود اس بے مثال کمال کے ان کی زندگی اور علمی کارناموں پر علماء و محققین کے اعتناء میں کمی بلکہ محرومی بھی رہی، تذکروں کے اجمالی بیان کے سوا عربی تو کیا اردو میں بھی کوئی شایان شان کتاب نہیں ملتی، برسوں پہلے ایک تحقیقی مقالہ جناب غلام مرسلین کا ضرور کتابی شکل میں شائع ہوا تھا لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ کما حقہ نہیں تھا، جب اردو کا یہ عالم ہے تو عربی زبان کا کیا شکوہ؟ قریب ترین عہد میں شیخ عبدالفتاح ابوعدہ نے ہندوستان کے اس آفتاب علم کی چند کرنوں سے عالم عرب کو منور کرنے کی کوششیں کیں، کئی کتابوں اور رسائل کی اشاعت کی، مقدمے لکھے، یہ سب قدر کے لائق، لیکن یہ سچائی اپنی جگہ کہ زندگی اور سیرت کے متعلق وہ پہلو ان کی نظر سے پوشیدہ ہی رہے جن

کو تلاش و جستجو سے پایا جاسکتا تھا، یہ ضروری بلکہ عظیم خدمت قسام ازل نے شاید اس کتاب کے جواں سال مصنف مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی کے سرمایہ سعادت کے لیے مقدر کر رکھی تھی، جنہوں نے اپنے عظیم والد، محدث کبیر، مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کے ایماء و اعتناء اور نگرانی و سرپرستی میں بڑی محنت اور نہایت سلیقہ سے یہ کتاب مرتب کر دی، اس کا اندازہ کتاب کی فہرست پر اجمالی نظر سے ہی ہو جاتا ہے کہ انہوں نے کس طرح نایاب مخطوطات کو حاصل کر کے اور جہاں جہاں امکان تھا وہاں رسائی حاصل کر کے گویا چیونٹیوں کے منہ سے شکر کے دانوں کو ایک ایک کر کے جمع کیا اور پھر شہد کی صورت میں شیرینی و شفا کا آمیزہ پیش کر دیا، ڈاکٹر ولی الدین ندوی سلمہ اللہ کی اس دیدہ ریزی اور ریزہ کاری میں رنگ اس لیے بھی ہے کہ والد ماجد ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ العالی کی تمام علمی و حدیثی خدمات کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ علمائے ہند کے پیش قیمت علمی کارناموں سے عالم عرب کو روشناس کیا جائے، میر عرب کو سوئے ہند سے ٹھنڈی ہواؤں کے احساس کی بات، سنداً کیسی بھی ہو لیکن اسلام اور علوم اسلامیہ کی خدمت علمائے ہند کے نصیب میں آئی، اس میں کسی شک کی گنجائش بہر حال نہیں، مولانا عبدالحی لکھنوی کا یہ تذکرہ خوش نصیب ماضی کا نہایت خوشگوار جھونکا ہی نہیں، عرب و ہند کے علمی و مذہبی تعلقات کا بڑا خوبصورت اظہار بھی ہے۔

ڈاکٹر ولی الدین کے اس عربی تذکرہ کو شائع ہوتے ہی قبولیت کی دولت ملی، پھر یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ خود اردو دنیا اس نعمت سے کیوں محروم رہے؟ الحمد للہ اس ضرورت کی تکمیل بھی جامعہ اسلامیہ کے ایک ہونہار طالب علم اور اب استاذ شعبہ عربی

عزیز گرامی محمد رافع ندوی کے قلم سے ہوئی، جامعہ اسلامیہ مظفر پور کی تعلیم و تربیت اور حضرت مولانا تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کی تمناؤں کا لائق مترجم، عمدہ نمونہ ہیں، انہوں نے بعض عربی کتابوں اور تحریروں کا پہلے بھی ترجمہ کیا ہے، لیکن زیر نظر کتاب ان کی ترجمہ نگاری کا بھی بہترین نمونہ بن کر سامنے آئی ہے، سلاست ہے، روانی ہے، جملوں کا دروبست بالکل درست ہے اور تفہیم میں ذرا دشواری نہیں، ترجمے کی خوبی کے لیے اس کے سوا اور کیا چاہیے۔

جامعہ اسلامیہ کا تحقیقی شعبہ مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی واقعی لائق تحسین ہے کہ ایک اور نہایت قیمتی کتاب اس کے ذریعے اور حوالے سے اردو دنیا کی ثروت میں اضافے کا سبب ہو رہی ہے۔

فاضل مؤلف، لائق مترجم، شکر یہ اور تبریک کے مستحق ہیں، دعائیں ان کے لیے اور ان کے ساتھ اس فنانی العلم اور فنانی خدمت الحدیث شخصیت کے لیے بھی کہ
اصلاً اس فیض کا سرچشمہ اسی کی ذات والاصفات ہے۔
داتا رکھے آباداں ساقی تری محفل کو

(مولانا) عمیر الصدیق ندوی



پیش لفظ

از: مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی

علامہ محمد عبدالحی لکھنوی کی شخصیت عمر کے اعتبار سے جس قدر مختصر تھی، علم و تحقیق، فضل و کمال اور افادہ عام کے لحاظ سے اسی قدر عظیم و جلیل تھی، سترہ سال کی عمر میں جملہ علوم شرعیہ میں کمال پیدا کرنے والی اور ۳۹ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے دنیائے علم کو اپنی تصنیفات و تحقیقات سے حیران و ششدر کر دینے والی شخصیت کیا عظیم شخصیت نہیں کہلائے گی؟

علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ہیں: ”کل عمر چالیس برس کی ملی، مگر اسی مختصر زمانہ میں مرحوم کے درس و تدریس، تالیف و تصنیف اور تحقیق و تدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام گونج اٹھی، اطراف و دیار سے علم کے طالب آپ کے آستانہ پر جمع ہوئے، معقول و منقول کا یہ مجمع البحرین زندگی کے آخری لمحوں تک موجیں مارتا رہا، دوسرے علوم و فنون کے ساتھ تمام کتب حدیث کا درس بکمال تحقیق آپ کی درسگاہ میں ہوتا تھا، پورب اور بہار کے طلبہ زیادہ تر اسی فیض سے سیراب ہوئے۔“

(مقالات سلیمان ۶۱/۲)

علامہ محمد عبدالحی لکھنوی کو یوں تو جملہ علوم شرعیہ میں امتیازی مقام حاصل تھا، شیخ

عبدالفتاح ابوعدہ نے آپ کو فخر المتاخرین، نادرہ محققین، محدث، فقیہ، اصولی، منطقی، متکلم، مؤرخ، نقاد کے الفاظ سے یاد کیا ہے، مگر علم حدیث اور فقہ اسلامی کو آپ کا خصوصی فن قرار دیا جاسکتا ہے، جس پر موطا امام محمد کی شرح التعلیق المجد، ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی اور سعایہ شاہد عدل ہیں، علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ہیں: ”حدیث اور متعلقات حدیث کی متعدد نادر کتابیں اپنے مقدمہ اور تخریج کے ساتھ شائع کیں، حدیث اور فقہ حنفی کی جامعیت کے ساتھ بیسیوں رسالے لکھے“ (مقالات سلیمان ۶۱/۲) فقہ و فتاویٰ سے خصوصی لگاؤ کا ذکر مؤرخ ہند علامہ عبدالحی حسنی نے ان الفاظ میں کیا ہے: ”علم فقہ و فتاویٰ میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے“۔

آپ کی تصنیفات و تحقیقات کی تعداد سو سے زائد ہے، یہ سب اس پایہ کی ہیں کہ ان کا مطالعہ کرنے والا ان کی تحقیقی شان کی تعریف کیے بغیر نہیں رہتا، یہ سب کتابیں آپ کی زندگی میں ہی مقبول ہوتی گئیں اور بعد از وفات ان کی مقبولیت میں اضافہ ہی ہوتا گیا، اسی کا ایک ادنیٰ اظہار علامہ عبدالحی لکھنوی کی حیات و خدمات پر مشتمل یہ کتاب بھی ہے، جو ناچیز نے اصلاً اپنے پی ایچ ڈی کے رسالہ کے ایک جزء کے طور پر برسوں پہلے سپرد قلم کیا تھا جو دارالقلم دمشق سے چھپ کر عالم عربی میں مقبول بھی ہو چکا ہے اور اب محض اللہ کے فضل سے اس کتاب کا اردو ترجمہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ کے فاضل استاذ مولانا محمد رافع ندوی کے قلم سے اردو داں وارد و خواں حلقہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اللہ ناچیز کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور مترجم کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین

(مولانا ڈاکٹر) ولی الدین ندوی

علامہ عبدالحی لکھنویؒ

کے بارے میں

علمائے مشاہیر کی گراں قدر آراء

☆ علامہ عبدالحی لکھنویؒ موجودہ زمانے کی ایک نابغہ روزگار شخصیت اور بنی نوع انسانی پر اللہ کا ایک بڑا انعام ہیں، میں نے ان سے ملاقات کی، احادیث نبویہ کا ایسا استحضار، فقہی نصوص کا ایسا پختہ تصور، مختلف علوم میں اعلیٰ تحقیقات اور منظومات و مفہومات میں ایسی موثکافیاں کہ آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور دل میں ایک عجیب مسرت و انبساط کا احساس جاگزیں ہوا، علامہ لکھنویؒ بادنسیم سے زیادہ سبک اور گلستان بہاراں سے زیادہ معطر اخلاق و کردار کے حامل ہیں۔

(مؤرخ فقیہ حنابلہ مصنف ”السحب الوابله علی ضرائح

الحنابلہ“ مصنف شیخ محمد بن عبداللہ بن حمید متوفی ۱۲۹۵ھ)۔

☆ علامہ عبدالحی لکھنویؒ وقت کا ایک عجیب شاہکار اور ہندوستان کے قابل فخر علماء میں سے ہیں، ان کی جلالت شان پر سب متفق، فضل و کمال کے اعتراف میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ (مؤرخ ہند علامہ عبدالحی حسنی متوفی ۱۳۳۱ھ)۔

☆ آپ علمائے ہند کی آخری کڑی ہیں، قابل لحاظ کتابوں کے مؤلف، ہمہ

گیر علم کے حامل، انصاف مزاج اور اعتدال پسند ہیں۔ (علامہ محدث حافظ عبدالحی کتانی متوفی ۱۳۴۵ھ)۔

☆ علامہ عبدالحی لکھنویؒ کا شمار ان علمائے ربانیین میں ہے جو علومِ روایت و درایت اور منقولات و معقولات کے جامع، اور تقویٰ و پرہیزگاری، عبادت و ریاضت اور حسن سیرت سے آراستہ ہیں۔ (علامہ محدث محمد یوسف بنوریؒ متوفی ۱۳۹۷ھ)۔

☆ علامہ عبدالحی لکھنویؒ علم کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، مختصر سی عمر میں بڑی تعداد میں گراں قدر مفید کتابیں لکھیں، انتالیس (۳۹) سال اور چار مہینے کی مدت حیات میں ایک سو پندرہ (۱۱۵) کتابیں اور رسائل تصنیف کئے، اگر ان کی زندگی کے دنوں کو شمار کر کے ان کی تالیف کردہ کتابوں کے صفحات پر تقسیم کر دیا جائے تو سخت تعجب ہوتا ہے..... ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں اور اس کی خوشنودی حاصل ہو۔ (علامہ عبدالفتاح ابو غدہؒ مقدمہ التعلیق المجدد، ۴۱۱ ر سے ماخوذ)۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبعدا! مسلمانوں نے ہر زمانے میں سنت نبویہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، حدیث کی حفاظت، جمع و تدوین، صحیح و ضعیف احادیث کی تمیز، معانی و مطالب کی تشریح و توضیح اور احکام و مسائل کے استنباط و استخراج کے سلسلہ میں بڑی کوششیں صرف کیں، جس کے نتیجے میں احادیث سے متعلق قسم قسم کی کتابیں منصہ شہود پر آئیں، ان میں اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کی وہ کتابیں بھی شامل ہیں جو احادیث کی روایت و درایت کی خدمت کے جذبے سے تالیف کی گئیں۔

انہیں علماء میں جنہوں نے موجودہ زمانے میں حدیث و فقہ کی خدمات انجام دی ہیں علامہ عبدالحی لکھنویؒ بھی ہیں، علوم حدیث و علوم شرعیہ کی خدمت میں ان کی مہتمم بالشان مساعی نظر انداز نہیں کی جاسکتیں لیکن انہیں محققین و باحثین کی وہ توجہ حاصل نہیں ہو سکی جس کے وہ واقعتاً اہل تھے، البتہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے علامہ لکھنویؒ کی بعض کتابوں کو تحقیق و تدقیق کے بعد چھاپا اور ان کتابوں کے مقدمے میں ان کے حالاتِ زندگی بھی لکھے جس کے لئے وہ شکرِ یے کے مستحق ہیں، خوبصورت طباعت اور عمدہ

ٹائٹل کے ساتھ ان کتابوں کو منظر عام پر لا کر انہوں نے علوم حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کو اس علامہ وقت کے فضل و کمال اور اس کی کتابوں سے بخوبی روشناس کرنے کا کام انجام دیا ہے، اللہ انہیں بہترین جزا سے سرفراز کرے اور ان کے علم اور علمی کاوشوں میں برکت عطا فرمائے۔

میں نے اپنے مقالے کے لئے علامہ عبدالحی لکھنویؒ کی شخصیت کا انتخاب کیا تاکہ وہ اعلیٰ المسلمین کے سلسلہ کی ایک نئی کڑی ثابت ہوں، گو مجھے بڑی دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ کا فضل شامل حال رہا، فلله الحمد والمنة، پہلی دشواری تو یہ تھی کہ ہندوستان کے باہر علامہ لکھنویؒ کی کتابیں دستیاب نہ تھیں اور ہندوستان میں ان کا حاصل کرنا بھی آسان نہیں تھا کیونکہ اکثر کتابیں سو سال (۱۰۰) سے زیادہ عرصے پہلے چھپ کر گویا نایاب مخطوطات کے زمرے میں شامل ہو چکی ہیں، اس سلسلہ میں جہاں میں نے بہت سے کتب خانوں کی خاک چھانی وہیں علامہ لکھنویؒ کے خاندان والوں سے ملاقات بھی کی تاکہ ان کی کتابوں اور سوانح کے مراجع حاصل ہو سکیں، اللہ کا شکر ہے کہ مجھے چند کتابوں کے سوا بیشتر کتابوں کی واقفیت حاصل ہوئی اور وہ چند کتابیں جن تک رسائی نہ ہوئی وہ واقعتاً نایاب ہیں۔

بات اسی پر ختم نہ ہوئی ایک دوسری مشکل یہ درپیش تھی کہ تمام کتابیں باریک فارسی خط میں پتھر پر چھاپی گئی تھیں، علامہ عبدالفتاح ابو غندہ نے ”تعلیق المجد“ کا حال بیان کرتے ہوئے پہلے ہی اس کی طرف اشارہ کیا تھا انہوں نے لکھا کہ: ”پتھر والی طباعت، غیر واضح سطریں اور حاشیے، صفحے کے تین طرف گولائی میں لکھی

کئیں عبارتیں، کسی اسم، لفظ، عطف کی وضاحت، اعراب، لغت، روایت اور اسی جیسی چیزوں کو ضبط میں لانے کے لئے سطروں کے درمیان ایک دوسرے میں ضم و مدغم مختصر عبارتیں، الغرض پڑھنا سخت دشوار ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس خط کی مشق و ممارست سے اس صبر آزمادشواری پر میں نے قابو پالیا جس سے نہ صرف میں ان کتابوں سے واقف ہوا بلکہ ان کا مطالعہ میرے لئے نہایت مفید رہا۔

میں نے مقالے کو ایک تمہید، تین فصول اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔

تمہید: علامہ لکھنوی کا زمانہ:

میں نے تمہید میں علامہ لکھنویؒ کے زمانے کے علمی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات کا مختصراً ذکر کیا ہے اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب پر گفتگو کے ضمن میں جس نے انگریزوں کے خلاف سارے ہندوستان کو جھجھوڑ کر رکھ دیا تھا اس کے اسباب و واقعات اور ہندوستانی قوم پر عموماً اور خاص طور سے مسلمانوں پر مرتب ہونے والے آثار و نتائج کو بیان کیا ہے، اسی طرح ہندوستان میں قائم دینی علمی مدارس کے تذکرہ میں مسلمانوں کی دینی تعلیم، اسلامی عقائد کے تحفظ اور بدعات اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کے خلاف اعلان جنگ کرنے کے سلسلہ میں ان کے نمایاں کردار کو واضح کیا ہے جنہوں نے انگریزی سامراج کے سائے میں سراٹھایا تھا، تمہید کے خاتمے میں یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ تمام حالات علامہ لکھنوی پر کتنے اثر انداز ہوئے اور خود علامہ لکھنویؒ نے اپنے ارد گرد رونما ہونے والے واقعات پر کس حد تک اثرات ڈالے

نیز علامہ لکھنوی سے پہلے ہندوستان میں تاریخ علم حدیث کا ایک خلاصہ بھی آ گیا ہے۔
فصل اول: نشوونما اور حالات زندگی:

اس فصل میں میں نے ان کی زندگی کے مراحل کا جائزہ لیتے ہوئے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، نام و نسب اور کنیت کے ذکر کے ساتھ قدرے تفصیل سے ان کی علمی نشوونما اور اسفار پر گفتگو کی ہے، پھر ان امراض کا ذکر کیا ہے جن سے وہ دوچار ہوئے اور وفات کا بیان ہے، فصل کے اخیر میں علماء کی ان آراء کو شامل کیا گیا ہے جو انہوں نے علامہ لکھنوی کی تعریف و توصیف میں ظاہر کی ہیں۔

فصل دوم: اساتذہ اور تلامذہ:

اس فصل میں علامہ لکھنوی کے ان اساتذہ کے حالات زندگی لکھے گئے ہیں جن سے انہوں نے علم حاصل کیا اور سند اجازت لی، ان میں سرفہرست ان کے والد بزرگوار ہیں جو بلاشبہ ان کے پہلے استاذ شمار کئے جاتے ہیں، اسی طرح علامہ کے اساتذہ کی قلت تعداد کا سبب بیان کیا ہے بعد ازاں علامہ کے شاگردوں پر گفتگو کی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ علامہ کا ان کے ساتھ معاملہ کیسا تھا۔

فصل سوم: الف۔ ثقافت۔ ب۔ تصنیف کردہ کتابیں۔ ج۔ معاصرین کے ساتھ علمی مناقشے:

اس فصل میں علامہ لکھنوی کے علوم و فنون اور ان کی خدمات پر بحث اور ان کے فقہی مسلک کا تذکرہ ہے پھر علامہ کی کتابوں پر گفتگو کی گئی ہے اس ضمن میں مختصر سی

عمر میں کتابوں کی کثرت کی طرف بھی اشارہ ہے، اور کتابوں کی تعداد میں اختلاف اور اختلاف کے سبب کی وضاحت کے ساتھ ہر اس کتاب کا جس سے میں واقف ہو سکا ایک مختصر تعارف بھی شامل ہے، جس میں کتاب کے نام، موضوع، سبب تالیف اور اس کے ایڈیشنوں کا تذکرہ ہے، اگر کسی کتاب کے نام کے تعلق سے کوئی اختلاف تھا تو اس کی وضاحت کی ہے، علاوہ ازیں ان کتابوں کا بھی ذکر ہے، جو درحقیقت ان کی تالیفات نہیں ہیں لیکن غلطی سے ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں نیز ان کتابوں کی تفصیل ہے جو علامہ لکھنویؒ کی تالیف ہیں لیکن دوسرے علماء کی طرف منسوب کر دی گئیں، اس فصل میں آپ کے ان معاصرین کا تذکرہ بھی ہے جن سے آپ کے علمی مناقشے ہوئے جیسے نواب صدیق حسن خاں اور محدث سہسوانی وغیرہ، میں نے ان مناقشوں کے سبب کی وضاحت کے ساتھ ان علماء کے حالات زندگی بھی قلمبند کئے ہیں، اس ضمن میں ان کتابوں کا جو علامہ لکھنویؒ اور ان کے مخالفین نے ان علمی مناقشات کے دوران لکھیں تجزیہ کر کے اور علامہ لکھنویؒ کے مرتبہ کو نمایاں کیا ہے۔

اللہ عزوجل کی ذات سے امید کامل ہے کہ وہ اس کتاب کی تالیف کے مقصد کو پورا فرمائے گا اور طلبہ کو اس کتاب سے فائدہ پہونچے گا، اسی کی ذات سوال وطلب کے لئے سب سے بہتر ہے اور وہی توفیق اور ہدایت سے نوازتا ہے۔

ولی الدین ندوی

جمعہ ۲۶ ذی القعدہ ۱۴۱۴ھ مطابق ۶ مئی ۱۹۹۴ء

وزارتہ الشؤون الإسلامیہ والوقف پوسٹ باکس: ۲۲۷۲/ابوظہبی



تمہید

علامہ عبدالحی لکھنویؒ کا زمانہ

الف۔ سیاسی حالات

ب۔ معاشی اور معاشرتی حالات

ج۔ علمی حالات



سیاسی حالات

علامہ لکھنویؒ اس زمانے میں پیدا ہوئے جب انگریزی سامراج کا آکٹوپس ہندوستان پر اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھا، مغل شہنشاہیت دم توڑ رہی تھی، مسلم مغل بادشاہ انگریزوں کے ہاتھ میں کھ پتلی بن کر رہ گیا تھا وہ اپنے دائرہ حکومت کے کسی خطہ، سلطنت یا ریاست پر کوئی حکم نافذ نہیں کر سکتا تھا، اس کی حکمرانی کی کل کائنات یہ تھی کہ وہ اپنے شاہی ایوان میں اور عوام کے سامنے اس شان و شکوہ کے ساتھ آتا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ یہ خاندان کبھی ہندوستان پر حاکم تھا۔

۱۸۳۷ء میں مغل حکمران سراج الدین ابومظفر بہادر شاہ ظفر تخت شاہی پر بیٹھا، تو انگریزوں نے جبراً دراجت کو ولی عہد سلطنت مقرر کیا، اس مغل بادشاہ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا، وہ نہ کوئی حکم نافذ کر سکتا تھا اور نہ روک سکتا تھا، اس کی شہنشاہیت کا دائرہ اس کے محل تک محدود تھا۔

۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷ھ تک جب انگریز حکومت کے خلاف ایک زبردست انقلاب برپا ہوا، صورت حال یہی تھی، مورخین نے اس بغاوت کے بہت سارے اسباب بیان کئے ہیں، ہم یہاں کچھ اہم اسباب بیان کرتے ہیں:-

۱۔ دیکھئے: داستان غدر، مصنفہ: ظہیر دہلوی (ص ۹۴)۔

۲۔ دیکھئے: بہادر شاہ ظفر، مصنفہ: اسلم پرویز (ص ۴۶)۔

۱۔ ایک ہندو مؤرخ ”ریش دت“ بیان کرتا ہے کہ ”لارڈ ڈلہوزی“ کے زمانے میں جب تمام معاہدوں اور قوانین کے برخلاف ایک ایک کر کے ہندوستانی علاقے ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر اقتدار آ گئے، تب اس کمپنی کے تیس لوگوں کے نظریے میں تبدیلی آئی اور انہوں نے اس کے سامراجی مقاصد، ہندوستان کو فتح کرنے کی خواہش اور برٹش امپائر میں اس کو ضم کر لینے کی سازش کو بھانپ لیا۔

۲۔ ہندو مسلم فوجیوں کے عقائد کی توہین؛ واقعہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے خنزیر اور گائے کی چربی سے بنے کچھ کارتوس منگوائے جن کو استعمال کرنے سے پہلے دانتوں سے کاٹنا ضروری تھا، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ ہندوؤں کے یہاں گائے کا گوشت کھانا اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمانوں کے یہاں خنزیر کا گوشت حرام ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج میں بے چینی پیدا ہوئی اور فوجیوں نے انگریز کمانڈروں کے احکام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، انگریزوں نے ان باغی فوجیوں کو سخت سزائیں دیں، قریب ۸۵ فوجیوں کو دس سال قید کی سزا سنائی گئی۔

انگریز مؤرخ ”مسٹر کے“ اس فیصلے کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: ۱۸۵
فوجیوں کو سخت حفاظتی بندوبست کے ساتھ فوجی عدالت میں پیش کیا گیا اور یہ سخت فیصلہ سنایا گیا، پھر ان کے جسموں سے فوجی لباس اتار لئے گئے اور لوہے کی بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑ دیا گیا، یہ ایک ایسا دردناک منظر تھا جس سے ان کے ساتھی دل

۱۔ ملاحظہ کیجئے: Ramesh Dutt: India in The Victorian Age p.223

۲۔ دیکھئے: بغاوت کے اسباب، مصنفہ: سر سید احمد خان (ص ۴۵)، Edward: The other

مسوس کر رہ گئے، ان فوجیوں میں وہ وفا شعار اور بے لوث سپاہی بھی تھے جنہوں نے انگریزوں کے لئے بڑی بڑی خدمات پیش کی تھیں، ان کے شانہ بشانہ ان کے دشمنوں سے جنگیں کی تھیں، اور ان انگریزوں کی خوشنودی کی خاطر طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں جھیلی تھیں، تمام قیدیوں نے جرنیل کے سامنے اپنی کسمپرسی کا رونا رویا، لرزتے آنسوؤں اور لڑکھڑاتی زبان میں ان سے فریاد کی کہ انہیں اس ذلت میں مبتلا نہ کیا جائے، لیکن اس نے ان کی باتیں سنی ان سنی کر دی، اپنے آقاؤں سے مایوس ہو کر ان کی نگاہیں اپنے ساتھیوں کی طرف اٹھ گئیں، جو زبان حال سے کہہ رہی تھیں کیا تم ہمیں اس ذلت و رسوائی میں دیکھ کر خاموش تماشا بنے رہو گے؟ آنکھوں کی زبانی کہے گئے یہ الفاظ ان کے دلوں کو چھلنی کر گئے اور بجلی بن کر گرے۔^۱

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان فوجیوں کے عقائد کی توہین ہی اس بغاوت کا بنیادی اور اصل سبب ہے، مزید برآں انگریزوں نے ان کے مذہبی جذبات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے نہ صرف شدید برہمی کا اظہار کیا بلکہ سخت ظالمانہ فیصلے صادر کئے اور اس بات کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہ کیا کہ ان فوجیوں نے ان کے لئے ناقابل فراموش خدمات پیش کی ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی فوجیوں نے اپنے مظلوم ساتھیوں کا تعاون کیا اور ۹ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ^۲ کے فوجی کیمپوں میں انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ یہی اسباب بنگال میں فوجیوں کے اندر رونما ہونے والی بیداری کے بھی ہیں

^۱ ترجمہ مجلہ الضیاء، ربیع الاول ۱۳۵۴ھ۔ Edward: The other side of medal

^۲ یہ دہلی سے پچاس میل کی مسافت پر اتر پردیش کا ایک معروف شہر ہے۔ p.34

اس طرح اس انقلاب کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

دہلی میں باغیوں کا داخلہ: ازمسی کی صبح میرٹھ کے فوجی کیمپوں سے باغی فوجیوں کا قافلہ پایہ تخت دہلی کا قصد کر کے نکلا، یہ قافلہ قتل و غارت گری کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، انگریز فوج نے انہیں دہلی پہنچنے سے پہلے روکنے کی کوشش کی لیکن اسے ناکامی اور شکست کی ذلت اٹھانی پڑی، ایک انگریز خاتون ”مسز ہورٹسٹ“ کے مشاہدات کا ذکر کرنا یہاں موزوں ہوگا، جس نے اپنی یادداشت میں اس بغاوت کی ہولناکی کا حال لکھا ہے، وہ لکھتی ہے: ہم میرٹھ کی طرف سے آنے والے راستے پر واقع اپنے گھر میں بیٹھے اس بغاوت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ شہر کی جانب سے اٹھتا ہوا غبار نظر آیا، انگریز فوجی کبھی ہمارے سامنے آجاتے کبھی پیچھے کی طرف چلے جاتے پھر تھوڑی دیر کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ انگریز لشکر کے ہندوستانی فوجی، باغیوں سے مل گئے ہیں، پھر ”جزیل کراؤ“ نے انہیں روکنے کے لئے ایک توپ نصب کی لیکن جوش سے بھرے یہ باغی اس توپ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہماری دیوار کے پاس اپنے زخمیوں اور مقتولین کو چھوڑ کر دہلی کی طرف بڑھ گئے، جب لوگوں نے ”جزیل کراؤ“ کی ہزیمت کی خبر سنی تو ایک جھر جھری لی اور چیخ چیخ کر کہنے لگے جہاں کہیں انگریزوں کو پاؤ قتل کر دو، کسی مرد، عورت اور لڑکے کو زندہ مت چھوڑو۔^۱

”مسز ہورٹسٹ“ کہتی ہیں: اس کے چند دنوں کے بعد ہندوستانیوں کی

۱۔ دیکھئے: چراغ دہلی، مرزا حیرت دہلوی (ص ۶۰)۔

۲۔ مجلہ الضیاء، (ص ۲۰) شمارہ رجب و شعبان ۱۳۵۴ھ۔ مسز ہورٹسٹ کی یادداشتوں کا ترجمہ پہلے فارسی، پھر فارسی سے عربی میں ہوا، ترجمہ لکھنؤ یونیورسٹی کے سید علی زینی صاحب نے کیا ہے۔

بغاوت کا جوش کچھ سرد پڑا تو وہ انگریز مردوں کو تحقیق کے بعد قتل کر دیتے اور عورتوں کو چھوڑ دیتے تھے، یہ احکامات بادشاہ ہند سراج الدین محمد بہادر شاہ کی جانب سے صادر ہوتے تھے، ۱۔

لکھنؤ میں انقلاب کی لہر: اودھ اور اس کا پایہ تخت لکھنؤ انگریزوں کی شہ پارک ۱۸۱۹ء میں خود مختار ریاست بن گیا تھا، یہ مرکزی مغل حکومت کی دخل اندازی سے بری تھا، اودھ کے نواب نے اپنے لئے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا، قبل ازیں ۱۸۰۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور سلطنت اودھ کے شیعہ حکمران نواب سعادت علی خاں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا، جس کی ایک دفعہ میں اس بات کی صراحت تھی کہ کمپنی کسی بھی بیرونی مداخلت سے نواب اور اس کے ورثاء کی حفاظت کرے گی، جس کے لئے نواب کو ایک خطیر رقم کمپنی کو ادا کرنی ہوگی، نواب کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ کمپنی کی رائے کو اعتبار کی نظر سے دیکھے اور معیشت کی بحالی اور رفاہ عامہ کے لئے کوشاں رہے ۲۔

لیکن سلاطین اودھ اپنی بد انتظامی سے معاشرے میں پھیلی انتہائی خراب صورتحال کا تدارک نہ کر سکے اور اقتصادی حالت بد سے بدتر ہو گئی ۳، لیکن ایک ہندو مورخ ”پنڈت سنڈر لال“ کے خیال میں انگریزوں نے ہی قصداً فساد کے بیج بوئے تھے اور یہ مستبعد بھی نہیں ۴۔

یہ صورت حال بدستور قائم تھی کہ ۱۸۵۷ء میں واجد علی شاہ تخت شاہی پر بیٹھا،

۱۔ مجلہ الضیاء، (ص ۲۰) شمارہ رجب و شعبان ۱۳۵۴ھ۔

۲۔ دیکھئے: تاریخ اودھ حکیم محمد نجم الغنی رامپوری (۹۹/۳) ص ۳ ایضاً

۳۔ دیکھئے: ۱۸۵۷ء، پنڈت سنڈر لال (ص ۲۴)

وہ مسلک اثنا عشریہ کا پیرو اور اپنے اجداد کی طرح متعصب شیعہ تھا، اس نے ”مجموعہ واجدیہ“ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں حضرات ابو بکر صدیق و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو طعن و تشنیع کا ہدف بنایا۔

حکومت کے انتظام و انصرام میں بد نظمی، حالات پر قابو نہ رکھنے اور معاشی بحران کے الزام میں گورنر جنرل ”لارڈ ڈلہوزی“ نے ۱۸۵۶ء میں سلطنتِ اودھ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر اقتدار شامل کرنے کا اعلان کیا، ”پنڈت سندر لال“ کے الفاظ میں کچھ دوسرے اسباب یہ ہیں:

(۱) واجد علی شاہ پہلا حکمراں تھا جس کے ذہن میں اپنی سلطنت کو انگریزوں کی مداخلت سے آزاد کرنے کا خیال آیا۔

(۲) وہ ایک طاقتور لشکر تشکیل دینا چاہتا تھا جس سے انگریزوں نے بار بار روکنے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہ آیا۔

(۳) ”لارڈ ڈلہوزی“ اودھ کے محصولات اور سلاطین اودھ کے شان و شکوہ کو حریصانہ نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔

اسباب کچھ بھی رہے ہوں سلطنتِ اودھ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر انتظام شامل کرنے سے قبل انگریزوں نے نواب کے سامنے کمپنی کے مفاد میں بادشاہت سے دست بردار ہو جانے کی تجویز رکھی لیکن نواب نے انکار کر دیا، بعد ازاں نواب کو رشوت کے ساتھ دھمکیاں بھی دی گئیں لیکن وہ اپنے انکار پر قائم رہا، تین دن کے بعد

۱۔ دیکھئے: تاریخ اودھ حکیم محمد نجم الغنی رامپوری (۳/۴۷، ۱۰۰)

۲۔ دیکھئے: ۱۸۵۶ء، پنڈت سندر لال (ص ۲۵، ۲۶)

تمام معاہدوں اور دستاویزات کو پس پشت ڈال کر انگریز نواب کے محل میں گھس گئے اور اسے نظر بند کر دیا، بیگمات اور حرم سرا کی عورتوں کی آبروؤں سے کھلواڑ کیا، اموال و جائداد پر ہاتھ صاف کیا اور نواب کو اسی کی سلطنت میں قید کر دیا۔

واجد علی شاہ کی نظر بندی کے بعد اس کی بیوی حضرت محل اور بیٹا مرزا رمضان علی جو برجیس قدر کے نام سے مشہور ہے باقی بچے، نواب کی جواں ہمت بیوی اپنے شوہر اور وطن کا انتقام لینے کے لئے لشکر جمع کرنے لگی اور اس نے اپنے جھنڈے کے نیچے رضا کاروں کا ایک بڑا لشکر اکٹھا کر لیا، جنرل بخت خاں اور مولانا احمد شاہ مدراسی یعنی دلاور جنگ جیسے بعض سرکردہ باغی دہلی سے فرار ہو کر لکھنؤ میں باغیوں سے مل گئے تھے، ۵ مئی ۱۸۵۷ء کو مولانا مدراسی نے اس تحریک کو منظم کیا اور ایک معرکہ پیش آیا جس میں باغیوں کو کامیابی ہوئی، برجیس قدر کو تخت شاہی پر بٹھانے کا اعلان ہوا اور ان انقلابیوں نے لکھنؤ کو انگریزوں کے چنگل سے آزاد کر لیا، لیکن جلد ہی کچھ خدرا نہ سازشوں اور ہوس و طمع کی بنا پر یہ بغاوت ناکام ہو گئی، چنانچہ انگریزوں نے بڑھ کر حضرت محل اور اس کے حکمران بیٹے برجیس قدر کے محل کا محاصرہ کر لیا، تمام باغیوں نے دامن فرار میں پناہ لی اور حضرت محل بھی اپنے بیٹے کے ساتھ بھاگنے میں کامیاب ہوئی۔

اس شکست کے باوجود ملکہ کا حوصلہ قائم تھا، اس نے دوسری مرتبہ لکھنؤ کے ایک قریبی شہر میں لشکر بندی کر کے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور لکھنؤ کے قریب شہر

۱۔ ۱۸۵۷ء، پنڈت سندر لال (ص ۲۶)۔

۲۔ ملاحظہ کیجئے: ۱۸۵۷ء، (ص ۲۷)، علماء ہند کا شاندار ماضی، محمد میاں (۳/۲۷۷)۔

نواب گنج میں جنگ ہوئی، لیکن افسوس کہ ملکہ کے مددگار اور ساتھی انگریزوں کے سامنے ٹک نہ سکے، اکثر نے بھاگ کر اپنی جان بچائی، مختصر سی جماعت میدان کارزار میں جمی رہی اور شہید ہوئی، ملکہ نے اپنے بیٹے کے ساتھ نیپال کا رخ کیا۔

تقریباً دس مہینے جاری رہ کر یعنی جون ۱۸۵۷ء کے اوائل سے مارچ ۱۸۵۸ء کے نصف تک یہ بغاوت اپنے انجام کو پہنچی۔

بغاوت کی ناکامی کے اسباب: کانپور، جھانسی اور تھانہ بھون وغیرہ شہروں میں کئی بغاوتیں ہوئیں لیکن افسوس ساری ہی بغاوتیں بہت سے اسباب کی بنا پر ناکامی سے دوچار ہوئیں جن میں بعض اہم اسباب یہ ہیں۔

(۱) ایک وقت میں یہ بغاوتیں رونما نہیں ہوئیں جس نے انگریزوں کو ایک ایک کر کے سب کے خاتمے کا بڑا موقع فراہم کیا۔

(۲) دکن کے حکمرانوں اور عوام اور خاص طور سے نظام حیدرآباد کا موقف جو انگریزوں کے دوش بدوش کھڑے تھے۔ ایک بڑی وجہ ناکامی کی بنا۔

(۳) انگریزوں کی خوشنودی کی خاطر سکھوں کا انگریزوں کے گروہ میں شمولیت اختیار کر لینا، سید محمد لطیف صراحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پنجاب اس بغاوت کے فتنوں سے نہ صرف محفوظ رہا بلکہ وہ مشرق میں انگریزوں کا دبدبہ قائم رکھنے کے لئے تمام ذرائع اختیار کرنے پر آمادہ تھا۔

۱۔ دیکھئے: تاریخ اودھ حکیم رامپوری، (۱۰۵/۲) فیصل التواریخ، سید کمال الدین حیدر (۳، ۴/۲)۔
 ۲۔ دیکھئے: ۱۸۵۷ء، سنرلال (ص ۱۸۹)۔ ۳۔ دیکھئے: انقلاب ۱۸۵۷ء جوشی، (ص ۴۸۸)۔
 ۴۔ دیکھئے: تاریخ پنجاب، سید عبداللطیف (ص ۵۸۱)۔

(۴) انقلاب کی ناکامی کا ایک بڑا اہم سبب انقلابیوں کا آپسی اختلاف اور نا اتفاقی تھا، درحقیقت انگریزوں کے کچلے جانے سے پہلے حرص و طمع کے ہاتھوں اندرونی طور پر یہ انقلاب ناکام ہو چکا تھا، انقلابیوں کی صفوں میں مغل تاجدار کے داماد مرزا الہی بخش جیسے مفاد پرست بھی شامل تھے، جو انگریزوں کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہے تھے اور انقلابیوں کی ایک ایک خبر انہیں فراہم کر رہے تھے۔

بغاوت کی ناکامی کے بعد کی صورتحال: بہر حال بہت سے اسباب کی بنا پر جن میں سے بعض کا ہم نے ذکر کیا بہت جلد یہ بغاوت ناکام ہو گئی اور انگریزوں کو کامیابی ملی اور پھر انگریزوں نے ہندوستان میں تباہی کا وہی بازار گرم کیا جو عموماً سامراجی مزاج رکھنے والے فاتحین کا شیوہ رہا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں: ان بہت سے اسباب کی بنا پر جو اس سلسلے میں کتابوں میں درج ہیں، جب یہ بغاوت ناکام ہوئی تو انگریزوں نے ہندوستانیوں پر شدید غصے کا اظہار کیا اور سخت ترین انتقام لیا، وہ ہندوستانی قوم پر اس جاہر حکمراں کی طرح مسلط ہوئے جس کے دل میں رحم، انصاف، انسانیت اور حدود و قیود کی جگہ نہیں ہوتی، وہ قتل عام تھا جس نے چنگیز و ہلاکو کی وحشیت و بربریت کی یاد تازہ کر دی، انگریزوں نے تین نو جوان شہزادوں کو امن و امان دینے کے بعد اس بے رحمی اور شقاوت القلمی سے تہہ تیغ کیا کہ خود انگریزوں کی پیشانیوں پر سلوٹیں پڑ گئیں، شاہی خاندان کے ۲۳ افراد کو جن میں بیمار، اپانچ اور بوڑھے شامل تھے تختہ دار پر چڑھا دیا گیا بادشاہ وقت کی تذلیل کی گئی، اس پر رسوا کن مقدمہ چلایا گیا، انگریز انہیں بھی قتل کر دینا

چاہتے تھے لیکن ایک افسر نے خود سپردگی کی شرط پر ان کی زندگی کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا چنانچہ انہیں رنگون کی طرف ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیا گیا جہاں انتہائی کسم پرسی، بے چارگی اور وحشت و تنہائی میں انہوں نے آخری سانسیں لیں۔^۱

ہندوستانی قوم کی تمام جماعتیں جو بغاوت و انقلاب کی آگ بھڑکانے میں شریک تھیں اس کشت و خون کا ہدف بنیں لیکن ہمیشہ کی طرح مسلمانوں پر انگریزوں کا غصہ زیادہ اترا، کیونکہ بہت سے انگریزوں کا خیال تھا کہ یہ اسلامی بغاوت ہے اور مسلمان ہی اس بغاوت کا سرچشمہ ہیں، ایک ہندی مؤرخ کے بقول انگریز لیڈران ہر مسلمان کو باغی سمجھتے تھے اور پوچھتے تھے کہ تم ہندو ہو یا مسلمان اور جب وہ اپنے اسلام کو ظاہر کرتا تو اسے گولیوں سے بھون دیتے۔^۲

انگریزوں نے خود اس بھیانک قتل عام اور روح فرسا خونریزی کا اعتراف کیا ہے، ایک انگریز جرنیل ”لارڈ رابرٹس“ نے اپنے خط میں جو اس نے اپنی ماں کو ۱۱ جون ۱۸۵۷ء کو لکھا بیان کرتا ہے کہ پھانسی کا سب سے ہولناک طریقہ یہ ہے کہ مجرم کو توپ کے ذریعہ پھینکا جاتا ہے، یقیناً یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا منظر ہوتا ہے، لیکن ہم اس وقت کسی قسم کا احتیاطی رویہ اختیار نہیں کر سکتے، ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم شر پسند مسلمانوں کے سامنے اس بات کو واضح کر دیں کہ انگریز خدا کی مدد سے ہمیشہ ہندوستان کے حکمراں رہیں گے، ”سپنسر پال“ کہتا ہے: دہلی پر انگریزوں کے تسلط

^۱ المسلمون في الهند، سيد ابوالحسن علی ندوی (ص ۱۶۶، ۱۶۷)۔

^۲ برٹش امپائر کا عروج، ہنٹی ذکا، اللہ دہلوی، (ص ۷۱۲)۔

کے بعد انہوں نے قتل و خون اور غارت گری کا جو طوفان برپا کیا اس کے سامنے نادر شاہ کی وحشیت و بربریت ہیچ ہے، سڑکوں پر عام پھانسی کے رے اور تختے نصب کئے گئے اور تین ہزار لوگوں کو پھانسی دی گئی جن میں ۲۹ افراد شاہی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے^۱، ”اڈورڈ ٹومس“ کہتا ہے: انگریز فوجی شراب کی دوکانوں کو لوٹ لیتے اور ساری شراب پی کر جب نشے میں بدمست ہو جاتے تو سڑکوں پر نکل آتے اور جو سامنے آتا بلا تمیز تہ تیغ کر دیتے^۲۔

انگریزوں نے انقلابیوں اور دیگر شہریوں کے خلاف وہ انسانیت سوز انتقامی کارروائی کی کہ عقل و ضمیر ششدر رہ جاتے ہیں، خود انگریزوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے، کشت و خون اور لانا ہی تباہیوں کا یہ طوفان صرف دہلی تک منحصر نہیں تھا بلکہ لکھنؤ، کانپور، آگرہ، سہارنپور اور دیگر شہروں تک اس کا دائرہ پھیلا ہوا تھا۔

فرنگی محل بھی اس تباہی سے محفوظ نہ رہا، چنانچہ علامہ مفتی محمد یوسف جو علامہ لکھنوی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، کے حالات زندگی میں علامہ نے لکھا ہے کہ جب ان کے والد مفتی محمد اصغر کا ۱۲۵۵ھ میں انتقال ہو گیا تو انہیں لکھنؤ میں افتاء کی خدمات سپرد کی گئیں جسے انہوں نے حسن دیانت کے ساتھ ہندوستان کے آزمائشی دور تک انجام دیا، اس زمانے میں ان کا ارادہ سفر حج کا تھا، لیکن ملک کے مختلف شہروں میں رونما ہوئی بغاوت کے زمانہ میں ان کے تمام مال و جائداد کے لٹ جانے اور

۱۔ دیکھئے: نقش حیات مولانا سید حسین احمد مدنی (۲/۴۷)۔

گھروں کو منہدم کر دئے جانے کے بعد جج پر جانانا کے لئے ممکن نہ ہوا۔^۱

۱۸۵۸ء کے اوائل نومبر میں ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں ہندوستان کی بادشاہت کو کمپنی کے تصرف سے نکال کر برٹش حکومت کے اختیار میں منتقل کر دیئے جانے کا فیصلہ صادر ہوا اور ملکہ کی جانب سے ”لارڈ کیننگ“ ہندوستان کا سب سے پہلا وائسرائے مقرر ہوا، اس طرح برٹش امپائر کے محکوم علاقوں میں باضابطہ ہندوستان بھی شامل ہو گیا، اور اسلامی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ خاندان تیمور کا آخری چراغ بھی گل ہو گیا۔^۲

بغاوت میں مسلم علماء کا موقف: انگریزوں کے خطرے کو محسوس کرنے والوں میں مسلم علماء کا سرفہرست ہونا فطری تھا، انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ سلاطین و امراء کی کمزوری اسلام اور اسلامی حکومت کے خاتمے کا سبب ہو سکتی ہے، خصوصاً ۱۷۶۴ء کو ”بکسر“ کے میدان میں انگریزوں کے مقابل مسلم حکمرانوں کی افواج کی پستی ایک بنیادی سبب بن سکتی ہے، لہذا جب حکمران و امراء انگریزوں کے بڑھتے قدم کو روک نہ سکے تو شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی میدان میں آئے اور انگریزوں کے خلاف جہاد واجب ہونے کا فتویٰ دیا اور دیگر علماء اپنے فتوؤں میں اسی کے پابند رہے۔^۳

پھر سید احمد بن عرفان شہید بریلوی اور ان کے رفیق سید اسماعیل دہلوی نے انگریزوں کے خلاف ۱۸۲۴ء میں علم جہاد بلند کیا اس مقصد کے لئے ایک عظیم لشکر

۱۔ مقدمہ السعایۃ، علامہ لکھنوی، (ص ۱۷) ۲۔ دیکھئے: دہلی کی سزا، خواجہ حسن نظامی، (ص ۴۴)۔

۳۔ دیکھئے: علماء ہند کا شاندار ماضی، محمد میاں (۱۹۰۲)۔ اور دیکھئے: فتاویٰ عزیز یہ (فارسی) (۱۱۴/۱)۔

تشکیل دیا گیا، پہلے مسلمانوں اور سکھوں کے مابین کئی معرکے ہوئے جن میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی، اس سلسلے کا آخری معرکہ ”بالاکوٹ“ میں پیش آیا، لیکن کچھ مسلمانوں نے بدعہدی کی اور سکھوں سے مل گئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست اٹھانی پڑی اور یہ دونوں عظیم المرتبت مجاہدین آزادی شہید ہوئے۔^۱

جہاں تک ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا تعلق ہے تو مسلمان اس میں شامل ہی نہیں تھے بلکہ وہ ملک میں رونما ہونے والے تمام حادثات و واقعات سے پوری طرح باخبر تھے، سرگروہ مجاہدین شیخ امداد اللہ مہاجر کی نے تھانہ بھون میں ایک ہنگامی میٹنگ بلائی تاکہ اس اچانک انقلاب سے جسے ہندو مسلم فوجیوں نے بغیر کسی تیاری اور منصوبہ بندی کے انجام دیا، پیدا ہونے والی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا جاسکے، مولانا محمد قاسم نانوتوی، شیخ رشید احمد گنگوہی، شیخ محمد یعقوب سہارنپوری اور دیگر مسلم علماء اس ہنگامی اجلاس میں شریک ہوئے، مولانا رحمت اللہ کیرانوی حالات کی خبر لانے کے لئے دہلی بھیجے گئے، اس مہم میں بہت سے مجاہدین ان کے ہمراہ تھے جن میں سر فہرست وزیر خان اور مولانا فیض احمد بدایونی ہیں۔^۲

اس وفد نے دہلی کی صورت حال پر ایک رپورٹ پیش کی جس کی روشنی میں مجلس اعلیٰ نے ضروری فیصلے لئے اور مندرجہ دفعات و نکات پر اتفاق عمل میں آیا۔

(۱) اس انقلاب کی سرپرستی کے لئے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو راضی کیا جائے۔

(۲) دہلی اور پڑوسی شہروں پھر دوسرے علاقوں کو انگریزوں کے ناپاک وجود سے

^۱ دیکھئے: علماء ہند کا شاندار ماضی، محمد میاں (۲۱۵/۲)۔ ۲ ایضاً (ص ۲۶۵/۴)

پاک کرانے پر خاص توجہ دی جائے نیز انگریزوں کے خلاف فتوائے جہاد کی نقل تیار کی جائے، تمام علماء کے اس پر دستخط ہوں اور پھر ہندوستانی قوم کے سامنے اس کا اعلان ہو۔^۱

ان علماء کا کام صرف قراردادیں پاس کرنا اور فتویٰ سنانا ہی نہ تھا بلکہ خود انہوں نے ہی اس انقلاب کی کمان سنبھالی اور تھانہ بھون، دہلی، محمدی اور لکھنؤ کی خونریز جنگوں میں شریک ہوئے۔^۲

^۱ دیکھئے: علماء ہند کا شاندار ماضی، محمد میاں (۲۷۳/۳)۔

^۲ ایضاً

معاشرتی اور اقتصادی حالات

انقلاب ۱۸۵۷ء نے ہندوستانی معاشرہ کی چولیس ہلادی تھیں، ویرانی اور بربادی چار سو تھی، انگریز حکومت نے امر اور عوام کے اموال و جائیداد کو مختلف بہانوں سے اپنے قبضے میں کر لیا تھا، جس کا لازمی نتیجہ معاشرتی اور اقتصادی بحران کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اس بغاوت و انقلاب میں ہندو مسلم سب نے ایک ساتھ مل کر حصہ لیا تھا لیکن ظلم و انتقام اور عبرت ناک سزاؤں کا زیادہ بڑا حصہ مسلمانوں کو برداشت کرنا پڑا۔ خود انگریزوں نے بھی ان اقتصادی حالات کی بہتری کا اعتراف کیا ہے، جو کمپنی کے زمانے سے پہلے تھے، ”مورخ بیٹرویل“ کہتا ہے: اس ملک یعنی ہندوستان کے باشندے آسائش و خوشحالی اور اطمینان و چین کی زندگی گزار رہے تھے، کیونکہ بادشاہان ہند ان کی خوشحال زندگی، ان کے اموال و جائیداد اور شان و شکوہ کو غارت کرنے کے مواقع نہیں تلاش کرتے تھے، ”ڈاکٹر روبرٹسن“ کہتا ہے: ہندوستان میں سونے اور چاندی کی تجارت تاریخ کے ہر دور میں بڑی منافع بخش رہی ہے، کرہ زمین کا کوئی ملک ایسا نہیں نظر آتا جس کے باشندے اس کی طرح خوشحال ہوں، ہندوستان کی سازگار آب و ہوا، زرخیز مٹی اور اس کے باشندوں کی خداداد صلاحیتوں نے مل کر وہ تمام چیزیں فراہم کر دی جو زندگی کی بقاء کے لئے مہم و معاون ہوتی ہیں۔ ۲۔

عہدِ اسلامی میں ہندوستانی عوام کے حالات ایسے ہی تھے لیکن کمپنی کے دور میں حالات تبدیل ہوئے اور آہستہ آہستہ ہندوستان خوشحالی سے بد حالی میں پہنچ گیا، کمپنی کا منیجر ”ھنری“ کہتا ہے: ہندوستان ایک صنعتی براعظم تھا لیکن اب زراعتی براعظم بن گیا ہے۔^۱، مسٹر ”اینڈوسیم“ نے بھی ایسی ہی بات کہی ہے۔^۲

ہندوستان کا انگریز حکمران لارڈ ولیم بنٹینک ۱۸۸۲ء میں جاری ایک بیان میں کہتا ہے: اسلامی حکومتوں کے عہد میں بہت سی چیزیں انگریزوں کے زمانے کی چیزوں سے بہت بہتر تھیں، مسلمان اس ملک کو فتح کر کے یہیں بس گئے اور اس کے باشندوں سے اختلاط رکھا، ان سے شادیاں کیں، اور ہندوستانیوں کو تمام حقوق دیئے، فاتح و مفتوح کے مزاج، جذبات اور محبت و مودت میں ہم آہنگ تھے، انگریزوں کی سیاست اس کے برعکس تھی، انہوں نے حکومت کے کسی شعبے میں نہ انہیں اپنے ساتھ رکھا بلکہ اس ملک کی پیداوار اور اس کی ہر چیز پر اپنے پنچے گاڑے رکھے اور اس کا استحصال کرتے رہے۔^۳

اسی سیاست کا نتیجہ تھا کہ ۱۸۵۱ء سے ۱۸۷۵ء تک چھ مرتبہ ہندوستان قحط کا شکار ہوا جس میں ۶۰ لاکھ یا ایک کروڑ لوگ جاں بحق ہوئے۔^۴، ہندوستانی قوم کی شدید احتیاج کے باوجود ظالم حکمرانوں کا اپنے ملک کو پیداوار منتقل کرنے کا یہ قدرتی نتیجہ تھا۔ بے شک ہندوستان کے تمام فرقوں پر ان حالات کی زد پڑی مگر مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا، کیوں کہ انگریزوں نے اقتصادی اور تعلیمی لحاظ سے

^۱ دیکھئے: حکومت خود اختیاری، سید طفیل احمد، (ص ۹۳) اور دیکھئے: Major Basu: The rise of christian power in India v, iv, p.446

^۲ دیکھئے: حکومت خود اختیاری، سید

طفیل احمد، (ص ۹۳)۔ ^۳ دیکھئے: نقش حیات (ص ۱۵۸)۔ ^۴ ایضاً۔

دوسری قوموں کی بہ نسبت ان پر حصار زیادہ تنگ کر رکھا تھا، چنانچہ مسلمانوں کے سامنے معیشت کے تمام دروازے بند تھے اور مستقبل میں ان کو پس ماندہ بنانے کی سازش کے تحت ان کی تعلیمی ترقی پر روک لگا دی گئی، ڈاکٹر ”ہنٹر“ اس بات کی شہادت دیتے ہوئے کہتا ہے: مسلمانوں میں کسی بھی ملازمت کے لئے مطلوبہ صلاحیتیں بدرجہ اتم ہوتی ہیں لیکن کسی سرکاری اعلان کے ذریعہ انہیں روک دیا جاتا ہے اور بعض سرکاری اعلانات میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نوکریوں میں صرف ہندو ہی قابل قبول ہوں گے۔^۱

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رقم طراز ہیں: برٹش حکومت کی اسی سیاست پر اس کے بڑے عہدے داران اور مختلف شعبوں کے صدور عمل کرتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کو حکومت و انتظام کے بڑے مراکز سے دور رکھا جائے، ان کے لیے معاش کے دروازے بند رکھے جائیں اور ان اوقاف و املاک کو ضبط کر لیا جائے جن سے ان کی درسگاہیں اور ادارے چلتے ہیں اور ایسے اسکول اور تعلیمی نظام کی بنیاد رکھی جائے جو مسلمانوں کے لئے قطعاً غیر مفید ہو۔^۲

انگریزوں نے اسلامی حکومت کے مدرسوں پر صرف تالا ہی نہیں ڈالا بلکہ اس کے بلبے پر ان عیسائی اسکولوں کی بنیاد رکھی جن کا مشن عیسائی مبلغین کی تربیت تھا، یہ عیسائی مبلغین دیہاتوں اور شہروں میں عیسائیت کا پیغام لے کر پھیل گئے، شیخ ندوی کہتے ہیں کہ عیسائی مبلغین شاہراہوں، دیہاتوں اور شہروں میں نکل گئے، کھلے عام عیسائیت کی دعوت دیتے ہیں، اسلامی عقائد اور شریعت مطہرہ پر شیخوں مارتے ہیں اور

۱. W.w Hunter: Indian Mussal mans p.158.

۲. المسلمون في الهند، (ص ۱۷۳)۔

یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی حکومت ختم ہو چکی اور اس کا زمانہ لہ گیا اور ہندوستان اب عیسائی حکومت کے زیر انتظام آ گیا ہے، لہذا سب پر ضروری ہے کہ عیسائیت کو قبول کر لیں۔^۱

برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے ہندوستان کی فتح پر اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کہا: تمام خوبیاں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہمیں یہ دن دکھایا کہ آج ہندوستان انگریزوں کے زیر اقتدار ہے اور پورے ہندوستان پر عیسائیت کا علم لہرایا جا سکتا ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہندی قوم کو عیسائی بنانے کے لئے اپنی صلاحیتیں صرف کر دیں اور سستی کو غالب نہ آنے دیں،^۲ مغربی طرز پر انگریزوں نے جن اسکولوں کی بنیاد رکھی تھی ان کا بھی ہندوستان کو مغربیت زدہ بنانے میں بڑا اثر رہا، علامہ ندوی کہتے ہیں: ”انگریزوں کا نظام تعلیم جو ان کی ایک بڑی طاقت ہے ہر دور میں اپنے اثرات ظاہر کرتا ہے اور وہ مسلمانوں کے افکار و رجحانات میں سرایت کر گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کا نظام حیات و فکر یکسر بدل گیا ہے کہ احساس بھی نہیں ہوتا، حوصلے دینی معاملات میں پست ہو گئے اور دین و علم کا وہ شوق نہ رہا“^۳۔

انگریزوں کی اس سیاست کے نتیجے میں جو اسلامی عقائد و قوانین سے جنگ کے لئے وجود میں آئی تھی کئی فرقے پیدا ہوئے جن میں نیچری، زنادقہ، قادیانی اور منکرین حدیث وغیرہ اہم ہیں،^۴ معاشرے میں بدعات کا بول بالا ہوا جیسا کہ نواب

۱۔ دیکھئے: الدعوة الاسلامیة فی الهند و تطوراتها، حضرت مولانا علی میاں ندوی (ص ۳۰)۔

۲۔ علماء ہند کا شاندار ماضی، محمد میاں، (۳۱/۴)۔

۳۔ ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، (ابوالحسن علی ندوی ص ۲۴۱)۔

۴۔ دیکھئے: مجلہ العروة الوثقی، مقالہ نگار سید جمال الدین افغانی، (ص ۵۷۳)۔

صدیق حسن خاں نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس زمانے میں استقامت کا جذبہ سرد پڑ گیا ہے، قیامت کی نشانیاں ظاہر ہو گئی ہیں، علماء کے اٹھ جانے کے ساتھ علم اٹھا لیا گیا ہے، جہالت اور کورچشمی کا بول بالا ہے، بخل و حرص اور ہوائے نفس پر عمل ہوتا ہے، آخرت کی طرف توجہ نہیں، دنیا مطلوب و مقصود بن گئی، ہر ذی رائے اپنی رائے پر نازاں ہے، شراب نوشی عام ہے، ریشم پہنا جا رہا ہے، گانے والیاں اور آلات موسیقی محبوب بن گئے اور قبیلے کا سربراہ اس کا فاسق شخص ٹھہرا ہے۔^۱

ہندوؤں نے مسلمانوں کی اس حالت سے فائدہ اٹھایا اور اسلام کے خلاف جنگ چھیڑ دی، ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو صاف الفاظ میں اپنے دین سے ارتداد اختیار کرنے کی دعوت دی اور اس مقصد کی تحصیل کے لئے اپنے مبلغین کی ایک ٹیم تیار کی اور ان کے قائدین نے مسلمانوں کے خلاف کتابیں لکھیں جیسے ”دیاندر سوتی“ نے ”ستیا رتھ پرکاش“ نامی کتاب لکھی جس میں اپنی جماعت اور تحریک کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں پر مختلف انداز میں قرآن پر ایک سوانسٹھ اعتراض کئے، یہ کتاب مراد آباد کے حاکم ”راجہ جی کشن داس“ کی سرپرستی میں لکھی گئی تھی۔^۲

سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور دینی پہلوؤں سے یہ عام صورتحال علامہ لکھنوی کے زمانے میں خصوصاً مسلمانوں اور عموماً پوری ہندوستانی قوم کو درپیش تھی، یقیناً علامہ لکھنوی ان حالات سے متاثر ہوئے، جب انقلاب برپا ہوا اس وقت ان کی

۱۔ الحنة بالأسوة الحسنة، تونجی، (ص ۱۰۶)۔

۲۔ تاریخ تحریک ارتداد، غلام بیگ نیرنگ (ص ۷، ص دہلی)۔

عمر دس سال تھی، علامہ لکھنویؒ بے پناہ ذہانت اور فضل و کمال کے حامل تھے، لازماً یہ تمام واقعات و حوادث اپنی تمام تر خونریزیوں کے ساتھ علامہ کی یادداشت میں محفوظ ہو چکے تھے، دین اسلام کے مسلمہ عقائد اور احکام و قوانین کے خلاف کھلی جنگ اور ہندوستان کی تاریخی ناقابل فراموش تھی ان سب کا بچپن ہی سے علامہ لکھنوی کی علمی اور ثقافتی تربیت میں بڑا اثر رہا۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ لکھنویؒ نے مسلمانوں کے مسائل کو سنجیدگی سے لیا، چنانچہ انہوں نے معاشرے میں پھیلی بدعات کی تردید کے لئے مستقل کتابیں لکھیں، ان کی کتاب ”الآثار المرفوعة في الأحاديث الموضوعة“ اس کی سب سے اہم مثال ہے، اس کتاب میں انہوں نے نیچریوں کی تردید کی ہے جو مغربی علوم سے متاثر تھے، اور اہل بدعت کے متعلق لکھا کہ ہمارے زمانے میں ایک ایسا فرقہ رونما ہوا ہے جو اسلام کی تائید کے نام پر اسے غلط شکل میں پیش کر رہا ہے، وہ نیچری فرقے کے نام سے مشہور ہے اس کے تابعین فرشتوں، جن، روح اور عرش و کرسی وغیرہ کے منکر ہیں، دوسری طرف علامہ لکھنویؒ نے اسلامی حکومت کے سقوط کے بعد درپیش نئے مسائل کا حل پیش کیا، مسلمانوں اور انگریزوں کے باہمی تعامل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کا جواب دیا، یہ تمام فتاویٰ ”مجموعۃ الفتاویٰ“ کے نام سے کتابی شکل میں موجود ہیں۔

۱۔ ملاحظہ کیجئے: ردع الإخوان عن محدثات آخر رمضان، عمدة النصائح في ترك القبائح

(اردو) اور اللطائف المستحسنة بجمع خطب شہور السنة، علامہ لکھنوی۔

۲۔ الآثار المرفوعة في الأحاديث الموضوعة۔ علامہ لکھنوی، (ص ۱۳)۔

علمی حالات

معاشرتی حالات کے انتشار اور مسلمانوں کے اقتصادی و سیاسی انحطاط و تنزل کے علی الرغم اس زمانے میں ہندوستان میں بہت سے علماء پیدا ہوئے جن میں اکثر مکتب ولی اللہی سے نسبت رکھتے ہیں، اس مکتب فکر کے اندر ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں برابر علم کی منتقلی ہوتی رہی، عظیم المرتبت علماء کے کئی سلسلے وجود میں آئے جنہوں نے ایک دوسرے سے علم حاصل کیا، مدرسہ ولی اللہی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شیخ محمد اسحاق دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ کی دو بڑی شاخوں میں بٹ گیا جو دو بنیادی فکری مکاتب کی نمائندگی کرتے ہیں۔

(۱) مکتب احناف جس کی قیادت شیخ عبدالغنی مہاجر مدنی متوفی ۱۲۹۶ھ کے ہاتھ میں تھی، جنہوں نے شیخ محمد اسحاق دہلوی سے علم حاصل کیا تھا ان کے مشہور تلامذہ میں علامہ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۸ھ وغیرہ اہم ہیں، اس زمانے میں اصلاحی اور تربیتی تحریک میں علماء احناف میں عالم ربانی مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی متوفی ۱۳۱۳ھ اور مولانا امداد اللہ مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ نمایاں ہوئے۔

(۲) مکتب اہل حدیث (غیر مقلدین) جس میں سر فہرست شیخ نذیر حسین دہلوی متوفی ۱۳۲۰ھ کا نام ہے، انہوں نے شیخ محمد اسحاق دہلوی سے علم حاصل کیا، اس مکتب

فکر میں بہت سے باکمال علماء ہوئے جن میں شیخ محدث محمد بشیر سہسوانی متوفی ۱۳۲۳ھ، محدث شمس الحق دیانوی متوفی ۱۳۲۹ھ (غایت المقصود شرح سنن ابی داؤد) اور شیخ ابو محمد ابراہیم بن عبدالعلی آروی متوفی ۱۳۱۹ھ وغیرہ مشہور ہیں۔^۱

ان علماء کے وجود سے تالیفی و تدریسی علمی تحریک سرگرم عمل رہی، ان علماء نے ہندوستان کے مختلف خطوں میں علوم شریعت کی درسگاہیں قائم کیں جن میں مشہور یہ ہیں:

(۱) دارالعلوم دیوبند: دارالعلوم دیوبند کا شمار ہندوستان میں سب سے بڑے دینی مدرسے کے طور پر ہوتا ہے جو بجا طور سے ’از ہر ہند‘ کہے جانے کا مستحق ہے، اس کی ابتدا شہر سہارنپور کے ایک گاؤں دیوبند کی چھوٹی سی مسجد میں ۱۲۸۶ھ میں ہوئی، سہارنپور اور دہلی کے درمیان تقریباً ۶۰ میل کا فاصلہ ہے، عالم جلیل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۸ھ نے اس مدرسہ کی بنیاد رکھی جن کے ساتھ علامہ رشید احمد گنگوہی اور دیگر علماء جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا شامل تھے، اس کے اخراجات و مصارف مخیر مسلمانوں کے چندے اور عطیات سے پورے ہوتے تھے، اس مدرسہ کو روز اول ہی سے مخلص افراد اور خداترس اساتذہ حاصل ہوئے جس کا بدیہی نتیجہ یہ تھا کہ تقویٰ، احتساب، تواضع اور خدمت کی روح اس کی رگوں میں سرایت کر گئی، اس عظیم درسگاہ کا دائرہ وسیع ہوتا رہا، اس کی شہرت دور دور تک پہنچی اور اس کے اساتذہ کا صلاح و تقویٰ اور علوم حدیث و فقہ میں ان کی

^۱ دیکھئے: رجال الفکر والدعوة، علامہ أبو الحسن ندوی، (۲۸۰/۱)، المسلمون في الهند، (ص ۱۱۰، ۱۱۳)، تراجم علماء الحدیث، ابوبکری امام، (۲۰۰/۱، ۲۳۹)

مہارت کا غلغلہ پوری دنیا میں بلند ہوا، طلبہ نے نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے سے اس کا قصد کیا بلکہ دوسرے اسلامی ممالک کے طلبہ بھی امنڈ پڑے، ایک اندازے کے مطابق اس مدرسے سے علم حاصل کرنے والوں کی تعداد دس ہزار سے متجاوز ہے جن میں تقریباً پانچ ہزار طلبہ نے سند فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند کے فضلاء نے ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے، دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونا، مسلک حنفی کی سخت پابندی، علوم قدیم کا تحفظ اور احادیث و سنت کا دفاع دارالعلوم کا نمایاں امتیاز ہے۔^۱ اس مدرسے کے بہت سے فضلاء نے حدیث، تفسیر اور فقہ کے موضوعات میں گراں قدر کتابیں لکھی ہیں، ان میں علامہ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ کا اردو زبان میں ترجمہ قرآن و تفسیر ہے یہ ترجمہ قرآن علماء و محققین کے لئے بھی مرجع کی حیثیت رکھتا ہے، ایک بڑا نام حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ کا ہے جن کی چھوٹی بڑی تالیفات کی تعداد نو سو دس ہے، جن میں تیرہ عربی زبان میں ہیں۔^۲

(۲) مدرسہ مظاہر علوم: ۱۲۸۳ھ سہارنپور ہی میں شیخ محدث مظہر نانوتوی متوفی ۱۳۰۲ھ نے اس مدرسے کی داغ بیل ڈالی، یہ مدرسہ عقائد، اصول اور امتیازات میں دارالعلوم کا شریک ہے۔

یہاں علمائے صالحین اور علم و دین کے مختلف میدانوں کے مردان کار کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی جن میں شیخ خلیل احمد متوفی ۱۳۴۶ھ مصنف ”بذل الجہود شرح

^۱ دیکھئے: المسلمون في الهند علامہ أبو الحسن ندوی، (ص ۱۵۵)، سوانح قاسمی، مناظر احسن گیلانی، (۱۰۰/۱۵۰) ^۲ دیکھئے: نزہۃ الخواطر علامہ عبدالحی حسنی (۵۶/۸)

سنن ابي داود، (جو گزشتہ دنوں حضرت والد محترم کی تحقیق و تعلق کے ساتھ ۱۲ جلدوں میں بیروت سے چھپ چکی ہے) اور ان کے نابغہ روزگار شاگرد علامہ محدث محمد زکریا کاندھلوی قابل ذکر ہیں جن کی وفات مدینہ منورہ میں ۱۹۸۶ء میں ہوئی، علامہ محدث زکریا کاندھلوی نے مختلف اسلامی علوم میں ڈیڑھ سو کتابیں لکھیں، ان میں اوجز المسالک شرح موطاً مالک ہے، جو قاہرہ سے ۱۸ جلدوں میں طبع ہوئی ہے (سادہ زندگی، قناعت پسندی دیانت و دینداری اس مدرسے کے اساتذہ اور طلبہ کے نمایاں اوصاف ہیں ۱۔

(۳) مدرسہ فرنگی محل: اس مدرسے کی بنیاد لکھنؤ کے فرنگی محل میں اس وقت پڑی جب شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں علامہ قطب الدین سہالوی کی اولاد ”سہالی“ سے منتقل ہو کر فرنگی محل پہنچی، اس مدرسے کی شہرت فلسفیانہ علوم اور اسلامی تعلیم کی بنیاد پر تھی، ۱۳۰۴ھ میں علامہ عبدالحی لکھنوی کی وفات کے بعد مدرسہ فرنگی محل نے اپنا وہ علمی اور بین الاقوامی مقام کھودیا جو اسے اسلامی مدارس کے درمیان حاصل تھا ۲۔

(۴) مدرسہ عظیمیہ: ۱۰۲۸ھ میں شہر عظیم آباد میں نہر کنک کے کنارے کچھ بلندی پر اس مدرسے کی بنیاد رکھی گئی اس کے قریب ایک عالی شان مسجد تعمیر ہوئی اور چاروں طرف علماء اور طلبہ کے لئے رہائش گاہیں بنائی گئیں، کئی گاؤں کی زمینیں اس کے لئے وقف کی گئیں، اس کے مدرسین میں سید ظریف اور سید کمال شامل ہیں جو شیخ نظام الدین لکھنوی کے شاگردوں میں ہیں ۳۔

(۵) مدرسہ والا جاہیہ: اس مدرسے کی بنیاد اپنے خاص خرچ پر نواب محمد علی خان گوپا

۱۔ المسلمون في الهند علامہ، أبو الحسن ندوی، (ص ۱۱۶)۔ ۲۔ تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد

عنايت اللہ (ص ۲۲)۔ ۳۔ مجلہ ثقافتہ ہند، جون ۱۹۵۵ء، (ص ۹۲)۔

منوی نے شہر ”گوپامنو“ میں رکھی، یہاں علامہ بحر العلوم عبدالعلی بن نظام الدین لکھنوی نے کچھ دنوں تدریس کی خدمت انجام دی، ان کے بعد ان کے داماد علاء الدین لکھنوی اور عبدالواحد بن عبدالاعلیٰ مدرس ہوئے یہ ایک مبارک درسگاہ تھی جہاں فضلاء اور علماء کی ایک جماعت تیار ہوئی ۱۔

(۶) رام پور کا مدرسہ عالیہ: اس درسگاہ کی بنیاد امیر فیض اللہ خان نے رکھی، نادار طلبہ کے وظائف اور علماء و اساتذہ کی ماہانہ تنخواہوں کے لئے اموال مقرر کئے یہاں خدمت تدریس انجام دینے والے علماء میں علامہ عبدالحی لکھنوی اور شیخ حسن بن غلام مصطفیٰ لکھنوی شامل ہیں۔

(۷) بڑا مدرسہ: اس مدرسے کی بنیاد شہر ”جہان آباد“ کی بڑی مسجد کے قریب ۱۰۶۰ھ اور ۱۰۷۰ھ کے درمیان بادشاہ شاہ جہاں بن جہانگیر دہلوی نے رکھی، نام ”دارالافتا“ رکھا، شیخ یعقوب بیانی نے یہاں فریضہ تدریس انجام دیا، یہ مدرسہ بہت دنوں تک آباد رہا پھر بند ہو گیا، مکتب ولی اللہی سے نسبت رکھنے والے مفتی صدر الدین دہلوی متوفی ۱۲۸۵ھ نے اسے باز آباد کاری کے بعد نئے سرے سے قائم کیا ۲۔

(۸) دہلی کا مدرسہ شاہ ولی اللہ دہلوی: یہ دو محلوں پر مشتمل تھا ایک محل پرانے مدرسے کے نام سے مشہور تھا جس کے بغل میں ایک نیا محل نئے مدرسے کے نام سے جانا جاتا تھا، شیخ عبدالعزیز بن ولی اللہ اور ان کے دونوں بھائی شیخ رفیع الدین اور شیخ عبدالقادر یہاں منصب تدریس پر فائز رہے، ان کے انتقال کے بعد ایک عرصے تک

۱۔ مجلہ ثقافتہ ہند، جون ۱۹۵۵ء، (ص ۹۷)۔

۲۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر علامہ عبدالحی حسنی (۲۲۰/۷)۔

شیخ اسحاق، شیخ یعقوب اور ان کے بھتیجے شیخ مخصوص اللہ بن رفیع الدین مدرس رہے، پھر جب ۱۲۹۷ھ میں شیخ اسحاق حرین شریفین کی طرف ہجرت فرما گئے تو سید محمد نذیر حسین دہلوی ان کے جانشین مقرر ہوئے، یہ ہندوستان کا ایک بڑا مدرسہ تھا۔

(۹) مدرسہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (مدرسہ ریاست بھوپال): یہ درسگاہ علوم دینیہ کی نشر و اشاعت خصوصاً علوم حدیث کے احیاء کا بڑا مرکز تھی، برصغیر ہندو بیرون ہند کے علماء محدثین اسے نہایت احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے، مولانا محمد بشیر سہوانی، مولانا سلامت اللہ جیرا چپوری، قاضی حسین بن محسن یحییٰ اور قاضی بھوپال علامہ زین العابدین نے اس مدرسے میں تدریس و تصنیف اور افتاء کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔

(۱۰) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ: یہ درسگاہ مدرسہ دیوبند اور اس کے طرز و نمونے پر قائم دینی مدارس کے مقابل میں ہندوستان کی سب سے ترقی یافتہ اور وسیع تر تمدنی یونیورسٹی سمجھی جاتی ہے، اس کی بنیاد ۱۸۵۷ء میں مشہور مسلم رہنما سید احمد خان نے ”مدرسۃ العلوم“ کے نام سے رکھی، جس نے ۱۹۲۱ء میں ایک یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی۔ ۱۸۵۷ء کے عظیم انقلاب کی ناکامی کے بعد مسلمانوں میں شدید تعلیمی اور معاشرتی جمود آ گیا تھا، اپنی صلاحیتوں سے ان کا اعتماد اٹھ چکا تھا اور وہ عصری علوم کے میدان میں پیچھے جا رہے تھے، جس کا فائدہ اٹھا کر سرکاری نوکریوں اور اہم حکومتی شعبوں سے انگریزوں نے مسلمانوں کو برطرف کر دیا، وجہ جواز یہ تھی کہ مسلمانوں میں مطلوبہ لیاقت اور صلاحیت کی کمی ہے اور وہ دیگر علمی میدانوں میں پس ماندہ ہیں،

۱۔ مجلہ ثقافتہ الہند، جون ۱۹۵۵ء، (ص ۸۸)۔

۲۔ آثار صدیقی (سیرت والا جاہی حسن خان، (۱۸۱/۳)، حیات شبلی، علامہ سید سلیمان ندوی (ص ۱۰۰)

سید احمد خان نے سوچا کہ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اس انگریزی زبان و لٹریچر اور ان علوم مغرب کو سیکھیں جن کا انہوں نے بائیکاٹ کر رکھا ہے، یہی نظر یہ اس یونیورسٹی کے خمیر میں شامل تھا، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اپنے اس مشن میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہی، چنانچہ باصلاحیت افراد کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے نہ صرف بڑے حکومتی محکموں اور اداروں کو اپنی خدمات دیں بلکہ ان کا اعتماد بھی حاصل کیا، مسلم یونیورسٹی اور اس کے فضلاء نے مسلمانوں کی زندگی اور ملکی انتظام کے نظم و نسق میں نمایاں کردار ادا کیا۔

اس زمانے میں دو قسم کی قیادتیں واضح طور پر میدان میں آئیں۔

(۱) دینی قیادت جس کی زمام علماء دین سنبھال رہے تھے۔

(۲) دنیوی قیادت کی باگ ڈور سید احمد خان اور مسلم یونیورسٹی کے حامیوں کے ہاتھوں میں تھی۔

سید احمد خان مغربی تہذیب سے متاثر تھے، مغرب، مغربی فلسفے، غیبی حقائق، معجزات نبوی اور ماوراء العقول عقائد و مسلمات کی انتہا پسندانہ تاویلات کے بڑے دلدادہ تھے جس پر علماء نے ان کی تردید کی جن میں علامہ لکھنوی بھی شامل ہیں، میں پچھلے صفحات میں اس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔

انگریزی سامراج کے قیام کے بعد ہندوستانی مسلمانوں نے خود کو عیسائی مشینریوں اور بالفاظ دیگر عیسائیت کی مہم کے چیلنجوں سے نبرد آزما پایا، اللہ تعالیٰ نے

۱۔ المسلمون في الهند، علامہ أبو الحسن ندوی، (ص ۱۱۹)،

۲۔ الصراع بين الفكرة الإسلامية والفكرة الغربية، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، (ص ۶۳) ط کویت۔

۳۔ دیکھئے: تذکرۃ الراشد، علامہ عبدالحی لکھنوی، (ص ۱۰۷) اور الآثار المرفوعة، (ص ۹۶)

اسلام کے دفاع اور مبلغین عیسائیت کی تردید کے لئے ایسے ماہرین فن پیدا کئے جنہوں نے اس نازک اور اہم ذمہ داری کے لئے خود کو تیار کیا، ان میں سرفہرست علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ متوفی ۱۳۰۸ھ ہیں جنہوں نے مسیحیت کے جواب اور کتاب مقدس کے نقد پر اپنی کتاب ”اظہار الحق“ لکھی، انہیں علماء میں علامہ سید آل حسن موہانی متوفی ۱۲۸۷ھ اور شیخ عنایت رسول چریا کوٹی متوفی ۱۳۲۰ھ شامل ہیں، اول الذکر نے دو کتابیں ”الاستفسار“ اور ”الاستبشار“ لکھی، آخر الذکر نے ”البشری“ تصنیف کی ہے۔

اس طرح علماء نے مغربی افکار کا مقابلہ کیا اور لوگوں کو اسلامی تعلیمات اپنانے کی ترغیب دی، نیز علم و معرفت اور ایمان و یقین کے ہتھیاروں سے لیس مسلم نسلوں کی تیاری کے لئے صحیح اسلامی افکار کی بنیاد پر تعلیم و تربیت کے مراکز اور درسگاہیں قائم کیں۔

مندرجہ بالا باتوں سے علماء کی وہ گراں قدر کوششیں صاف ظاہر ہوتی ہیں جو انہوں نے ہندوستان میں علمی ترقی کے تحفظ اور اسلامی عقائد و احکام اور قوانین کے دفاع کی خاطر پیش کیں جن کے بارے میں انگریز، ہندو، زنادقہ اور دیگر گمراہ فرقے تشکیک و بیجا اعتراض کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، اسی طرح ان دینی

۱۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر عمدہ ترین کتاب شمار کی جاتی ہے، معاشرہ پر اس نے واضح اثرات مرتب کئے اور ہمیشہ ہی اس موضوع کا بنیادی مرجع قرار دی گئی ہے، ہندوستان اور قطر میں شیخ عبداللہ انصاری کے اہتمام میں کئی مرتبہ طبع ہوئی، اسی طرح شیخ کیرانوی کا پوپ فندر کے ساتھ مناظرہ بہت مشہور ہے، علامہ کیرانوی نے اس پوپ اور اس کے حامیوں کو مسلمان، عیسائی اور ہندوؤں وغیرہ کے بھرے مجمع کے سامنے لاجواب کر دیا جس سے عیسائی تبلیغ کا اعتبار و وقار جاتا رہا، دیکھئے: اظہار الحق، (۳۴۱)، قطر۔

۲۔ دیکھئے: المسلمون في الهند، (ص ۴۰)۔

اداروں، گاؤں گاؤں، شہر شہر مبلغین کے دوروں اور حقیقتِ اسلام کی توضیح و تشریح، اس کے خلاف پیدا کئے گئے شکوک و شبہات کی تردید میں رقم کی گئیں مسلمانوں کی قیمتی اور وسیع کتابوں کا بھی ہندوستانی مسلمانوں کے ماحول اور دین و شریعت کے احکام و قوانین کے تحفظ و نشر و اشاعت میں بڑا اہم رول رہا ہے۔

علامہ لکھنوی نے اس علمی فروغ کے زمانے میں سانس لیں یقیناً متاثر بھی ہوئے اور اس پر اپنے اثرات بھی مثبت کئے، چنانچہ اس ماحول کا ان کی علمی تربیت میں بڑا اثر رہا۔

علامہ لکھنوی کے عہد سے ما قبل تاریخ

اور حدیث و محدثین پر ایک نظر:

کچھ سابقہ ادوار کے استثناء کے ساتھ علامہ لکھنوی سے پہلے کا زمانہ ہندوستان کے علمی ادوار میں سب سے نمایاں دور کہا جائے گا، اس زمانے میں بہت سے نام ظاہر ہوئے جن کا حدیث و علوم حدیث کے احیاء میں بڑا اثر رہا، علامہ لکھنوی اور اس دور کے علماء میں ربط و تعلق کو دیکھتے ہوئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کے علمی عروج پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔

اوائل اسلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد اسلام کی صبح صادق ہندوستان کے افق سے طلوع ہو رہی تھی اور اس کی نورانی کرنیں اس وسیع و عریض ملک پر ضو افشانی کر رہی تھیں، خلفائے راشدین کے زمانے ہی میں اسلام مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے علاقوں کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اس کی موجیں سرحدوں سے بے نیاز پوری دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کر رہی تھیں۔

وجی ورسالت کے اولین مہبط و مرکز جزیرۃ العرب سے برصغیر ہند کچھ زیادہ دور نہ تھا، عرب و ہند کے درمیان تجارتی تعلقات پہلے ہی سے قائم تھے، سوداگر جزیرہ سرندیپ کی طرف جاتے ہوئے ہندوستان کے مشرقی ساحلی علاقوں پر پہنچتے تھے اور یہاں سے چین کے لئے روانہ ہوتے تھے، اسلام کی آمد تک یہ تجارتی تعلقات قائم تھے، چنانچہ سب سے پہلے اسلام ہندوستان میں مسلمان عرب تاجروں کے ساتھ آیا۔

یہ تجارتی روابط ہندوستان میں اسلام کے داخلے کا واحد ذریعہ نہ تھے، بلکہ اسلام بحر و بر کے راستوں سے مسلم فاتحین کے ساتھ بھی آیا اور ان تجارتی و فاتحین کے ساتھ ہندوستان میں فتوحات اسلامیہ کے اولین دور میں علوم شریعت بھی پہنچے۔

ہندوستان پر فوج کشی کرنے والے غازیوں میں ربیع بن الصبیح سعدی بصری بھی ہیں جن کے بارے میں ”کشف الظنون“ میں لکھا ہے کہ وہ سب سے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اسلام کے موضوع پر کتاب لکھی ہے، اگر وہ علی الاطلاق سب سے پہلے مسلم مصنف نہیں ہیں تو علم حدیث کے اولین مؤلفین میں کی فہرست میں ان کی شمولیت مجال انکار بھی نہیں، ہندوستان ہی میں ۱۶۰ھ میں انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے۔

عرب غازیوں کے ساتھ علم حدیث ہندوستان میں آیا، یہ علم حدیث ان کے گوشت پوست میں سمایا ہوا تھا، ان میں ایک بڑی تعداد نے ہندوستان ہی میں سکونت

۱۔ دیکھئے: تاریخ الدعوة الإسلامية في الهند، مسعود عالم ندوی، (ص ۴)۔

۲۔ دیکھئے: العقد الثمین فی فتوح الہند و من ورد فیہا من الصحابة و التابعین، قاضی اطہر مبارک پوری (ص ۳۵)

۳۔ کشف الظنون، حاجی خلیفہ، (۲/۱۷۵)۔

۴۔ مقدمہ اوجز المسالک، ندوی، (ص ۱۲)، تہذیب التہذیب، ابن حجر، (۷/۲۶۱)۔

اختیار کر لی ان کا انتقال بھی یہیں ہوا جب عربوں کی حکومت ختم ہوئی اور ہندوستان پر غزنوی بادشاہوں کا تسلط عمل میں آیا تو فن حدیث اجنبی اور عنقا ہو گیا، شعر و شاعری، علم نجوم اور علوم دینیہ میں فقہ و اصول لوگوں کے اعصاب پر سوار ہو گئے اور کئی صدیوں تک یونانی فلسفہ اہل ہند کا کل سرمایہ رہا، فقہ کے علاوہ علوم حدیث و قرآن سے اعراض برتا گیا، حدیث میں علامہ صغانی متوفی ۶۵۰ھ کی ”مشارق الانوار“ ان کی آخری منزل تھی، اگر کوئی علامہ بغوی کی ”مصباح“ کو پڑھتا تو وہ اس خیام خیالی میں مبتلا ہو جاتا کہ وہ محدثین کے درجہ پر فائز ہو گیا ہے، یہ علم حدیث سے ان کی ناواقفیت کی بنا پر تھا۔

صورت حال بدستور قائم رہی بلکہ سنگین ہو گئی، ایسا لگتا تھا کہ دین کے اصل سرچشمہ سے مسلمانوں کا تعلق ٹوٹ جائے گا، ملک عرب میں تالیف و تصنیف اور تعلیم و تدریس کی جو تحریک چل رہی تھی ہندوستان اس سے بھی دور تھا، چنانچہ ہندوستان علوم اسلامیہ کے قافلے سے پیچھے رہ گیا اور اپنے اندر سٹاسکلز اہوا بیگانہ کائنات بن کر رہا، آٹھویں صدی ہجری علاء الدین خلجی کے زمانے میں مصری عالم شیخ شمس الدین ہندوستان آئے تو انہیں سخت صدمہ ہوا، انہوں نے سلطان کے نام ایک خط میں حدیث سے بے اعتنائی برتی جانے پر اس ملک کے فقہاء کی سرزنش کی لیکن ہندوستان کے علماء نے بادشاہ تک اس خط کو پہنچنے ہی نہ دیا۔

بالآخر ہندوستان پر رحمت الہی متوجہ ہوئی اور حجاز، حضرموت، مصر، عراق، اور

۱۔ دیکھئے: الثقافة الإسلامية في الهند، علامہ عبدالحی حسنی (ص ۱۳۵)، اور الحطة بذكر الصحاح السنة، قنوجی، (ص ۱۶۰)۔ ۲۔ دیکھئے: مقدمہ أوجز المسالك، ندوی، (ص ۱۲)، مقدمہ تحفة الأوزی، مبارکپوری (ص ۲۹)، تاریخ فیروز شاہی، قاضی ضیاء الدین برنی، (ص ۲۹۷)۔

ایران سے بیشتر محدثین اس ملک میں تشریف لائے، جن میں شیخ عبدالمعطلی بن الحسن باکشرکی متوفی ۹۸۹ھ احمد آباد، شہاب احمد بن بدرالدین مصری متوفی ۹۹۲ھ احمد آباد، شیخ محمد بن احمد بن علی فاکہی حنبلی متوفی ۹۹۲ھ احمد آباد، شیخ محمد بن محمد عبدالرحمن مالکی مصری متوفی ۹۱۹ھ احمد آباد، شیخ رفیع الدین چشتی شیرازی متوفی ۹۵۴ھ اکبر آباد، شیخ ابراہیم بن احمد بن الحسن بغدادی، شیخ ضیاء الدین مدنی مدفون کاکوری، شیخ بہلول بدخشی، خواجی میرکلاں ہروی متوفی ۹۸۱ھ اکبر آباد وغیرہ کے نام نامی سر فہرست ہیں ۱۔

بعض علماء کو حرمین شریفین کی زیارت کا بھی موقع ملا جن کے ناموں کا ذکر کرنا باعث طوالت ہوگا، ان میں شیخ حسام الدین علی المتقی مصنف ”کنز العمال“ متوفی ۹۷۵ھ بہت مشہور ہیں، ان کا شمار ہندوستان کے بڑے محدثین میں ہے، انہوں نے شیخ حسام الدین ملتانی اور دیگر علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور پھر ۹۵۳ھ کو حرمین شریفین کا سفر کیا وہاں شیخ ابوالحسن بکری کی صحبت میں رہ کر کسب فیض کیا اور درس و تالیف میں مشغول ہوئے، سیوطی کی ”جمع الجوامع“ کو فقہی ابواب پر مرتب کر کے اس کا نام ”کنز العمال“ رکھا، ابوالحسن بکری کہتے ہیں کہ علماء پر سیوطی کا احسان ہے اور سیوطی پر متقی کا احسان ہے ۲۔

شیخ متقی کے مشہور تلامذہ میں علامہ محمد بن طاہر پٹنی مصنف ”مجمع البحار“ متوفی ۹۸۶ھ اہم ہیں، ان کا خاندان گجرات کے ایک گاؤں ”پٹن“ سے تعلق رکھتا ہے، اسی

۱۔ دیکھئے: الثقافة الإسلامية في الهند، علامہ عبدالحی حسنی (۱۳۶)

۲۔ دیکھئے: سبحة المرجان في آثار ہندوستان، زبیدی، (ص ۱۰۶)، نزہة الخواطر، علامہ عبدالحی

حسنی، (۲۳۴/۴)، أبجد العلوم، قوجی، (۲۲۱/۳)

سے ان کی نسبت ”پٹنی“ (فتنی) کی جاتی ہے، یہ احمد آباد کے قریب ہے، علامہ پٹنی نے حریم شریفین کا سفر کر کے خصوصاً شیخ علی متقی سے شرفِ ملاقات حاصل کیا، آپ شیخ متقی کے ہونہار شاگردوں میں ہیں، اپنے استاد کی زندگی ہی میں دو کتابیں ”مجمع البحار“ اور ”المغنی فی اسماء الرجال، لکھیں، ”مجمع البحار“ پر استاذ نے داد و تحسین سے نوازا، ان کی دیگر تصانیف میں ”تذکرۃ الموضوعات“ اور ”قانون الموضوعات“ قابل ذکر ہیں، پھر وطن لوٹے اور ۹۸۶ھ اپنی شہادت تک حدیث کی نشر و اشاعت اور رد بدعات و منکرات میں لگے رہے۔

اب علامہ عبدالحق بن سیف الدین بخاری دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ کا زمانہ آیا، انہوں نے علماء حجاز سے علم حاصل کر کے ہندوستان منتقل کیا، دارالسلطنت دہلی کو اپنا مرکز بنا کر علوم حدیث کی نشر و اشاعت، تعلیم و تدریس، تشریح و تعلیق میں ہمہ تن منہمک ہو گئے، اب علماء علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے کتب صحاح عام ہوئیں اور علم حدیث کا بازار پھر گرم ہوا، ان کے بعد ان کے لڑکوں اور پوتوں نے یہ میراث سنبھالی، تدریس و تالیف میں مشغول ہوئے، ہندوستان کے ہر خطے اور علاقے میں ایسے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے فن حدیث میں جن کی مہارت اور فضل و کمال کا لوہا مانا گیا۔

پھر شیخ الاسلام امام احمد بن عبدالرحیم شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۷۶۱ھ کا دور آیا آپ نے حجاز کا سفر کر کے شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی اور دیگر علماء حرم سے

۱۔ دیکھئے: أبجد العلوم، صدیق حسن قنوجی، (۲۲۲/۲)، النور السافر، عیدروسی (ص ۳۲۳)، سبحة

المرجان، زبیدی، (ص ۱۰۹)۔

۲۔ دیکھئے: أبجد العلوم، قنوجی، (۲۲۸/۳)، نزہة النواطر، علامہ عبدالحق حسنی، (۲۰۱/۵)۔

۳۔ دیکھئے: الثقافة الإسلامية فی الهند، علامہ عبدالحق حسنی (۱۳۵)۔

علم حدیث حاصل کیا۔

علامہ محسن بن یحییٰ ترہتی ”الیانح الجنی“ میں شیخ ابوطاہر کا قول نقل کرتے ہیں:
 شیخ ولی اللہ میری طرف سے لفظ بیان کرتے اور میں اس کا مفہوم درست کر دیتا تھا، یا
 ایسی ہی کوئی بات فرماتے تھے، پھر شاہ ولی اللہ ہندوستان واپس لوٹے اور حدیث
 کی نشر و اشاعت میں لگ گئے، جس عمارت کی بنیاد شیخ عبدالحق نے رکھی تھی اس کی
 کمی پوری کر کے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے عربی اور فارسی میں موطاً امام مالک کی شرح،
 شرح تراجم ابواب البخاری اور اسرار حدیث و فقہ پر اپنی مشہور زمانہ کتاب ”حجۃ اللہ
 البالغۃ“ لکھی، اس کے بعد ہندوستان میں حدیث کی حکمرانی قائم ہو گئی اور مشرق سے
 مغرب، شمال سے جنوب تک علم حدیث کی مست خرام ہوائیں چلنے لگیں، ہندوستان
 کے کونے کونے سے طلب حدیث کے شوق میں طلبہ کا ہجوم امنڈ پڑا اور علم حدیث کا
 حصول، اہل صلاح و تقویٰ اور حاملین عقائد صحیحہ کا امتیاز اور شرط کمال قرار پایا، جس کے
 بغیر کوئی عالم قابل اعتبار نہ رہا، حصن حصین کے ساتھ صحاح ستہ کا پڑھنا بھی لازم ہوا، شاہ
 ولی اللہ کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ ہندوستان کے طول و عرض میں اس شجر طوبیٰ کی
 طرح پھیل گئے جس کی جڑ کا پتہ نہیں ہوتا لیکن اس کی شاخیں ہر جگہ پہنچتی ہیں، کوئی
 سند، کوئی درس، کوئی تالیف اور کوئی اصلاح و تجدید کی تحریک ایسی نہیں جس کا علمی نسب شاہ
 ولی اللہ دہلوی تک نہ پہنچتا ہو ۲، ان کے شاگردوں میں شیخ محدث قاضی ثناء اللہ پانی پتی

۱۔ دیکھئے: الیانح الجنی فی أساسید الشیخ عبدالغنی، (ص ۲)، مطبوعہ ہند، ہامش کشف
 الأستاذ عن رجال معانی الآثار۔
 ۲۔ دیکھئے: مقدمہ أوجز المسالك، ندوی، (ص ۱۲)۔

مصنف ”التفسیر الثنائی“ اور ”منار الاحکام“، ہم ہیں جنہیں شیخ عبدالعزیز نے بیہمی دوران کا لقب دیا، اسی طرح محدث سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ آپ کے شاگرد ہیں، ان کی کتابیں ”عقود الجواهر المنیفة فی أدلة مذهب أبی حنیفة“، إتحاف السادة المتقين“ ”شرح احیاء علوم الدین“ اور ”تاج العروس“ بہت معروف ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد ان کے ہونہار فرزند اور تلمیذ رشید شیخ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ متوفی ۱۲۳۹ھ والد ماجد کی مسند شرف پر فائز ہوئے اللہ نے ان کی تدریس میں برکت رکھی تھی، بڑے بڑے نامور اور بلند قامت محدثین نے ان سے کسب فیض کیا، جن میں ان کے پوتے شیخ محمد اسحاق بن محمد افضل عمری متوفی ۱۲۶۲ھ بہت مشہور ہیں، حدیث کی نشر و اشاعت اور اساتذہ کی تربیت میں ان کا حصہ بہت بڑا ہے، اخیر زمانے میں رئیس المحذثین کے مقام پر وہی فائز، اور تدریس و تعلیم کا بلجاوماوی تھے، دور دور سے طلبہ ان کی خدمت میں سفر کر کے آتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں جس توفیق اور قبولیت سے نوازا تھا وہ ان کے معاصرین میں نہ ہندوستان میں کسی کو حاصل ہوا اور نہ دوسرے بلاد اسلامیہ میں کسی کو حاصل ہوا، ”وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء“۔

یہ علامہ لکھنوی سے قبل ہندوستان میں علم حدیث کی تاریخ اور اس کے مختلف ادوار کا ایک سرسری جائزہ تھا، جس سے یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچی کہ شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے شاگردوں ہی کے ذریعہ علم حدیث کی نشأت ثانیہ ہوئی جس کا قدرتی نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ علم حدیث کے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے۔



فصل اول

نشوونما اور حالات زندگی



نام و نسب

مکمل نام عبدالحی بن عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن ابوالرحم بن محمد یعقوب بن عبدالعزیز بن محمد سعید بن شہید قطب الدین انصاری سہالوی لکھنوی ہے، مؤرخ کبیر عبدالحی حسنی نے ”نزہۃ الخواطر“ میں یہی نسب بیان کیا ہے ۲۔
لیکن علامہ عبدالحی لکھنوی نے اپنا تعارف بعض کتابوں میں خود اس طرح کرایا ہے: عبدالحی بن محمد عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن احمد ابوالرحم بن محمد یعقوب بن عبدالعزیز بن محمد بن محمد سعید بن قطب الدین شہید ۳۔
یہ اختلاف ناموں کے اختصار کی وجہ سے پیدا ہوا کیونکہ ”التعلیق المجد“ اور دیگر کتب میں علامہ لکھنوی خود بیان کرتے ہیں کہ ان کے جد اول کا نام محمد امین اللہ اور جد ثانی کا نام محمد اکبر ہے ۴۔

علامہ کا نام و نسب بیان کرنے میں پروفیسر عمر رضا کحالیہ سے سہو ہوا، انہوں نے

۱۔ ”سہالوی“ سین مہملہ کسور پھر یا مفتوح، اس کے بعد الف ساکن، پھر لام مفتوح پھر واؤ کسور، آخر میں یا ساکن، سہالی، (لام کسور، یا تختانی ساکن) لکھنؤ کے ایک مضافاتی قصبہ کا نام، دیکھئے: آثار الاول من علماء فرنگی محل، مولانا محمد قیام الدین، (ص ۸) مطبوعہ مطبع مجتہبی لکھنؤ، اور حسرة العالم بوفافہ مرجع العالم، علامہ لکھنوی، (ص ۸۲، ۸۳)۔
۲۔ نزہۃ الخواطر و بهجة المسامع والنواظر، علامہ عبدالحی حسنی، (۲۳۲/۸) مطبوعہ الہند۔
۳۔ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر، لکھنوی، (ص ۱۴۸) مطبوعہ بدیع احمدی لکھنؤ الہند۔
۴۔ دیکھئے: مقدمہ ”التعلیق المجد“ علی موطا الامام محمد، لکھنوی (ص ۱۰) حسرة العالم بوفافہ مرجع العالم (ص ۸۲)

اس طرح بیان کیا: محمد بن محمد عبدالکریم بن احمد بن محمد بن یعقوب لکھنوی ۱، یعنی پروفیسر موصوف سے علامہ، علامہ کے والد اور جد اول و ثانی و ثالث کے اسماء میں غلطی ہوئی ہے۔

”فہرس المكتبة الأزهرية“ اور ”إيضاح المكنون“ میں محمد بن عبداللحی ۲ اور ”فہرس دارالکتب المصریہ“ میں عبداللحی بن محمد بن عبداللحیم معروف بہ ابن عبداللحی ۳ اور مفتاح السنہ میں عبداللحی بن محمد ہندی آیا ہے ۴۔

میرے نزدیک اس اختلاف کی بنیادی وجہ اہل عرب اور برصغیر ہند کے لوگوں کے درمیان ناموں کا مختلف طریقہ استعمال ہے، اہل عرب اپنے بیٹوں کا ایک مفرد نام رکھتے ہیں، جبکہ اہل ہند عموماً دو ناموں پر مشتمل نام رکھتے ہیں جیسے محمد علی، محمد عبدالعلی، اسی وجہ سے علامہ لکھنوی کے نام میں بعض عرب مؤرخین سے چوک ہوئی ہے کہ انہوں نے اسم مرکب کو دو آدمیوں کا نام سمجھا مثال کے طور پر علامہ لکھنوی نے اپنا نام محمد عبداللحی بتایا محمد کا اضافہ نام کے شروع میں تیرا کیا، بعض مؤرخین یہ گمان کر بیٹھے کہ یہ دو آدمیوں کا نام ہے تو انہوں نے محمد اور عبداللحی کے درمیان ابن کے لفظ کا اضافہ کر دیا جس سے محمد عبداللحی کے بجائے محمد بن عبداللحی ہو گیا۔

ولادت کے ساتویں دن والد نے عبداللحی نام رکھا ۵، علامہ لکھنوی نے بیان کیا ہے کہ جب میرے والد نے میرا نام عبداللحی رکھا تو کسی ظریف الطبع نے ان سے

۱۔ معجم المؤلفین، عمر رضا کمالہ (۲۳۵/۱۱)۔ ۲۔ دیکھئے: فہرس المكتبة الأزهرية،

(۲۵۶/۲، ۲۹۶) اور ایضاً المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، بغدادی (۵۸۱/۱)۔

۳۔ فہرس دارالکتب المصریہ، (۲۶۲/۸)۔ ۴۔ مفتاح السنہ، حولی، (ص ۲۷)۔

۵۔ مقدمہ التعلیق الممجد، لکھنوی، (ص ۲۷)، مقدمہ ہدایہ، لکھنوی، (۴۱)۔

کہا ”آپ نے نام سے حرف نفی حذف کیا ہے یہ درازی عمر اور حسن عمل کے لئے اچھا شگون ہوگا“، مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ فال میرے حق میں سچ ثابت ہوگی اور مجھے اللہ سبحانہ و تعالیٰ میرے نام کی برکت سے دنیا میں حسن اعمال کے ساتھ درازی حیات اور قیامت کے دن پسندیدہ زندگی عطا کرے گا۔

کنیت: کنیت ابوالحسنات ہے، علامہ لکھنوی کہتے ہیں کہ سن بلوغ کے بعد میرے والد نے میری کنیت ابوالحسنات رکھی۔

نسبت: صحابی رسول حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نسبت سے انصاری اور شہر لکھنؤ کی طرف انتساب کر کے لکھنوی کہلاتے ہیں، شہر لکھنؤ گومتی ندی کے دونوں کناروں پر بسا ہوا شہر ہے، یہ اتر پردیش کی راجدھانی ہے، انگریزی سامراج کے زمانے میں سلطنت اودھ کا پائے تخت تھا، ”مورخ“ ”گوسٹاف لوبون“ کہتا ہے: جب سے لکھنؤ انگریزوں کی بادشاہت میں فردوس ہند کے نام سے مشہور سلطنت اودھ کا پائے تخت قرار پایا اسی وقت سے اسے بڑی اہمیت حاصل ہوئی، وہ

۱۔ حسرة الخول، لکھنوی (ص ۳)۔ ۲۔ التعلیق الممجد، لکھنوی، (ص ۲۸)۔

۳۔ ابویوب انصاری کنیت اور نام خالد بن زید بن کلیب ہے، بہت سے صحابہ کرامؓ و تابعینؓ نے آپ سے روایت کی ہے، آپ بیعت عقبہ، غزوہ بدر و دیگر اسلامی جنگوں میں شریک رہے، غزاة ”قطیفیہ“ میں ۵۲ھ یا ۵۳ھ میں وفات ہوئی، دیکھئے: الإصابۃ، ابن حجر، (۸۹۱، ۹۰)۔

۴۔ دیکھئے: النافع الکبیر، (ص ۱۳۹)۔ ۵۔ ”اودھ“ کا علاقہ علم فن میں بے پناہ شہرت و عزت کا حامل تھا، اس کے چپے چپے میں جیسے بلگرام، ہرکام، جاس، نیوتی، کوپامنو، اٹیٹھی، سندیلہ، کاکوری اور خیر آباد کے مختلف مواضع میں بہت سے علماء پیدا ہوئے، لیکن اب صورتحال بالکل برعکس ہے، بجا طور سے ”اودھ“ کا علاقہ اب اسلاف کا مقبرہ بن چکا ہے، دیکھئے: الثقافتہ الإسلامیة فی الہند علامہ عبدالحی حسنی، (ص ۱۱) مطبوعہ، دمشق۔

اپنے خوبصورت جائے وقوع کی وجہ سے یورپیوں کا دل کھینچتا ہے، یہ شہر بہت پر بہار اور قابل نظارہ عمارتوں کا وارث و امین ہے۔^۱

شہر لکھنؤ ان علماء سے آباد تھا جنہوں نے اسلامی تہذیب اور دینی علوم کی نشر و اشاعت کی اور فقہ، تفسیر، حدیث، کلام، لغت اور شعر و شاعری کی ایک عظیم میراث چھوڑی۔

علامہ سید عبدالرحمن حسنی کا بیان ہے کہ شہر لکھنؤ کو جو پور سے روشنی ملی اور یہاں جلیل القدر علماء کی ایک جماعت پیدا ہوئی جس کی آخری کڑی مولانا نظام الدین سہالوی ہیں۔^۲

فرنگی محل کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ فرنگی محلی کہلاتے ہیں، فرنگی محل لکھنؤ کا ایک محلہ ہے جسے ایک فرانسیسی تاجر نے اپنے لئے بنوایا تھا، جب وہ اسے چھوڑ کر اپنے وطن چلا گیا تو یہ محلہ حکومت کی ملکیت میں آ گیا، ۱۱۰۵ھ میں جب اہل سہالی نے ملا علی قطب الدین کو شہید کر دیا اس وقت ان کے صاحبزادے ملا اسعد شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ دکن میں تھے، ملا قطب الدین کی شہادت کی خبر نے شہنشاہ کو غم میں مبتلا کیا، انہوں نے آپ کی اولاد کو فرنگی محل کے دئے جانے کا حکم

^۱ حضرات الہند، گوشان لوبون (ص ۶۶)

^۲ الثقافة الإسلامية في الهند علامہ عبدالحی حسنی، (ص ۱۰)

^۳ دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۰)

^۴ حافظ مرتضیٰ زبیدی بلگرامی کہتے ہیں: ”ملا“ کا لفظ ”مولی“ سے بنا ہے، ”مولی“ کی طرف نسبت ”مولوی“ ہوگی، اور اہل عجم بڑے عالم کو ”مولوی“ کہتے بھی ہیں، لیکن ”ملا“ کہنا قبیح ہے، دیکھئے: تاج العروس، زبیدی، (۴۰۱/۱۰)۔

نامہ صادر کیا۔ اس طرح قطب الدین شہید کا خاندان سہالی سے لکھنؤ منتقل ہو کر فرنگی محل میں بس گیا۔ جس کا سابقہ نام اپنی جگہ قائم رہا۔

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آپ کے بعض افغان دوستوں و دیگر تلامذہ کا خیال ہے کہ ”فرنگی“ اصل میں ”فرہنگی“ ہے جس کے معنی ”فہم“ کے ہیں پھر کثرت استعمال سے ”ہاء“ گر گئی یہ نکتہ تو ہے مگر ناقابل اعتناء ہے، صحیح تحقیق وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

فرنگی محل میں ۲۵۰ سے زائد فقہ، حدیث، تفسیر، لغت، منطق، فلسفہ، اور ریاضیات کے علماء و ماہرین پیدا ہوئے مولوی عنایت اللہ فرنگی محلی نے ”تذکرہ علماء فرنگی محل“ میں ان کا ذکر کیا ہے، موصوف نے یہ کتاب ۱۳۴۷ھ میں تالیف کی۔

اس خانوادے سے نسبت رکھنے والے علماء میں ملا نظام الدین بن ملا قطب الدین شہید نے بڑی شہرت حاصل کی ہے، ان کے بارے میں سید غلام علی آزاد کہتے ہیں: وہ ہمہ داں باکمال عالم تھے اور اس درس نظامی کے بانی ہیں جو آج بھی برصغیر

۱۔ بعض اہل سیر کا کہنا ہے کہ اورنگ زیب نے ان کے قاتلوں سے جنہوں نے بہت سے طلبہ کو قتل کیا تھا، قصاص لیا تھا، دیکھئے: بانی درس نظامی، انصاری، (ص ۲۱)، آثار الالول، محمد قیام الدین، (ص ۱۵)۔

۲۔ احوال علماء فرنگی محل، شیخ الطاف الرحمن، (ص ۱۱)۔

۳۔ افغانستان کی طرف نسبت ہے۔ ۴۔ آثار الالول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۵)۔

۵۔ آپ ”سہالی“ میں ۱۰۹۰ھ میں پیدا ہوئے، والد کی شہادت کے بعد لکھنؤ آ گئے، اپنے دادا اور ملا علی قلی جاسی، ملا امان اللہ بناری اور ملا غلام نقشبندی سے علم حاصل کیا، استاذ ہند کا لقب پایا، ۱۱۹۱ھ لکھنؤ میں وفات ہوئی، دیکھئے: احوال علماء فرنگی محل، الطاف الرحمن، (ص ۷)، نزمیۃ الخواطر، (۶/۳۸۳)، الأغصان الأربعة، مولوی ولی اللہ، (ص ۳۰۲)۔

۶۔ سبحة المرجان فی آثار ہندوستان، زبیدی، (۲/۴۹۲) مطبوعہ علی گڑھ الہند۔

ہند کے مدارس میں رائج ہے۔

علامہ سید عبداللہ حسنی فرماتے ہیں: مولانا نظام الدین سہالوی نے ہندوستان کی درسیات کا ایک نیا نظام تشکیل دیا جسے قبولیت حاصل ہوئی اور آج تک اس کی افادیت و معنویت میں کوئی کمی نہیں آئی۔^۱

علامہ قنوجی آپ کے بارے میں رقم طراز ہیں: آپ درسی فنون اور عقلی و نقلی علوم میں کامل دستگاہ رکھنے والے ایک باکمال عالم تھے۔^۲

خانوادہ فرنگی محل کا ایک چراغ روشن ملا عبدالعلی بن ملا نظام الدین ہیں، یہ اپنے زمانہ کے اعیان میں تھے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان کو بحر العلوم کا لقب دیا ہے، ان کی مشہور کتابوں میں ”رسائل الارکان“ ہے، ۱۲۲۵ھ مدراس میں انتقال ہوا۔

ایک اور بڑا نام علامہ عبداللہ کے والد بزرگوار ملا محمد عبدالحمید انصاری کا ہے ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے ان کے حالات بیان کریں گے۔

ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ فرنگی محل شمالی ہند کا عظیم علمی قلعہ اور سرچشمہ علوم و فنون تھا جہاں علماء و فضلاء کا وہ پاکیزہ گروہ تیار ہوا جس نے برصغیر ہند اور دوسرے ملکوں میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی ترویج و اشاعت کا عظیم کام سرانجام دیا۔

۱۔ الثقافة الإسلامية في الهند، علامہ عبدالحی حسنی، (ص ۱۶)۔

۲۔ أبجد العلوم، قنوجی، (۲۳۱/۳) مطبوعہ دارالکتب العلمیہ۔

۳۔ آثار الال و من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۲۵)۔

۴۔ احوال علماء فرنگی محل، الطاف الرحمن، (ص ۶۵)، لیکن علامہ سید سلیمان ندوی نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ لقب شاہ ولی اللہ دہلوی کے فرزند شاہ عبدالعزیز کا عطا کردہ ہے، دیکھئے: علم الحدیث باللہند، (۵۶)۔

خاندان: علامہ لکھنوی کا خاندان، علم، دینداری اور صلاح و تقویٰ میں شہرت رکھتا ہے، ان کے والد کا شمار ہندوستان کے بڑے علماء میں ہے جن کی فقہ و حدیث و معقولات میں بہت سی تالیفات ہیں^۱، ان کے جد اول شیخ امین اللہ حافظ قرآن تھے، فتاویٰ لکھتے تھے، ۱۲۵۳ھ میں انتقال کیا^۲، جد دوم ملا محمد اکبر نے اپنے والد سے درسی کتابیں پڑھیں، بڑے زاہد و عابد تھے^۳، جد سوم مفتی احمد ابوالرحم نے جو عالم و فقیہ تھے درسی کتابیں والد سے پڑھیں^۴، جد چہارم ملا محمد یعقوب نے ملا نظام الدین سے مختلف علوم پڑھے فقہ کے بڑے ماہر تھے، مفتی عدالت کے منصب پر فائز ہوئے، ۱۲۸۷ھ میں انتقال ہوا^۵، جد پنجم ملا محمد عبدالعزیز نے اپنے والد کی شاگردی اختیار کی، باکمال عالم، شیخ کامل اور زاہد و متقی تھے، ۱۱۶۵ھ میں انتقال ہوا^۶، جد ششم ملا محمد سعید بلند پایہ عالم تھے والد کی شہادت کے بعد بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہوئے، دکن میں انتقال ہوا، میں نے بعض معتبر و معتمد لوگوں سے سنا ہے کہ وہ فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالمگیریہ) کی تالیف میں شریک تھے^۷، جد ہفتم ملا قطب الدین شہید^۸ لکھنؤ کے ایک گاؤں ”سہالی“ میں پیدا ہوئے، مدرسہ لاہور میں

۱۔ دیکھئے: حسرة العالم بوفاة مرجع العالم (ص ۸۲، ۹۵)۔

۲۔ احوال علماء فرنگی محل، الطاف الرحمن، (ص ۱۷)، نیز دیکھئے: آثار الاول، محمد قیام الدین (ص ۸)۔

۳۔ ایضاً۔ ایضاً، آثار الاول، محمد قیام الدین (ص ۷)۔

۴۔ آثار الاول، محمد قیام الدین (ص ۳۴)۔ ۵۔ ایضاً، (۸۱)۔ ۶۔ ایضاً، (۱۵)۔

۷۔ یہ علامہ عبدالعلیم کے فرزند ہیں، ملا قطب الدین شہید کے چار بیٹے تھے، سب سے بڑے ملا اسعد، سب سے چھوٹے ملا محمد سعید، ان سے چھوٹے ملا نظام الدین اور ان سے چھوٹے ملا محمد رضا، دیکھئے:

”آثار الاول“، (ص ۴)۔

اپنے والد سے پڑھا، ملا دانیال سے کسب فیض کیا، درس و تدریس کا مشغلہ تھا ایک بڑی خلقت ان کے شاگردوں کی ہے جن کا احصاء دشوار ہے، اصول فقہ، علم معانی، منطق و فنون عربیہ میں ان کا ثانی نہ تھا۔

اودھ کے قصبہ ”سہالی“ میں ان کے خاندان کے سب سے پہلے شخص جو آکر قیام پذیر ہوئے وہ بزرگ ملا نظام الدین ہیں، وہ حافظ قرآن اور علوم و فنون کے ماہر تھے، یہیں ان کا انتقال ہوا، ایک قول یہ ہے کہ ”سہالی“ میں سب سے پہلے مقیم ہونے والے شخص ملا نظام الدین کے والد ملا بدر الدین ہیں، پھر ”برناوہ“ پہنچے اور وہیں ۸۷۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

”ہرات“ سے ہندوستان آنے والے اس خاندان کے پہلے بزرگ ملا جلال الدین بن خواجہ سلیم بن خواجہ اسماعیل بن عبداللہ انصاری ہیں، انہوں نے جہاد کے لئے ہجرت کی اور ”سرسل“ میں بس گئے، مسجد و خانقاہ کی بنا ڈالی ہے، پھر انہیں کی نسل سے ملا بدر الدین پیدا ہوئے دہلی میں ”برناوہ“ کو وطن بنایا، معقولات و منقولات کے عالم تھے، ۸۸۷ھ میں انتقال فرمایا، ملا جلال الدین کے اجداد میں شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ انصاری متوفی ۴۸۸ھ ہیں جن کے بارے میں ذہبی کہتے ہیں ”بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا، ایک مدت تک قرآن کی تفسیر بیان کی، ان کی خوبیوں کا شمار نہیں، عبدالغافر کہتے ہیں: وہ عربیت، حدیث، توارخ و انساب کے بڑے

۱۔ دیکھئے: آثار الأول، محمد قیام الدین (ص ۴)، سبحة المرجان، زبیدی، (ص ۷۶)۔

۲۔ تذکرۃ الأناساب، سید امام الدین احمد (ص ۱۵۲)۔

۳۔ تذکرۃ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۹)۔

۴۔ ایضاً (ص ۵) اور دیکھئے: احوال علماء فرنگی محل، شیخ الطاف الرحمن، (ص ۸)۔

عالم اور تفسیر کے بلند پایہ امام تھے، تصوف میں اچھی بصیرت رکھتے تھے، بہت سی کتابیں لکھیں جن میں ”کتاب الأربعین، کتاب الفروق اور ”منازل السائرین“ جس کی شرح ”مدارج السالکین“ کے نام سے ابن القیم متوفی ۶۱۵ھ نے کی، بہت مشہور ہیں۔

عبداللہ انصاری کے اجداد میں ایک ابو منصور بن ابویوب انصاری تھے، جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۳۱ھ میں ”خراسان“ بہ سلسلہ جہاد آئے اور وہاں سے ”ہرات“ آ کر بس گئے اور وہیں انتقال ہوا۔

یہ سلسلہ ۴۳ واسطوں سے صحابی رسول حضرت ابویوب انصاریؓ تک پہنچتا ہے۔

علامہ لکھنوی کہتے ہیں ”ہمارے بعض اجداد مدینہ طیبہ سے ”ہرات“، وہاں سے ”دہلی“، ”دہلی“ سے ”سہالی“ پہنچے اور یہیں قطب شہید کی قبر ہے، اس سے واضح ہوا کہ علامہ لکھنوی کا خاندانی سلسلہ اس معزز خاندان تک پہنچتا ہے، جو ”حجاز“ سے ”ہرات“، ”ہرات“ سے دہلی، دہلی سے ”سہالی“ پھر ”سہالی“ سے ”فرنگی محل“ میں آ بسا۔

ولادت: ۲۶/ ذی قعدہ بروز منگل ۱۲۶۴ھ کو علامہ لکھنوی ”بانہ“ میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے والد مدرسہ امیر نواب ذوالفقار الدولہ میں مدرس تھے، لیکن شیخ الطاف الرحمن نے اپنی کتاب ”احوال علماء فرنگی محل“ میں اختلاف کرتے ہوئے لکھا

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، (۱۱۸۹/۳)۔ ۲۔ أنوار العارفين، محمد حسین مراد آبادی، (ص ۲۳)۔

۳۔ دیکھئے: حسرة العالم بوفاة مرجع العالم، لکھنوی، (ص ۸۲، ۸۳)۔

۴۔ النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير، لکھنوی، (ص ۱۵۰)۔

۵۔ دیکھئے: مقدمہ السعایہ، لکھنوی، (ص ۴۱)، النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۵۰)، نزہۃ الخواطر، (۲۳۴/۸)

کنز البرکات، محمد حفیظ اللہ، (ص ۲۵)۔

ہے کہ آپ کی ولادت ۱۲۶۵ھ میں ہوئی، مولوی فصیح الرحمن نے ان سے اتفاق کیا ہے،^۱ ظاہر ہے کہ یہ قول غیر راجح ہے کیونکہ تمام اہل سیر بلکہ خود علامہ لکھنوی کے قول کے بھی خلاف ہے، لہذا راجح قول اول الذکر ہی ہے۔

نشوونما اور طالب علمی: علامہ لکھنوی ایک علم دوست، دیندار گھرانے میں

پروان چڑھے اپنی دین دار والدہ کے زیر تربیت جوان ہوئے جن کا نسب بھی شہید قطب تک پہنچتا ہے۔^۲

بچپن ہی سے طلب علم میں لگ گئے خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پانچ سال کی عمر میں حفظ قرآن شروع کیا، بچپن ہی سے میری یادداشت بہت اچھی تھی مجھے رسم بسم اللہ کی تقریب اس طرح یاد ہے جیسے سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہو۔ میں اس وقت پانچ سال کا تھا، بلکہ مجھے بعض وہ باتیں بھی یاد ہیں جو اس وقت پیش آئی تھیں جب میری عمر تقریباً تین سال تھی، میں نے حافظ قاسم علی لکھنوی کے یہاں حفظ قرآن شروع کیا ابھی پارہ عم یتسأء لُون نہیں پڑھ سکا تھا کہ والد صاحب، والدہ اور مجھے لے کر جو نپور آ گئے، یہاں حافظ ابراہیم کے یہاں قرآن

۱۔ دیکھئے: احوال علماء فرنگی محل، شیخ الطاف الرحمن، (ص ۶۳)، تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۱)۔

۲۔ دیکھئے: حسرة العالم بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۳)۔

۳۔ ہندوستان میں بسم اللہ کی یہ رسم بہت زمانے سے چلی آرہی ہے، تفصیل یہ ہے کہ بچہ جب سورہ فاتحہ شروع کرتا ہے تو اس موقع پر اہل خانہ تقریب و جشن کا اہتمام کرتے ہیں اور رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں میں مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں۔

۴۔ امیر شہر حاجی محمد امام بخش متوفی ۱۲۷۸ھ مکہ مکرمہ نے آپ کو مدرسہ امامیہ حنفیہ کا مدرس مقرر کیا تھا، دیکھئے: حسرة العالم لکھنوی، (ص ۸۲، ۸۵)۔

پڑھا، میرے والد بھی قرآن سنتے تھے، اس طرح دس سال کی عمر میں میں نے حفظ مکمل کیا اور حفظ ہی کے زمانے میں کچھ فارسی کتابیں پڑھیں اور خط بھی والد صاحب سے سیکھا اور دس سال کی عمر میں تراویح کی نماز پڑھائی۔^۱

”النافع الکبیر“ میں علامہ نے لکھا ہے کہ گیارہویں سال کی ابتدا تحصیل علم سے کی، سترہ سال کی عمر میں مختلف رسمی فنون، صرف و نحو، معانی و بیان، منطق و فلسفہ، طب، فقہ و اصول فقہ، علم کلام، حدیث و تفسیر وغیرہ کی تمام کتابیں پڑھ لیں۔^۲

”سعایہ“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: حفظ سے فراغت کے بعد والد کے حضور دوسرے علوم کی تحصیل میں لگ گیا۔^۳ اور سترہ سال کی عمر میں تمام معقولات و منقولات کی کتابیں پڑھ لیں، علوم ریاضیہ کی چند کتابوں کے علاوہ جو والد کے انتقال کے بعد ماموں اور استاذ مولانا محمد نعمت اللہ متوفی ۱۲۹۰ھ سے پڑھیں، تمام کتابیں والد ماجد ہی سے پڑھیں، حساب والد محترم کے لائق شاگرد مولوی خادم حسین سے سیکھا۔^۴

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علامہ لکھنویؒ اپنے والد کے زیر تربیت پروان چڑھے، بچپن ہی میں حفظ قرآن پر توجہ دی دس سال کی عمر میں تراویح سنائی، اس درمیان خط سیکھا اور کچھ فارسی پڑھی پھر دیگر علوم عربیہ، نحو و صرف و بلاغت، معانی، حدیث و تفسیر اور فقہ وغیرہ کی تحصیل میں لگ گئے، اس وقت عمر گیارہ سال تھی، سترہ سال کی عمر میں اس مرحلہ کو مکمل کر لیا۔

منقولات و معقولات میں ان کے کمال کا سبب یہ ٹھہرا کہ جب کسی کتاب کو

۱۔ مقدمہ سعایہ، لکھنوی، (ص ۴۱)۔

۲۔ دیکھئے: النافع الکبیر، لکھنوی، (ص ۱۵۰، ۱۵۱)۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ مقدمہ سعایہ، لکھنوی، (ص ۴۱)۔

پڑھ لیتے تو طلبہ کے سامنے اس کتاب کا درس دیتے تھے، اس طرح اس فن میں کامل مہارت حاصل ہو جاتی، خود کہتے ہیں جب بھی میں کسی کتاب کو پڑھ لیتا تو اس کو پڑھانے لگتا، اللہ کی مدد سے تمام علوم میں مجھے کامل استعداد حاصل ہوئی، کسی بھی فن کی کتاب میرے لئے دشوار نہ رہی ۱۔

”سعایہ“ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اللہ نے عنفوان شباب بلکہ بچپن ہی سے تدریس و تالیف کی محبت میرے دل میں ڈال دی تھی یہی وجہ ہے کہ جو کتاب بھی میں نے پڑھی اسے پڑھایا بھی ۲۔

یہ طریقہ سیکھنے کے عمل کے لئے بہت ہی مفید ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس طرح کتاب اور زیر مطالعہ موضوع کو سمجھنے کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے ۳۔

اسی طرح انہوں نے بعض ان کتابوں کا درس بھی دیا جنہیں خود اساتذہ سے نہیں پڑھا تھا، جیسے طوسی کی شرح الاشارات، الألف الحسین، قانون طب اور رسائل العروض وغیرہ ۴۔

تدریس میں ان کو کمال کی مہارت حاصل تھی وہ اپنے علمی طریقہ استدلال سے تمام طلبہ کو مطمئن کر دیتے، خود علامہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ طلبہ میرے سبق سے مطمئن ہیں ۱۔

۱۔ النافع الکبیر، لکھنوی، (ص ۱۵۱)۔

۲۔ مقدمہ سعایہ، لکھنوی، (ص ۴۱)۔

۳۔ دیکھئے: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مولانا مناظر احسن گیلانی، (۴۱۴) مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۶۶ء۔

۴۔ دیکھئے: مقدمہ ہدایہ، لکھنؤ، (ص ۱۴)، النافع الکبیر، لکھنوی، (ص ۱۵۱)۔

اس مرحلہ میں تعلیم کے اسالیب اور اس کی دشواریوں سے متعلق بہت سے تجربات ان کو حاصل ہوئے، جن سے تدریس و تالیف کے اگلے مرحلے کی ذمہ داریاں نبھانے میں بڑی مدد ملی، برصغیر ہند کے تمام خطوں سے طلبہ ان کے علم سے استفادہ کے لئے آتے، ستارہ ایسا بلند ہوا کہ ہر جگہ شہرت پھیل گئی۔

دکن کا سفر: علامہ لکھنوی نے والد کے ساتھ ۱۲۷۷ھ میں حیدرآباد دکن کا سفر کیا، جہاں شجاع الدولہ مختار الملک تراب علی خان سالار جنگ ۲ متوفی ۱۳۰۰ھ نے ان کا اعزاز کیا اور مدرسہ نظامیہ کی مدرسہ سوینی ۳، اس موقع سے علامہ نے اپنے والد سے استفادہ بھی جاری رکھا اور طلبہ کو علمی فائدہ بھی پہنچاتے رہے۔

قریب دو سال اپنے والد ماجد کے ساتھ دکن میں ٹھہرے، ۱۳۷۹ھ میں والد نے نواب سے حج و زیارت کی اجازت لی تو وہ بھی اس سفر میں والد کے ہمراہ تھے، پھر دکن واپسی پر ۱۲۸۲ھ میں دکن کے نوابوں نے ان کے والد کو نظام عدالت و قضا پر متمکن کیا۔

۱۔ دیکھئے: مقدمہ ہدایہ لکھنوی، (ص ۱۴)، النافع الکبیر لکھنوی، (ص ۱۵۱)۔

۲۔ تراب علی بن محمد علی بن بدیع الزماں اولیسی حیدرآبادی، نواب سالار جنگ شجاع الدولہ مختار الملک، وزیر ذی شان ناصر الدولہ کے زمانے میں ان جیسا ذہین و فطین مدبر و سیاست داں نہ تھا، انگریزوں سے کئے گئے معاہدات کو اصلاحی شکل دی، دارالعلوم باسکفورڈ کے ممبران نے، ڈی، سی، ال کی ڈگری دی اور کے، جی، سی، آئی، ایس، آئی، کا لقب ملا، ۲۴۶ھ میں ولادت ہوئی، دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۱۰۹/۷)۔

۳۔ دیکھئے: حسرة العالم بوفاة مرجع العالم لکھنوی، (ص ۸۵)۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۵۴/۷)۔

شادی: شادی کا واقعہ علامہ ”حسرة العالم“ میں خود بیان کرتے ہیں: جمادی الثانیہ ۱۲۸۳ھ میں والد نے عدالت نظامیہ سے رخصت لی اور ہمیں لے کر وطن کا سفر کیا، وطن میں ایک سال ٹھہرے اور میرا نکاح میرے چچا مولوی وحافظ محمد مہدی بن مولانا محمد یوسف کی صاحبزادی سے کر کے فراغت لی۔

اس طرح حج و زیارت سے واپسی کے بعد والد نے ۱۹ سال کی نئی عمر میں آپ کا عقد مسنون کر کے آپ کی زندگی میں اطمینان بھر دیا۔

حرمین کا سفر: اللہ تعالیٰ نے علامہ کو دو مرتبہ حج کی سعادت سے نوازا، ایک مرتبہ ۱۵ سال کی عمر میں ۱۲۷۹ھ میں والد کے ساتھ حج فرمایا، اس وقت والد بزرگوار مدرسہ نظامیہ کے استاذ تھے، علامہ لکھنوی نے اپنے سفر کا قصہ کتاب ”التعلیقات السنیة“ میں بیان کیا ہے کہ: مجھے دو مرتبہ حج و زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، پہلی بار والد مرحوم کے ساتھ ۱۲۷۹ھ میں، ہم نے ماہ رجب میں حیدرآباد سے سفر شروع کیا، شعبان میں بمبئی سے بادبانی کشتی پر سوار ہوئے، یکم رمضان کو ”الحدیدة“ پہنچے، وہاں دس دن قیام رہا، والد مرحوم نے وہاں سے قیمتی کتابیں خریدیں، ہم پھر روانہ ہوئے، ہوا مخالف تھی ہمارا جہاز طوفان میں پھنس گیا اور جدہ میں نہ اتر کر ”لیث“ میں اترنا پڑا، وہاں سے خشکی کے راستے چار دن میں مکہ پہنچے، رمضان کے آخری عشرہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، حج کی ادائیگی تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرے پھر ذی الحجہ کے آخری عشرہ میں مدینہ طیبہ کی طرف سفر شروع ہوا، ۲ محرم کو پہنچے، اور ۱۰ صفر تک وہاں قیام

۱۔ دیکھئے: حسرة العالم، لکھنوی، (ص ۹۰) ۲۔ تہامہ کا، ہم ترین شہر ہے، بحر احمر پر یمن کی سب سے بڑی بندرگاہ، دیکھئے: الموسوعة العربیة، (ص ۶۹۳) ۳۔ اصل میں ”لیس“ ہے۔

رہا، پھر جدہ آئے اور جہاز کے ذریعہ ربیع الاول کے عشرہ اوسط میں بمبئی پہنچے۔^۱۔
دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ء میں حج کی سعادت حاصل ہوئی، محمد عبدالباقی نے ”حسرة
الفحول“ میں یہی بیان کیا ہے،^۲ لیکن علامہ عبدالحی حسنی نے ”نزہة الخواطر“ میں
اختلاف کرتے ہوئے ۱۲۹۳ء لکھا ہے، صحیح پہلا قول ہے اس لئے کہ خود علامہ لکھنوی نے
”التعلیق الممجد“ کے مقدمہ میں صراحت کی ہے کہ شوال ۱۲۹۲ء میں حرمین کا سفر ہوا۔^۳۔
علامہ نے ”التعلیقات السنیة“ میں اپنے دوسرے حج کا قصہ اس طرح
بیان کیا ہے: دوسری مرتبہ گزشتہ سال ۱۲۹۱ء میں نے حیدرآباد کا سفر کیا، ۲۱ تاریخ کو دخانی
جہاز پر سوار ہوئے، ۵/ذی قعدہ کو جدہ پہنچے، ۱۰/ذی قعدہ کو مکہ مکرمہ پہنچے،
ادائیگی حج کے بعد جمعہ کے روز ۲۱/ذی الحجہ کو مدینہ منورہ کا سفر کیا، ۵/محرم کو پہنچے
۱۰/ردن ٹھہر کر ۱۵/محرم الحرام کو مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کیا، وہاں تھوڑے دن قیام کے
بعد جدہ کا سفر کیا ۸/صفر کو جہاز پر سوار ہوئے اور ۲۱/تاریخ کو عافیت کے ساتھ ہمارا
جہاز بمبئی پہنچ گیا، میں نے قیام وطن کے لئے حیدرآباد سے دو سال کی رخصت لے
لی تھی، پھر میں بمبئی سے روانہ ہوا، اللہ سے دعا ہے کہ بار بار ہمیں حج و زیارت کی
سعادت عطا فرمائے اور مدینہ منورہ ہی میں وفات دے۔^۴۔

۱۔ التعلیقات السنیة علی الفوائد البھیة، لکھنوی، (ص ۲۴۹)۔

۲۔ حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۶)۔

۳۔ نزہة الخواطر، (۲۳۳/۸)۔^۴ دیکھئے: التعلیق الممجد، لکھنوی (ص ۱۱)۔

۵۔ یعنی ۱۹۲۱ء میں، جب آپ کی عمر ۲۸ سال تھی، کیونکہ آپ ”التعلیقات السنیة“ کی تالیف سے ۱۹۳۱ء میں
فارغ ہوئے، دیکھئے: ”التعلیقات السنیة“، لکھنوی، (ص ۲۴۹)۔

۶۔ التعلیقات السنیة، لکھنوی، (ص ۲۴۹)۔

علامہ لکھنویؒ نے اس مبارک سفر میں مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے علماء سے استفادہ کیا جس کا ذکر ہم ان کے اساتذہ کے ذیل میں کریں گے۔

وطن واپسی: والد کی وفات کے بعد انہیں والد کا منصب پیش کیا گیا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے معذرت کر دی، علامہ کے شاگرد محمد عبدالباقی کہتے ہیں: جب ان کے والد کا انتقال ہوا جو حیدرآباد کی عدالت علیا کے ناظم تھے، تو احباب کے اصرار کے باوجود انہوں نے عہدہ قضا قبول نہ فرمایا۔

نزہۃ الخواطر میں مرقوم ہے: ۱۲۹۳ھ میں حج سے واپسی کے بعد وہ اپنے وطن ہی میں ٹھہر گئے حیدرآباد کے نوابوں سے رخصت لے لی اور بغیر کسی شرط کے ۲۵۰ روپیہ پر قانع رہے اور انتقال تک طلبہ کی تدریس و تربیت فرماتے رہے۔

بہار کا سفر: ایک مرتبہ بہار کے شہر دربھنگہ کا سفر ہوا، محمد حفیظ اللہ اس قصہ کو اختصار سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک ہندو لڑکے کے قبول اسلام کے سلسلے میں ان کو طلب کیا گیا، تفصیل یہ ہے کہ وہ لڑکا علامہ سے ملنے آیا انہوں نے اس کے سامنے اسلامی تعلیمات اور توحید و رسالت کا تذکرہ کیا تو اس نے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر لیا، اسی معاملہ کو اس کے والد نے دربھنگہ کے انگریز حکمرانوں کے سامنے پیش کیا، علامہ شہر میں وارد ہوئے تو ان کو دیکھنے کے شوق میں مضافات شہر کے راستوں پر عقیدت مندوں کا ایک انبوہ امنڈ پڑا، انگریز حکمرانوں نے جب یہ دیکھا

۱۔ حسرة الفحول بوفاتہ نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۵)۔

۲۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی (۲۳۲/۸) آثار الاول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۲۳)۔

۳۔ صوبہ بہار کا ایک معروف شہر۔

اور ان کی محبوبیت کا اندازہ کیا تو اپنا دعویٰ واپس لے لیا اور اعزاز و اکرام کیا، میں نے اس سفر میں ان کے ساتھ رہنے والے کئی لوگوں سے سنا ہے کہ آپ کا استقبال کرنے والے لوگوں کی تعداد ہزاروں پر مشتمل تھی بلکہ ان کا شمار واستقصا ممکن نہ تھا، عوام و خواص کے درمیان علامہ کے علو شان اور بلندی مرتبہ کی یہ واضح دلیل ہے۔

علامہ کے امراض: علامہ کے شاگرد محمد حفیظ اللہ بندوی نے ان بیماریوں کا جائزہ لیتے ہوئے جن میں آپ مبتلا ہوئے لکھا ہے: تین مرتبہ ایک شدید مرض میں مبتلا ہوئے پہلی مرتبہ دوسرے حج سے واپسی اور قیام وطن کے دوران ان کے مرض نے اس حد تک شدت پکڑی کہ زندگی کی امید نہ رہی، اسہال اور بدہضمی کا ایسا مرض تھا کہ اسباب کی تشخیص اور علاج سے تمام ڈاکٹر عاجز آ گئے، حکیم محمد باقر شیعہ کے علاج سے افاقہ ہوا اور بحمد اللہ صحت بحال ہوئی۔

دوسری مرتبہ ۱۳۰۲ھ میں حیدرآباد میں اس وقت بیمار پڑے جب اپنے کسی رشتہ دار کے تقریب میں شرکت کے لئے حیدرآباد کا سفر کیا اور تیسری مرتبہ بیماری ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

وفات: علم و فن اور حدیث و سنت کی نشر و اشاعت کی جدوجہد کی اعلیٰ مثال اور کارہائے نمایاں سے مزین قابل رشک زندگی کے بعد لکھنؤ میں بیماری میں انتقال ہوا، وفات کے وقت تقریباً ۳۹ سال کی عمر تھی۔

۱۔ دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ البندوی، (ص ۱۱)، تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ (ص ۱۳۶)۔

۲۔ دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ البندوی، (ص ۳۳)۔ ۳۔ ایضاً (ص ۳۴)۔

علامہ کے لائق شاگرد ابو الفضل محمد عبدالحفیظ بندوی نے ”کنز البرکات“ میں مرض الوفات کی تفصیلات لکھی ہیں، جن کو یہاں اختصار سے پیش کیا جاتا ہے: ۱۳۰۳ھ کے وسط میں مرض شروع ہوا، مرض کیا تھا کھانسی اور دمہ کی شدید تکلیف تھی، ہلکی سے بے ہوشی طاری ہوئی، پھر بے ہوشی اور غشی کے دورے پڑنے لگے اور حالت بگڑتی چلی گئی، ماہر ڈاکٹروں کے ذریعہ علاج کیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، ۱۳۰۴ھ ربیع الاول تک یہی حالت رہی، آخری تاریخوں میں اتوار کے دن ان کے علم دوست احباب جمع تھے وہ بھی ان کے ساتھ شریک تھے، بذلہ سنجوں کی محفل تھی، علامہ نے کہا: ساتھ مل بیٹھنا بہت غنیمت ہے کون جانتا ہے کہ پھر کب ملنا ہوگا، دن ڈوب چکا تھا، رات کو علامہ اپنے گھر میں عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے کہ نماز ہی میں گر پڑے، خادموں نے ہاتھ پکڑ کر چارپائی پر بٹھایا، پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بہوشی کی کیفیت طاری ہوئی، دل کی دھڑکنیں بہت تیز ہو گئیں، رات کے تین بجے پروانہ قضا آ گیا اور آپ نے جان جان آفریں کو سونپ دی۔

علامہ کا انتقال ۳۰ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو ہوا، نماز جنازہ میں ایک جم غفیر تھا اس لیے تین علماء، مولوی محمد عبدالرزاق انصاری لکھنوی متوفی ۱۳۰۷ھ، مولانا عبدالوہاب اور مولوی عبدالجمید بن عبدالحمید انصاری متوفی ۱۳۲۰ھ نے باری باری نماز پڑھائی، بندوی کہتے ہیں: نماز جنازہ میں کم و بیش بیس ہزار سو گوار شریک ہوئے۔

۱۔ دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ البندوی، (ص ۳۴)، (معمولی تصرف کے ساتھ)۔

۲۔ دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ (ص ۱۳۲) حیرة اللؤلؤ، محمد عبدالباقی، لکھنوی، (ص ۱۴، ۱۵)۔

۳۔ دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ البندوی، (ص ۳۶)۔

علامہ کے ہم عصر اور ہم نام مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے لکھا ہے: ”ان کی وفات ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو ۳۹ سال کی عمر میں ہوئی، آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، میں اس وقت موجود تھا، وہ نہایت غمناک دن تھا، ہر فرقہ اور جماعت کے بے شمار لوگ جمع تھے، تین مرتبہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی ۱۔

وفات میں لوگوں کا شک: جب وفات ہوئی تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ ایک بیہوشی کی کیفیت ہے جو ابھی جاتی رہے گی، کیونکہ دن میں وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے، لوگوں کو ان کی موت کی توقع نہ تھی، وہ شدتِ تعلق اور فوری محبت کی بنا پر ان کے انتقال کو مستبعد سمجھ رہے تھے، جب انہیں رات کے واقعہ کا علم ہوا تو بہت سے حقیقت واقعہ جاننے کے لئے فرنگی محل میں اکٹھا ہو گئے، لوگوں کا ہجوم اتنا بڑھا کہ گلی کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جانا سخت دشوار ہو گیا، اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ محض ایک غشی کی کیفیت ہے، لیکن ڈاکٹر نے تحقیق کے بعد موت کی تصدیق کر دی، حاضرین کی زبانوں سے اناللہ وانا الیہ راجعون کی دعائی گئی، ان پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا ۲۔

مزار: راقم الحروف نے باغ انوار الحق (باغیچہ مولانا احمد انوار الحق) میں ان کی قبر پر حاضری دی، سفید سنگ مرمر کی تراشی ہوئی ایک تختی پر ان کے شاگرد عبدالحی مدرسی کے یہ اشعار درج ہیں، جو انہوں نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے قلمبند کیے تھے:

”سلام علی عباده الذین اصطفے:

أیہا الزوّار قف واقراً علی هذا المزار سورة الإخلاص والسبع المثانی والقنوت

۱۔ نزہۃ النواظر و بھجیہ المسامح والنواظر، علامہ عبدالحی حسنی، (۲۳۹/۸)۔

۲۔ دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ البندوی، (ص ۳۵)، (معمولی تصرف کے ساتھ)۔

فيہ عبدالحی مولانا امام العالمین إنه علامة في كل علم بالثبوت
 أرخ الآسى أسياً آسياً في فوتہ مات عبدالحی والقيوم حي لا يموت

۱۳۴۰ھ

اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی ہو:

اے زائر! رک کر اس مزار پر سورہ اخلاص، فاتحہ اور قنوت پڑھ، اس میں امام
 العلماء مولانا عبدالحی جو ہر علم میں درک و کمال رکھتے تھے آرام فرما ہیں، دل حزیں نے
 ان کی وفات کی تاریخ نکالی ہے، عبدالحی دنیا سے چل بسے اور خدائے قیوم زندہ ہے
 اسے موت نہیں آتی۔

مرثیے: علامہ کی وفات پر ان کے دوستوں اور شاگردوں نے عربی، فارسی اور اردو
 میں بہت سے مرثیے کہے، ہم یہاں عبدالحی مدرسی کے بعض اشعار جو ”الآثار
 المرفوعة في الأحاديث الموضوعة“ کے آخر میں درج ہیں، نقل کرتے ہیں:

مات عبدالحی لكن لم يممت فيضانه إنما مات المسمى واسمه لا يموت
 إنه أحياء علوم الدين في الدنيا لنا إن في العقبى له جنات عدن لا تقوت
 لم يزل في طول عمر خادماً فن الحديث بل له يوماً وليلاً في كتاب الله قوت

عبدالحی فوت ہو گئے لیکن ان کا فیضان علم ختم نہیں ہوا، مسمی مر گیا اور اس کا
 نام زندہ ہے، انہوں نے ہمارے لئے دنیا میں علوم دین کو زندگی بخشی، آخرت میں ان
 کے لئے عدن کے ہمیشہ کے باغات ہوں گے، عمر بھر فن حدیث کی خدمت کرتے
 رہے رات دن کی خوراک انہیں کتاب اللہ سے ملتی تھی۔

عبدالحی مدرسی کا یہ شعر بھی دیکھئے:

مات عبدالحی مصروعاً خفناً ضاحكاً إنه في فوته قد جاء فوت العالم له
 ”عبدالرحی ہنستے ہوئے خاموشی سے چل بسے، ان کا انتقال یقیناً عالم کے لئے ایک بڑا
 خسارہ ہے۔“

ان کے مشہور شاگرد محمد عبدالباقی نے علامہ کی وفات پر اس طرح اپنے حزن و
 ملال کا اظہار کیا ہے:

لو شئت أن أبكي دماً لبكيتہ عليه لكن ساحة الصبر أوسع ۲

”اگر میں چاہوں تو خون کے آنسو روؤں لیکن صبر کا میدان زیادہ کشادہ ہے“

اولاد: اللہ نے علامہ کو کئی اولادیں عطا کیں، لیکن ان کی زندگی ہی میں ایک بیٹی
 کے سوا سب کا انتقال ہو گیا، ان کے انتقال کے وقت پس ماندگان میں زوجہ اور
 صاحبزادی تھیں، بیوی کا انتقال تقریباً چار سال بعد ۱۳۳۸ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا،
 داماد مفتی محمد یوسف صاحب جو ان کے شاگرد بھی ہیں اور جنہوں نے تعلیم کی تکمیل
 مولوی حفیظ اللہ بندوی اور مولوی عین القضاة کی زیر نگرانی کی ان کا انتقال ۱۳۴۴ھ
 میں ہوا، مفتی محمد یوسف ان کی کوئی تصنیف نہیں ملتی، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ
 ہے کہ علمی کتب خاص طور سے علامہ لکھنوی کی کتابوں کی طباعت میں بہت فعال اور
 سرگرم تھے۔

علماء کا خراج تحسین: علماء عرب و عجم نے علامہ کو یکساں سراہا اور اچھی صفات

۱۔ الآثار المرفوعة في الأحاديث الموضوعية، لکھنوی (ص ۱۳۶، ۱۳۷) مطبوعہ بیروت۔

۲۔ حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۱۴)۔

۳۔ تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۷۹)۔

سے متصف کیا ہے، مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے لکھا ہے: ”وہ ذہین و فطین، تیز خاطر، عقیف النفس، نرم مزاج و متواضع، ماہر خطیب، علوم معقولات و منقولات کے غواص، اسرار شریعت کے نکتہ داں تھے، ہندوستان میں علم فتویٰ میں منفرد تھے، ان کا شہرہ دور دور تک پہنچا، ہر ملک و ریاست کے علماء ان کی جلالت شان کے معترف ہیں۔“

دوسری جگہ لکھتے ہیں: وہ یکتائے زمانہ اور ہندوستان کے لئے سرمایہ فخر ہیں، ان کی تعریف و توصیف پر سب کا اتفاق اور فضل و کمال کے اعتراف میں کسی کا اختلاف نہیں۔“

استاذ محمد بن عبداللہ حنبلی کے توصیفی کلمات یہ ہیں: احادیث نبویہ کا اس درجہ استحضار، نصوص فقہیہ کا اتنا واضح تصور اور مختلف علوم و فنون، منطوق و مفہوم میں وہ تحقیقات و تدقیقات کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، دل شاد ماں ہوا، روح سرشار ہو اٹھی۔“

علی حسن خان صاحبزادہ سید نواب صدیق حسن خان کہتے ہیں کہ جب والد محترم کو علامہ عبدالحی بن عبدالحلیم کے انتقال کی خبر پہنچی تو انہوں نے پیشانی پر ہاتھ رکھ لیا، دیر تک سر جھکائے رہے جب سر اٹھایا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، علامہ لکھنوی کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا آج علم کا خورشید ڈوب گیا۔“

نزہۃ الخواطر میں بھی لکھا ہے کہ جب علامہ عبدالحی لکھنوی کا انتقال ہوا تو نواب صدیق حسن خان غمزدہ ہو گئے انہوں نے اس رات کھانا تناول نہیں فرمایا،

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۳۵/۸)۔

۲۔ حسرة الفحول بوفاتہ نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۸)۔

۳۔ نزہۃ الخواطر، (۱۹۳/۸)۔

مسائل سے گہری واقفیت تھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ۱۔

فقیر محمد کہتے ہیں: وہ فقیہ، محدث، باکمال، بے مثال، جامع معقولات و منقولات، اصول و فروع کے عالم اور محققین کے پیشوا تھے ۲۔

محمد حفیظ اللہ بندوی کہتے ہیں: وہ علوم الہیہ کے ماہر اور علوم عالیہ میں فقہ و علم رجال پر حاوی تھے، انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں ۳۔

شیخ محمد یوسف بنوری نے ان الفاظ میں علامہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے: ان علماء ربانیین میں جو ورع و تقویٰ، عبادت و ریاضت، علوم روایت اور درایت، منقولات و معقولات کے جامع ہیں، عالم فاضل مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی بھی شامل ہیں ۴۔

عبدالحی کتانی نے لکھا ہے کہ وہ علمائے ہند کی آخری کڑی، بہت سی کتابوں کے مصنف، وسیع المعلومات، منصف مزاج، اعتدال پسند، بڑے باحوصلہ، تصنیف و تالیف و مطالعہ کے بے پناہ شائق اور دلدادہ ہیں، مزید لکھا کہ اللہ سے مجھے امید ہے کہ میں ان کا بہترین جانشین ثابت ہوں گا، اس لئے کہ نام و وطن کے اکثر حروف میں اشتراک کے ساتھ ان کے بیشتر رجحانات و خیالات اور اصول و مبادی سے بھی مجھے اتفاق ہے ۵۔

علامہ محمد زاہد الکوشری نے لکھا ہے: شیخ عبدالحی لکھنوی احادیث احکام کے

۱۔ نزہۃ الخواطر، (۲۳۶/۸)۔ ۲۔ دیکھئے: حقائق الحنفیۃ، فقیر محمد، (ص ۲۸۵)۔

۳۔ کنز البرکات، بندوی، (ص ۱۹)۔

۴۔ دیکھئے: السعیۃ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ، لکھنوی کا مقدمہ بنوری (ص ۱)؛ مطبوعہ پاکستان۔

۵۔ فہرس الفہارس، کتانی، (۲۹/۲، ۳۰)۔

اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں۔^۱۔
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: وہ علامہ ہند
اور فخر متاخرین ہیں۔^۲۔

عمر رضا کمالہ کہتے ہیں: ”ابوالحسنات عبدالحی محدث و مورخ ہیں“۔^۳۔
خیر الدین زرکلی کہتے ہیں: ”عبدالحی حدیث و رجال کے عالم اور فقہائے احناف
میں ہیں“۔^۴۔

”التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة“ میں لکھا ہے: علامہ لکھنوی
فخر متاخرین، انصاف پسند محققین کے لئے مثال، محدث، فقیہ، اصولی، ماہر فلسفہ،
متکلم، مورخ اور محقق و نقاد ہیں۔^۵۔

علامہ کے استاذ احمد بن زینی دحلان جن سے انہوں نے اجازت لی، عاقل،
باکمال اور ہونہار نوجوان کے اوصاف سے نوازا۔^۶۔
شیخ عبدالغنی نے باکمال فاضل کا خطاب دیا ہے۔

محدث محمد نذیر حسین دہلوی نے ایک مجمع کے سامنے ان الفاظ میں ان کا
تعارف پیش کیا: ”یکتائے زمانہ، نادر روزگار، اس صدی میں کوئی ایسا عالم پیدا نہ ہوا
جو ان کی ہمسری کر سکے، اللہ ان کی زندگی اور فیوض میں برکت عطا فرمائے“۔^۷۔

۱۔ مقدمہ الکوثری علی نصب الراية للزبلي، (ص ۳۹)۔ ۲۔ المسلمون في الهند، ندوی، (ص ۳۸)۔

۳۔ معجم المؤلفين، عمر رضا کمالہ، (۳۸/۱۱)۔ ۴۔ الأعلام، زرکلی، (۵۹/۷)۔

۵۔ التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة، شیخ عبدالفتاح، (ص ۱۲)

۶۔ كنز البركات في سيرة أبي الحسنات، بندوی، (ص ۶)۔

۷۔ ايضاً (ص ۱۱)۔ ۸۔ كنز البركات، بندوی، (ص ۶)۔

علامہ کے معاصر علامہ محقق شیخ ابراہیم بن عثمان سمودی مصری نے کہا:
(ابوالحسنات عبدالحی) ہمارے معاصر، اس زمانے کے ہندی فاضل، علامہ زمان،
آفتاب عارفین، صالح کا ملہیں۔

علماء نے جن الفاظ میں ان کی توصیف و تحسین کی ہے، اس کی روشنی میں
صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علماء کے درمیان ان کا مقام کتنا بلند اور معتبر تھا، وہ حدیث، علوم
حدیث، فقہ، اصول فقہ وغیرہ بہت سے علوم و فنون میں باکمال تھے، اسی طرح طلب علم
میں ان کی بلند ہمتی، علم کی نشر و اشاعت اور تالیف و تصنیف میں ان کی اولوالعزمی
نمایاں ہے، معاصر علماء نے جن الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے اس سے زیادہ کا تصور
نہیں کیا جاسکتا، سید نواب صدیق حسن خان سے حساس موضوعات پر ان کے کئی
علمی، تحقیقی مباحثے ہوئے لیکن انہوں نے علامہ کے علم و فضل کا اعتراف بھی کیا، جب
علامہ کی وفات کی خبر انہیں پہونچی تو انہوں نے بہت اچھی بات کہی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی تعریف میں معاصر علماء و محققین، اساتذہ جن سے
آپ نے علم حاصل کیا اور سند اجازت بھی اور تلامذہ سب متفق اللفظ ہیں۔

خلقى اوصاف: آپ کے معاصر ہم نام اور ہم وطن مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی
نے اپنی کتاب ”نزہۃ الخواطر“ میں آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ میں کئی مرتبہ
آپ کی مجلس میں حاضر ہوا، میں نے آپ کو صبیح و جمیل پایا، کالی آنکھیں، گہری نظر،
ہلکے رخسار اور سیدھے بال۔

۱۔ مقدمہ الرفع والکتمیل، شیخ عبدالفتاح ابوعده، (ص ۳۹)۔ ۲۔ نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۳۵/۸)۔

عادات و اخلاق: حفیظ اللہ بندوی کے مطابق علامہ بہت خوش اخلاق تھے، وہ لکھتے ہیں: اخلاق و عادات کے لحاظ سے وہ اعلیٰ معیار پر تھے، مخالفین بھی ان کے حسن اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے، جن کی انہوں نے کبھی غیبت کی اور نہ قبیح لہجے میں مخاطب کیا۔

علامہ آخری حد تک چشم پوشی برتتے، مخالفین کا احترام اور اکرام کرتے تھے جیسا کہ عبدالباقی سہسوانی نے لکھا ہے کہ شیخ محمد بشیر سہسوانی جب بھی لکھنؤ آتے علامہ عبدالحی کے مہمان ہوتے، وہ احترام و محبت کے ساتھ ان کا استقبال کرتے اور شیخ بشیر سے مزید وقت کے لئے رکنے کی فرمائش کرتے۔

قناعت پسندی: مزاج میں قناعت پسندی تھی، ریاست و حکومت کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیتے ”النافع الکبیر“ میں خود لکھا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا مجھ پر بڑا انعام ہے کہ اس نے میرے دل میں علم کی محبت رکھی اور ریاست و سرداری کی چاہت نہ دی، والد محترم کا عہدہ پیش کیا گیا، عہدہ عدالت عالیہ کی نظامت کا تھا لیکن انہوں نے اپنے احباب و اقارب کے اصرار سے کے باوجود قبول نہ کیا، اس سے ان کی قناعت پسندی، حرص و ہوس سے دوری اور جاہ و منصب سے بے رغبتی صاف ظاہر ہوتی ہے۔

۱۔ کنز البرکات فی سیرۃ اَبی الحسنات، محمد بندوی (ص ۸)۔

۲۔ الیاقوت والمرجان فی ذکر علماء سہسوان، محمد عبدالباقی سہسوانی (ص ۱۰)۔

۳۔ النافع الکبیر لکھنوی، (ص ۱۵۳)۔ ۴۔ ایضاً (مع مجموعۃ الرسائل الست، وحسرة الفحول ص ۵)۔

یادداشت: علامہ کو غضب کی قوت یادداشت اور حافظہ ملا تھا جس سے تدریس و تالیف اور مناظرہ میں بہت مدد ملتی تھی، اپنے بارے میں کہتے ہیں: بچپن ہی سے میرا حافظہ کافی اچھا تھا، مجھے بسم اللہ کی تقریب کے تمام واقعات اس طرح یاد ہیں جیسے میری آنکھوں کے سامنے ہو، اس وقت میری عمر پانچ سال تھی بلکہ تقریباً تین سال کی ایک پٹائی بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ان کے شیخ احادیث نبویہ کے استحضار سے متعجب تھے، اسی یادداشت کا فضل کہنے کہ علامہ لکھنوی نے ایک مختصر سی مدت میں وہ قیمتی کتابیں لکھیں جن سے علماء کی جماعتیں اور اکادمیاں عاجز ہیں اور جن کی وجہ سے ان کی شہرت عجم سے عرب تک پھیلی۔



۱۔ النافع الكبير لکھنوی، (ص ۱۵۳)۔

۲۔ حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص ۸)۔

فصل دوم اساتذہ وتلامذہ

اساتذہ

سلف صالحین کتابوں کی کمی، برکاتِ علم کی تحصیل اور تصحیف و وہم سے بچنے کے لئے اساتذہ سے علم حاصل کرتے تھے، یہ عام طریقہ تھا، طلبہ بہت سے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے، اور یہ بات سرمایہٴ فخر تو تھی، ہی کسی عالم کے علم کی وسعت کا نشان بھی تھی، یہی وجہ ہے کہ تلامذہ نے اپنے اساتذہ کا ذکر مخصوص کتابوں میں کیا ہے، لیکن جب پریس کا زمانہ آیا اور مطابع اور چھاپہ خانے بہت ہو گئے تو اس اہتمام میں آہستہ آہستہ کمی آنے لگی طلبہ اساتذہ کے علاوہ کتابوں پر بھی اعتماد کرنے لگے اور استاذ کی وہ اہمیت نہ رہی جو متقدمین کے نزدیک تھی، اب یہ طریقہ رائج ہوا کہ طالب علم، علم و فن میں مشہور کسی ایک استاذ سے یا چند اساتذہ سے بہت دنوں تک وابستہ رہ کر علوم حاصل کرتا، علامہ لکھنوی کی ولادت کے زمانے میں طباعت کا رواج عام ہو چکا تھا، چنانچہ وہ متأخرین کے نہج سے متاثر ہوئے، جن اساتذہ سے انہوں نے علم حاصل کیا وہ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں، جن میں سرفہرست ان کے والد محترم ہیں، ان کی علمی شخصیت سازی میں ان کے والد کا کردار بہت اہم ہے، لیکن یہاں میں اس امر کی طرف خاص توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اساتذہ کی قلتِ تعداد علامہ لکھنوی کے علمی مقام و مرتبہ پر مطلق اثر انداز نہیں ہوئی، وہ علم و تحقیق اور تالیف و تدریس کے مقام امامت پر فائز ہوئے، جس کی گواہی ایک طرف آپ کے اساتذہ اور معاصرین دیتے ہیں دوسری طرف آپ کی تصنیف کردہ گراں قدر کتابیں اس کی گواہ ہیں۔

علامہ لکھنوی کے اساتذہ

(۱) والد گرامی علامہ محمد عبدالحلیم بن محمد امین بن محمد اکبر انصاری لکھنوی: ۱۲۳۹ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، دس سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا پھر تحصیل علم میں مشغول ہوئے، کتب نحو و صرف اپنے والد سے پڑھیں، ۱۲۵۳ھ میں والد کی وفات کے بعد نانا مولانا محمد ظہور اللہ متوفی ۱۲۵۶ھ، چچیرے دادا محمد اصغر متوفی ۱۲۵۵ھ سے تعلیم حاصل کی، علوم ریاضیہ ماموں مفتی نعمت اللہ متوفی ۱۲۹۰ھ اور چچا مفتی محمد یوسف بن محمد اصغر متوفی ۱۲۸۶ھ سے حاصل کئے پھر علم حدیث میں محدث حسین احمد علیخ آبادی ۱ اور محدث مرزا حسن علی ۲ سے اکتساب فیض کیا۔

علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل کے بعد اپنے وطن میں خدمت تدریس انجام دینے لگے، ۱۲۶۰ھ میں باندہ کا سفر کیا وہاں کے رئیس نواب ذوالفقار نے ان کا اکرام کیا اور اپنے مدرسے کا مدرس مقرر کیا، چار سال درس و افادہ میں مشغول رہ کر وطن لوٹے، ایک سال کے قیام کے بعد جوئی پور کے رئیس محمد امام بخش متوفی ۱۲۷۸ھ مکہ ۱ حسین احمد بن علی احمد بن علی امجد جینی سرہندی علیخ آبادی، لکھنؤ کے معروف قصبہ ”لیخ آباد“ میں پیدا ہوئے، یہیں پرورش پائی، مفتی ظہور اللہ اور محدث مرزا حسن علی سے پڑھا، پھر دہلی کا سفر کیا اور شیخ عبد العزیز بن ولی اللہ محدث دہلوی سے سند اجازت حاصل کی، مؤرخ عبدالحی حسنی رقمطراز ہیں: ”آپ محدث اور مشہور و معروف عالم ہیں، ۱۲۷۵ھ میں انتقال کیا“ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۱۳۵/۷)۔

۲ دیکھئے: حسرة العالم بوفاة مرجع العالم، لکھنوی، (ص ۸۴)، (مجموعۃ الرسائل الثماني)، تذکرة علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ (ص ۱۲۹)، مرزا حسن علی لکھنوی نے جو ”صغیر“ کے نام سے مشہور ہیں، علم حدیث شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے حاصل کیا، فرنگی محل اور لکھنؤ کے علماء آپ سے مستفیض ہوئے، ۱۲۲۶ھ میں وفات پائی، دیکھئے: علم الحدیث بالہند، علامہ سید سلیمان ندوی، (ص ۵۲)۔

مکرمہ نے اپنے یہاں بلا کر مدرسہ امامیہ حنفیہ کا استاذ مقرر کیا، یہاں انہوں نے تقریباً نو سال پڑھایا، دور دراز کے طلبہ نے ان کے اسباق میں حاضری دے کر علمی تشنگی کو تسکین دی پھر ۱۲۷۶ھ میں وطن لوٹے اور ایک سال قیام کے بعد حیدرآباد کا سفر کیا، جہاں شجاع الدولہ مختار الملک نواب تراب علی خان سالار جنگ متوفی ۱۳۰۰ھ نے شایان شان اکرام کیا اور مدرسہ نظامیہ کی مدرسہ سونپی ل۔

۱۲۷۹ھ میں مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے، یہ سفر ان کی بلند ہمتی، علم دوستی اور حریم شریفین سے عمیق قلبی تعلق کی روشن دلیل ہے، اس مبارک سفر میں انہوں نے وہاں کے علماء سے استفادہ کیا، جن علماء سے سند اجازت حاصل کی، ان میں چند نام یہ ہیں:

(۱) فقیہ محدث و مفکر شیخ محمد جمال عمر حنفی متوفی ۱۲۸۴ھ، ان سے کتب حدیث کی اولین احادیث پڑھیں۔

(۲) محدث فقیہ مفسر احمد بن زینی دحلان متوفی ۱۳۰۴ھ، انہوں نے ان الفاظ میں ان کے لئے ورقہ اجازت لکھا: میں کہتا ہوں، میں موصوف کو ان کتب معقولات و منقولات کی جن کی روایت و درایت میرے لئے جائز ہے، موصوف کی معتبر شرطوں کے ساتھ اجازت دیتا ہوں، علماء عالمین کی آخری کڑی علامہ عثمان بن حسن و میاطی نے جن کتب کی مجھے اجازت دی میں نے انہیں اس کی اجازت دی، اور انہوں نے مجھے ان تمام علوم کی اجازت دی ہے جن کی اجازت جامع ازہر کے اساتذہ نے انہیں دی، اور میں نے موصوف کو ان تمام کتابوں کی اجازت دی جن کی اجازت شیخ عبدالرحمن بن

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی (۱۰۶۷)، تاریخ شیراز ہند جو پور، سید اقبال احمد، (ص ۸۱۰)

شیخ کزبری اور شیخ ابوعلی محمد ملقب بہ ارتضاعمری صفوی نے دی ہے ۱۔

(۳) مولانا محمد بن محمد عرب شافعی، جو مسجد نبوی میں درس دیتے تھے ان کی سند اجازت کے یہ الفاظ ہیں: ”فاضل موصوف کو میں نے اپنی تمام مقروء و مسموع مرویات کی اجازت دی، کتب حدیث و تفسیر اور معقولات و منقولات اس میں شامل ہیں“ ۲۔

(۴) شیخ محدث عبدالغنی بن ابوسعید مجددی مقیم مدینہ منورہ، نے ان الفاظ میں اجازت لکھی: ”میں نے فقہ و حدیث و تفسیر و دیگر علوم جن کی روایت میرے لئے جائز ہے اور جو ہمارے استاذ علامہ محدث مدینہ شیخ عابد سندھی کی کتاب میں درج ہے ان سب کی اجازت دی“ ۳۔

(۵) مولانا عبدالرشید بن احمد سعید مجددی دہلوی متوفی ۱۲۹۶ھ۔

(۶) شیخ علی الحریری مدنی حاکم باشلی، مولانا عبدالحلیم نے ان سے ”دلائل الخیرات“ پڑھی اور انہوں نے ان کے لئے ورقہ اجازت لکھا ۴۔

اس مبارک سفر حج سے وطن لوٹے اور اپنے طلبہ کو علمی فائدہ پہنچایا، حیدرآباد کی عدالت نظامیہ کے منتظم مقرر ہوئے اور تاحیات اس منصب پر فائز رہے، ۱۲۸۵ھ ۲۹ شعبان پیر کے روز ۲۶ سال کی عمر میں حیدرآباد میں انتقال ہوا اور وہیں تدفین ہوئی ۵۔

۱۔ حسرة العالم بوفاة مرجع العالم، لکھنوی، (ص ۸۵)۔ ۲۔ ایضاً (ص ۸)۔

۳۔ دیکھئے: حسرة العالم بوفاة مرجع العالم، لکھنوی، (ص ۸۵، ۸۶)، ان کی سند کا سلسلہ شاہ ولی اللہ دہلوی تک پہنچتا ہے۔

۴۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی (۲۵۴/۷)، حسرة العالم، لکھنوی (ص ۹۰)۔

۵۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۵۵/۷)، تذکرۃ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۰)۔

آثار و کتب: علامہ عبدالحلیم لکھنوی نے معقولات و منقولات میں کثرت سے مفید کتابیں تالیف کیں جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں، ”القول الحسن فیما يتعلق بالنوافل والسنن، نظم الدرر فی سلك شق القمر، خیر الکلام فی مسائل الصیام، رسالة فی الإشارة بالسبابة“ وغیرہ۔

محمد عنایت اللہ فرنگی محلی نے ان کے حواشی و مؤلفات کی تعداد ۳۴ بتائی ہے^۱۔ علامہ عبدالحلیم لکھنوی نے ان الفاظ میں اپنے والد سے سند اجازت حاصل کی: ”میرے بیٹے اور نور نظر مولوی حافظ ابوالحسنات محمد عبدالحلیم نے مجھ سے پڑھا ہے، میری دعا ہے کہ اللہ انہیں شرع مبین کا خادم اور علوم عقلیہ و نقلیہ کا مبلغ بنائے، انہوں نے مجھ سے باصرار یہ درخواست کی کہ معقولات و منقولات اور فروع و اصول کی جن کتابوں کی روایت و درایت میرے لئے جائز ہیں ان کی اجازت دوں، میں اس تحریر کے ذریعہ ان کو اجازت دیتا ہوں“^۲۔

(۲) شیخ مفتی نعمت اللہ بن مفتی نور اللہ بن قاضی محمد ولی اللہ بن قاضی غلام مصطفیٰ انصاری لکھنوی: لکھنؤ میں پیدا ہوئے یہیں پرورش پائی، اپنے والد اور چچا مفتی ظہور اللہ سے پڑھا جو فیض آباد اور لکھنؤ کے صدر مفتی تھے، پھر کچھ دنوں کے لئے بڑودہ اور صوبہ بہار کے شہر ”بتیا“ کی طرف سفر کیا۔ اس مدت میں تدریس کی خدمات انجام دیں، مؤرخ علامہ عبدالحلیم حسنی نے ان الفاظ میں ان کا حال بیان کیا ہے:

^۱ دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۰)۔

^۲ دیکھئے: حسرة العالم بوفاة مرجع العالم، لکھنوی، (ص ۹۱، ۹۲)، ظفر الامانی، لکھنوی، (ص ۱۷۲)

الإسعاد بالاسناد، محمد عبدالباقی، (ص ۹)۔

”بڑے مفتی، فاضل و کامل، روشن دماغ، ذہین و فطین، شیریں کلام، متواضع اور حلیم تھے، غایت درجہ باریک بینی اور سنجیدگی سے مطالعہ کرتے، کہا جاتا ہے کہ کتاب کا ایک ورق تین گھنٹے میں پڑھاتے تھے“^۱۔

شیخ محمد قیام الدین کہتے ہیں: ”علوم عقلیہ خصوصاً ریاضیات میں ید طولیٰ حاصل تھا جیسے یہ فن میراث میں پایا ہو، اپنے زمانے کے بڑے عاقل تھے، معاصرین میں ان کا ثانی نہیں، آپ نے کوئی مستقل کتاب تالیف نہیں کی“^۲۔

محمد عنایت اللہ ان کے درس کا حال بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ”معلومات و مفاہیم کو پھیلائے کا وہ ہنر جانتے تھے کہ کسی کتاب کے چند صفحات ہی پڑھاتے اور کتاب کے تمام مشمولات کو اس طرح طالب علم کے سامنے پیش کر دیتے کہ محدود ذہانت کا طالب علم بھی نہ صرف اسے سمجھ لیتا بلکہ اس کے اندر مکمل کتاب کے سمجھنے کا ملکہ پیدا ہو جاتا“^۳۔

علامہ لکھنوی نے ۱۳۸۸ھ میں ان سے علوم عقلیہ و ریاضیہ پڑھے، ان میں ”شرح الجعمنی مع حواشی البرجنندی“ امام الدین ریاضی طوسی کی ”رسالة الأسطرلاب“، سید جرجانی، الخفزی اور البرجنندی کی ”شرح التذکرة“ اور ”رسائل الأکبر والتسطیح“ وغیرہ ہیں^۴، بہار سے واپسی میں ۱۲۹۰ھ بنارس میں

^۱ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (ص ۵۲۱/۸)، احوال علماء فرنگی محل، مولوی الطاف الرحمن، (ص ۷۹)۔

^۲ آثار الاول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۳۱)۔

^۳ دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۸۳)۔

^۴ دیکھئے: النافع الکبیر، لکھنوی (ص ۱۵۱)، حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۳)

انتقال ہوا اور وہیں تدفین عمل میں آئی، یہی تاریخ مولانا محمد قیام الدین ۱۔ اور ان کے شاگرد مولوی الطاف الرحمن ۲ اور مولوی عبدالباقی ۳ نے بھی بیان کی ہے، علامہ عبدالحی حسنی کا بیان مختلف ہے ان کے بقول ۱۳۹۹ھ میں انتقال ہوا ۴۔

(۳) **مولوی خادم حسین:** صوبہ بہار کے مشہور شہر مظفر پور میں پیدا ہوئے، جو علامہ عبدالحلیم انصاری لکھنوی کے بہت خاص شاگرد اور سفر و حضر کے رفیق تھے اور علامہ عبدالحلیم اور عبدالحی لکھنوی کی تصنیفات کی طباعت کا اہتمام فرماتے تھے۔

”سعایہ“ کے مقدمے میں علامہ لکھنوی نے لکھا ہے: میں نے والد صاحب کے لائق شاگرد، خاص دوست اور سفر و حضر کے ہمارے رفیق مولوی محمد خادم حسین مظفر پوری سے علم حاصل کیا، ۵۔ علامہ نے ان سے فارسی اور ریاضیات پڑھی ۶، ان کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ علامہ کی وفات کے بعد ان کی مخطوطہ اور مطبوعہ کتابوں کی حفاظت کی اور ان کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھا۔

وہ اساتذہ جن سے مختلف علوم کی اجازت لی

گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکا ہوں کہ علامہ لکھنوی نے اپنے والد سے

۱۔ آثار الاول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۳۲)۔

۲۔ احوال علماء فرنگی محل، مولوی الطاف الرحمن، (ص ۷۹)۔

۳۔ حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۳)۔

۴۔ نزہۃ النواظر، عبدالحی حسنی، (ص ۵۲/۷)۔ ۵۔ دیکھئے: مقدمہ سعایہ، لکھنوی (ص ۴۱)۔

۶۔ تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۱)۔

۷۔ مجلہ علوم الدین علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، شمارہ: ۲، ۱۹۷۲ء، (ص ۱۷۱)۔

علوم عقلیہ و نقلیہ پڑھے اور بہت کم کتابیں دوسرے علماء سے پڑھیں، والد محترم سے منقولات و معقولات کی وہ تمام اجازتیں حاصل کیں جو ان کے والد کو اپنے والد اور شیوخ و اساتذہ سے حاصل ہوئی تھیں۔

یہاں ہم ان کے ان اساتذہ کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے معقولات و منقولات کی اجازتیں دیں۔

(۱) شیخ ابوالعباس احمد بن زینی دحلان شافعی مکی: ۱۲۳۱ھ مکہ مکرمہ میں

پیدا ہوئے، مکہ مکرمہ ہی میں پرورش اور تعلیم ہوئی، محمد سعید مقدسی، علی سرور، عبداللہ سراج حنفی اور بشر الجبرتی سے علم حاصل کیا، فقہ حنفی سید محمد کتبی سے پڑھا، الوجیہ کزبری، شیخ عثمان دمیاطی اور قاضی ارتضا علی خان مدراسی ہندی وغیرہ سے روایات نقل کرتے ہیں، مصری علماء کی اسانید اور کتابوں پر اعتماد زیادہ کرتے ہیں۔

کحالہ کہتے ہیں ”وہ فقیہ، مؤرخ، مختلف علوم کے ماہر اور مکہ مکرمہ میں مفتی شوافع ہیں۔“

کتانی کہتے ہیں ”درس و تدریس خصوصاً حدیث میں ہمیشہ مشغول رہتے، لوگ کہتے ہیں کہ بخاری شریف ان کے یہاں اسی طرح ضروری تھی جس طرح فاتحہ۔“

ان سے علم حاصل کرنے والوں میں ابوالعلاء ادریس بن عبدالہادی فاسی، شیخ احمد بن عثمان عطار مکی ہندی، شیخ حبیب الرحمن ہندی، محمد بن ابراہیم السقا مصری اور

۱۔ فہرس الفہارس، ابو جعفر کتانی، (۳۹۰/۱)۔

۲۔ مجمع المؤلفین، عمر رضا کحالہ، (۲۲۹/۱)۔

۳۔ فہرس الفہارس، ابو جعفر کتانی، (۳۹۱/۱)۔

شیخ رحمت اللہ کیرانوی ۱۔ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۱۳۰۴ھ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، السیرة النبویة والآثار المحمدیة
۲، السجداول المرضیة فی تاریخ الإسلام، الفتح المبین فی فضائل الخلفاء
الراشدین وأهل البيت الطاهرین ۳ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

۱۲۷۹ھ میں جب علامہ لکھنوی نے اپنے والد کے ساتھ حج کے لئے حجاز کا
سفر کیا تو شیخ احمد زینی دحلان سے اجازت حاصل کی، انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ
ان کے لئے اجازت لکھی ”میں نے اس ہونہار ذہین و فطین باکمال جواں سال عالم شیخ
محمد عبدالحی بن شیخ محمد عبدالحلیم بن ملا محمد امین اللہ انصاری لکھنوی کو ان تمام معقولات و
منقولات کی ان کی قابل اعتماد شرطوں کے ساتھ اجازت دی جن کی روایت میرے
لئے جائز ہے، جس طرح مجھے علمائے محققین کی آخری کڑی اور اولیائے عارفین کے
جانشین علامہ عثمان بن علامہ حسن دمیاطی علیہ الرحمہ نے اجازت دی اور انہیں جامع
ازہر کے اساتذہ نے اجازت دی ۴، اسی طرح میں نے ان اسانید کی اجازت دی
جن کی اجازت مجھے شیخ ابوعلی ارتضائی عمری نے دی ہے جو ”مدارج“ میں مذکور ہیں ۵۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے ہندوستانی معاشرہ کی بااثر و رسوخ ہستیوں کی
تلاش شروع کی، جن میں سرفہرست مولانا رحمت اللہ کیرانوی تھے، لیکن کامیابی کے ساتھ وہ اس شہر سے
نکل آئے جس میں ٹھہرے ہوئے تھے اور انگریزوں نے اس پر دھاوا بولا تھا، وہ سورت پہنچے وہاں
سے مکہ مکرمہ کا قصد کیا، جہاں شیخ زینی دحلان سے ملاقات ہوئی اور ان کے درس میں حاضری دی،
”مدرسہ صولتیہ“ کی بنیاد رکھی، ۱۳۰۸ھ میں انتقال کیا، دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۱۳۶/۸)۔

۲ دو جلدوں میں ”مصر“ سے ۱۲۹۵ھ میں طبع ہوئی۔ ۳ دیکھئے: فہرس الفہارس، (کتانی، ۱۲۵/۱)۔
۴ حسرة الفجول، محمد عبدالباقی، (ص ۷)۔ ۵ ایضاً۔

اور انہوں نے مجھے مسلسلات کی بھی اجازت دی ہے۔

علامہ لکھنوی نے یہ تمام اجازتیں پندرہ سال کی عمر میں حاصل کیں۔

(۲) شیخ علی حریری: یہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے علماء میں شمار ہوتے ہیں، ان کی کتاب ”الأخبار السنیة فی الحروب الصلیبیة“ ۱۳۲۹ھ میں قاہرہ سے طبع ہوئی ہے، علامہ لکھنوی نے ان سے ”دلائل الخیرات“ وغیرہ پڑھی اور انہوں نے علامہ کے لئے اجازت لکھ دی ہے۔

(۳) شیخ عبدالغنی بن ابوسعید بن صفی عمری دہلوی: شعبان ۱۳۳۵ھ دہلی میں پیدا ہوئے، قرآن حفظ کیا، نحو وقواعد اور عربی زبان مولانا حبیب اللہ دہلوی سے پڑھی، پھر فقہ وحدیث پر مکمل توجہ دی اور شیخ عبدالعزیز دہلوی کے پوتے اسحاق بن افضل دہلوی سے حدیث سنی، موطأ محمد بن حسن شیبانی اپنے والد سے پڑھی، مشکاة المصابیح مخصوص اللہ بن رفیع الدین دہلوی سے پڑھی اور طریقت وتصوف میں اپنے والد سے استفادہ کیا، والد ہی کے ساتھ ۱۳۴۹ھ میں حج زیارت کا شرف حاصل کیا ہے، ۱۸۵۷ھ میں جب ہندوستان میں بڑا انقلاب رونما ہوا اور دارالسلطنت پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو وہ ایک قافلے کے ساتھ حجاز چلے گئے تھے، بہت سے علماء نے ان کی روایت ودرایت سے شبانہ روز فائدہ اٹھایا، یہ سلسلہ ۱۳۹۹ھ میں اس وقت تک

۱۔ دیکھئے: ظفر الامانی، لکھنوی (ص ۱۴۷)۔

۲۔ معجم المؤلفین، کمالہ، (۵۸/۸)۔

۳۔ دیکھئے: حسرة العالم، لکھنوی، (ص ۸۸)، حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۱۱)۔

۴۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۹۶/۷)۔

۵۔ دیکھئے: أبجد العلوم، توحی، (۲۶۰/۳)۔

قائم رہا جب مدینہ منورہ میں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔
 حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے ان کے بارے میں لکھا
 ہے: علامہ، حافظ و حجت، اپنے زمانے کے ابوحنیفہ اور امام بخاری ہیں۔
 علامہ عبدالحی حسنی نے لکھا ہے: وہ بڑے عالم، حلیم، زاہد و متقی صادق و امین
 عقیف و محتاط اور مخلص و نیک نیت تھے، علمائے ہند و عرب ان کی توثیق پر متفق
 ہیں۔

ان کے شاگردوں میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور
 مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہم اللہ جیسے اجلہ علماء شامل ہیں، شیخ نے سنن ابن ماجہ کا
 ایک حاشیہ ”إنجاح الحاجة“ کے نام سے تالیف کیا ہے۔
 شیخ عبدالغنی دہلوی سے علامہ لکھنوی کی دو مرتبہ ملاقات ثابت ہے، ایک
 مرتبہ ۱۲۸۰ھ میں جب والد گرامی کے ساتھ حج پر گئے اور والد نے ان سے اجازت
 حاصل کی، مسجد نبوی کے صحن میں انہوں نے اپنے والد کے ساتھ کئی مرتبہ ان کی مجلس
 میں شرکت کی، دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں حج کو گئے تو مدینہ طیبہ میں ۹۳ھ اوائل محرم میں
 ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

شیخ عبدالغنی دہلوی نے ان الفاظ میں اجازت دی: طابہ طیبہ میں ہمارے

۱۔ مقدمہ لامح الدراری شرح صحیح البخاری، شیخ محمد زکریا کاندہلوی، (ص ۶۶)۔

۲۔ ایضاً (ص ۶۵)۔
 ۳۔ نزہۃ الخواطر، (۲۹۷/۷)۔

۴۔ دیکھئے: انوار العارفین، محمد حسین مراد آبادی، ص ۵۰۵، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، ۱۷۹۳، ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، ۱۷۹۶، ۱۷۹۷، ۱۷۹۸، ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ۱۸۱۰، ۱۸۱۱، ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۱۸۲۵، ۱۸۲۶، ۱۸۲۷، ۱۸۲۸، ۱۸۲۹، ۱۸۳۰، ۱۸۳۱، ۱۸۳۲، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، ۱۸۳۷، ۱۸۳۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۰، ۱۸۴۱، ۱۸۴۲، ۱۸۴۳، ۱۸۴۴، ۱۸۴۵، ۱۸۴۶، ۱۸۴۷، ۱۸۴۸، ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱، ۱۸۵۲، ۱۸۵۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۱۸۵۶، ۱۸۵۷، ۱۸۵۸، ۱۸۵۹، ۱۸۶۰، ۱۸۶۱، ۱۸۶۲، ۱۸۶۳، ۱۸۶۴، ۱۸۶۵، ۱۸۶۶، ۱۸۶۷، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، ۱۸۷۰، ۱۸۷۱، ۱۸۷۲، ۱۸۷۳، ۱۸۷۴، ۱۸۷۵، ۱۸۷۶، ۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۴، ۱۸۸۵، ۱۸۸۶، ۱۸۸۷، ۱۸۸۸، ۱۸۸۹، ۱۸۹۰، ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، ۱۸۹۳، ۱۸۹۴، ۱۸۹۵، ۱۸۹۶، ۱۸۹۷، ۱۸۹۸، ۱۸۹۹، ۱۹۰۰، ۱۹۰۱، ۱۹۰۲، ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، ۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۰۹، ۱۹۱۰، ۱۹۱۱، ۱۹۱۲، ۱۹۱۳، ۱۹۱۴، ۱۹۱۵، ۱۹۱۶، ۱۹۱۷، ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، ۱۹۲۰، ۱۹۲۱، ۱۹۲۲، ۱۹۲

پاس مولانا عبدالحلیم کے صاحبزادہ شیخ عبدالحی جو ماہر و باکمال ہیں آئے، اللہ حاسدین کی نظر بد سے ان کی حفاظت فرمائے، انہوں نے مجھ سے علم حدیث، تفسیر اور دیگر علوم جن کی اسانید ”حصر الشارد“ اور ”الیانح الحنی“ میں مذکور ہیں کی اجازت طلب کی، میں نے ان کو اس کا اہل پایا ان جیسے لوگ ان ہی راستوں پر چلتے ہیں، میں نے ان کو ان تمام علوم کی اجازت دی جن کی اجازت مجھے میرے معزز اساتذہ مولانا محمد اسحاق، مولانا مخصوص اللہ بن مولانا رفیع الدین، محدث مدینہ شیخ عابد سندھی، شیخ اسماعیل آفندی اور میرے والد نے دی ہے۔

(۴) شیخ محمد عبداللہ بن علی عثمان بن حمید عامری نجدی حنبلی: مؤرخ و فقیہ تھے، نجد کے شہر ”قصیم“ کے مضافات میں واقع شہر ”عمیرہ“ میں پیدا ہوئے، مکہ مکرمہ، یمن، شام، عراق اور مصر کے اسفار کئے، مکہ مکرمہ میں مفتی حنابلہ کے منصب پر فائز ہوئے، ۱۲۹۵ھ طائف میں انتقال ہوا، تصنیفات میں ”السحب الوابله علی ضرائح الحنابلہ فی تراجم الحنابلہ“، ”حاشیة علی شرح المنتہی“ ”ملخص بغیة الوعاة“ قابل ذکر ہیں ۲، ان سے علامہ لکھنوی حج کے دوسرے سفر ۱۲۹۲ھ میں مکہ مکرمہ میں ملے، لیکن اس وقت اجازت نہ لے سکے، واپسی پر ایک خط لکھ کر اجازت کی درخواست کی، شیخ محمد بن عبداللہ بن حمید نے ان جملوں کے ساتھ ۱۲۹۳ھ میں اجازت لکھی: ”شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جو دعا کے لئے اٹھنے والے ہاتھ خالی نہیں لوٹاتا اور

۱۔ دیکھئے: حسرة الفحول بوفاتہ نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۱۲، ۱۱)، کنز البرکات، محمد بندوی (ص ۱۴) ۲۔ معجم المؤلفین، عمر رضا کمالہ، (۱۰، ۲۲)، دیکھئے: مختصر الحنابلہ، جمیل شطی، (ص ۱۶۱، ۱۶۲)۔

امید لگانے والے کو مایوس نہیں کرتا اور درود و سلام ہو اس رسولِ مصطفیٰ مجتہبی پر جن کا ارشاد ہے ایمان کی سب سے مضبوط کڑی یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے محبت و عداوت روا رکھی جائے۔ اور درود ہو آپ کے خاندان و اصحاب پر اور جوان سے محبت رکھیں، حمد و صلاۃ کے بعد تحریر ہے کہ مخلص، مہربان، محبّ من، علامہ فہامہ، صاحبزادہ مشہور عالم دین مولوی عبدالحمید، علامہ عبدالحی کا والا نامہ آیا جو روشن دماغ، سلیم الطبع، اعلیٰ کردار، معتدل مزاج، اور ہمیشہ تعلیم و تحصیل کا مشغلہ رکھنے والے ہیں، ان کی تالیفات جو پروئے موتیوں کی طرح ہیں، حسن نیت اور طہارتِ باطن کی چمک سے سارے عالم میں شہرت رکھتی ہیں، اللہ ان کی حفاظت فرمائے، عمر دراز کرے اور ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رکھے، اعلیٰ مراتبِ کمال پر فائز کرے، وہ موجودہ زمانے میں خدا کی نشانی اور بنی نوع انسان پر اللہ کا انعام ہیں، گذشتہ سال حج و زیارت کے مبارک موقع پر میری ان سے ملاقات ہوئی، احادیثِ نبویہ کا وہ استحضار، فقہی نصوص کا اس قدر واضح تصور، مختلف علوم و فنون اور منطق و مفہوم میں ان کی تحقیقات و تدقیقات دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، دل کو بڑی شادمانی ہوئی، بادنسیم سے زیادہ سبکِ اخلاق، چمن پر بہار سے زیادہ معطر کردار، سب اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اور وہ بڑا فضل والا ہے، انہوں نے فقیر سے اجازت طلب کی کہ اس کے پاس بھی کچھ علم ہے لیکن ان کو علم نہیں کہ وہ اس کی حقیقت سے نا آشنا ہے، علماء کے پیچھے صف میں ننگے پاؤں چلنے والوں میں ہیں، خدا کی قسم میں اجازت دے جانے کا اہل نہیں، خود اجازت دینا تو درکنار لیکن حقیقتِ حال مخفی رہتی ہے، تانبا سونے جیسا نظر آتا ہے، عزیز

۱۔ اس حدیث کی تخریج ابن ابی شیبہ نے (۲۸۱۱) میں اور سیوطی نے ”در منثور“ میں (۱۷۸۶) کی ہے۔

طالب علم کی درخواست کو رد کرنا جفا ہے، لہذا ان کے تعمیل حکم کی جسارت کی ہے اور اس پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں جس سے نگاہیں تھک کر پلٹ آتی ہیں، بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا کوئی نئی بات نہیں، ادنیٰ سے اجازت لینا معروف ہے، میں نے اپنے بھائی مولوی موصوف کو ان تمام علوم تفسیر، حدیث، اصولین، نحو صرف اور علم معانی وغیرہ کی اجازت دی جن کی روایت میرے لئے جائز ہے اور جو مجھے علمائے اعلام سے حاصل ہوئی جن میں سب سے عظیم المرتبت، مشہور، سنت نبوی کے بڑے تابع، احادیث مرویہ کے بڑے حافظ علامہ محمد بن علی سنوسی حسنی نے مجھ سے حدیث مسلسل بالآ ولیہ بیان کی، وہ ایک مہینے میں صحیح بخاری، ۲۵۰۰ روایتیں صحیح مسلم اور ۲۰۰۰ روایتیں مشکل مقامات پر گفتگو کے ساتھ پڑھتے تھے^۱، اسی طرح میں حفاظ محدثین کی آخری کڑی، امام مفسرین محمد عابد سندھی مقیم مدینہ منورہ متوفی ۱۲۵ھ کی عام اجازت کے ساتھ روایت کرتا ہوں اور بقیۃ السلف محمد بن المسامی الابدل سے بھی روایت کرتا ہوں جن سے میں نے کتب حدیث کی اوائل حدیثیں پڑھیں اور دیگر علماء سے روایت کرتا ہوں۔

علامہ لکھنویؒ کو جو اجازتیں علماء سے حاصل ہوئیں ان کی عبارتوں میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ وسعتِ علم کے اس مقام پر فائز تھے جس نے انہیں علماء کے درمیان ایک عظیم اعتبار بخشا، علماء نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا اور مختلف علوم کی اسانید اجازت کا اہل سمجھا۔

۱۔ حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۸، ۹)، کنز البرکات، بندوی، (ص ۱۵، ۱۶)۔

۲۔ حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۹، ۱۰)، کنز البرکات، بندوی، (ص ۱۶، ۱۷)۔

تلازمه

علامہ لکھنویؒ کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے، خداداد اور غیر معمولی یادداشت، ذہانت اور طبع روشن کی خوبیوں سے محض ۷۱ سال کی عمر میں وہ طالب علمی کے مراحل کو طے کرنے کے معاً بعد درس و تدریس اور تالیف و تصنیف میں مشغول ہو گئے، علمی مقام و مرتبے کے پیش نظر دور دور سے طلبہ اور علماء ان کی خدمت میں استفادہ کرتے، اس طرح علامہ لکھنویؒ تصنیف و تالیف کی مشغولیت کے ساتھ درس و تدریس سے وابستہ رہے، جس کا ثمرہ قیمتی علمی، تحقیقی کتابوں اور طلبہ کی بے شمار تعداد کی صورت میں ظاہر ہوا، یہ طلبہ بعد میں ان علماء کی صف میں شامل ہوئے جنہوں نے علم کی نشر و اشاعت میں بڑا کردار ادا کیا۔

علامہ لکھنویؒ کے اسباق

علامہ لکھنویؒ کو تدریس میں ایک لذت اور کیفیت سرور حاصل ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر درس و تدریس میں منہمک رہتے، ان کے شاگرد رشید محمد حفیظ اللہ جنہوں نے ایک لمبی مدت تک ان سے استفادہ کیا، کا بیان ہے کہ علامہ کو تمام درسی کتابیں از بر یاد تھیں، وہ فرماتے ہیں: علامہ درسی کتابوں کے حافظ تھے، حدیث کی کتابوں کے علاوہ وہ کسی فن کی کتاب میں دیکھتے ہی نہ تھے، صرف حدیث کی کتابیں ہی ان کے سامنے ہوتیں اور وہ ان میں دیکھتے اور سنتے، دو متضاد احادیث کے درمیان تطبیق کی صورت اور بھی دلچسپ ہوتی۔

اسباق پر محیط فضا کی کیفیت کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں: سبق میں اس درجہ متانت و سنجیدگی ہوتی کہ مثال ملنا مشکل ہے، بجا طور سے کہا جاتا ہے کہ وہ تہذیب و شائستگی کا بے پناہ خیال رکھتے تھے، شاگرد خاموش ہوتے اور وہ جو چاہتے تمہید بیان فرماتے پھر طلبہ کو حسب مرضی تنقیح و تنقید کا اختیار ہوتا ہے۔

تدریس کا اصول ہے کہ استاذ کو طلبہ کے لئے شفیق، حلیم و بردبار اور الفت و محبت کا برتاؤ کرنے والا ہونا چاہئے، علامہ لکھنویؒ کے اندر یہ تمام خوبیاں بحصہ وافر موجود تھیں، ذیل کا مباحثہ دیکھیں جو علامہ اور ان کے ایک شاگرد کے درمیان پیش آیا جس سے ایک طرف علم و فہم میں ان کی طویل القامتی ظاہر ہوتی ہے وہیں دوسری طرف حلم و بردباری بھی عیاں ہے۔

علامہ لکھنویؒ نے فرمایا: اس وقت مجھے وہ مکالمہ یاد آ رہا ہے جو خود میرے اور میرے ایک شاگرد کے درمیان پیش آیا، آج سے تقریباً ۸ سال قبل دوران تدریس ہدایہ و دیگر کتب فقہ میں بغیر سند کے مذکور احادیث میں کلام ہوا، میں نے کہا جب تک احادیث کی سند یا اس کی اصل کا علم نہ ہو وہ احادیث معتبر نہیں تو درس میں موجود ایک شاگرد نے اعتراض کیا کہ بغیر سند کے ان کتابوں میں مذکور احادیث مرسل ہوئیں اور مرسل احناف کے یہاں قابل قبول ہے، میں نے کہا مرسل اس حدیث کا نام ہے جس میں تابعی ارسال کرے اور واسطہ نہ بیان کرے شاگرد نے اعتراض کیا کہ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہمارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر ارسال کرنے والے ثقہ ہیں تو تابعین کے بعد کے لوگوں کی مرسل روایات بھی قابل قبول ہیں تو میں

نے کہا مرسل وہ حدیث ہے جس میں راوی حدیث ارسال کرے اور اپنے اور نبی کے درمیان کے واسطے کو بیان نہ کرے، ہر شخص کا محض یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا اب شاگرد کا اعتراض تھا کہ ہم اصطلاح میں غیر صحابی کے قول ”قال رسول اللہ ﷺ“ کو مرسل سے تعبیر کرتے ہیں، بعض احناف و مالکیہ نے اس کی وضاحت کی ہے اور اصطلاح میں کوئی بحث نہیں میں نے کہا فرض کرو اصطلاح میں کوئی بحث نہیں لیکن مصطلحین اس امر پر متفق رائے ہیں کہ قد ہم اصطلاح کو بلا ضرورت بحث کے لئے نہیں بدلا جائے گا، اور مرسل کا یہ مفہوم ائمہ اربعہ میں سے کسی کے یہاں نہیں ملتا تو متاخرین کی ایک جماعت کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، اب شاگرد خاموش ہوا اور اس مسئلے میں دوبارہ گفتگو نہ کی۔

اسباق میں ایک طرف جہاں علمی سنجیدگی اور وقار کا ماحول ہوتا وہیں علامہ موضوع کی وضاحت کے بعد طلبہ کو آزادانہ بحث کی اجازت دیتے تاکہ ان میں مباحثہ اور مناظرے کی صلاحیت پیدا ہو۔

علامہ لکھنوی کا طلبہ کو سند اجازت دینا:

علامہ مدرسہ فرنگی محل کے شاگردوں کو مختلف علوم و فنون کی سند اجازت بھی دیتے تھے، ہم یہاں علامہ لکھنوی کی اس اجازت کا نمونہ پیش کر رہے ہیں، جو انہوں نے اپنے ممتاز شاگرد مولوی محمد حفیظ اللہ بندوی کو علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل سے فراغت کے بعد عطا کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم: تمام خوبیاں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس نے علما کو انبیاء کا وارث بنایا اور ان پر خاص لطف و کرم فرمایا اور تمام شکر و سپاس اس ذات

۱۔ دیکھئے: ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی لکھنوی، (ص ۱۸۹، ۱۹۱)۔

کے لئے ہے جس نے باکمال لوگوں کو عزت اور مرتبہ دیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں نہ ابتدا میں نہ انتہا میں، میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول اور، متقیوں کے سردار ہیں، اللہ آپ پر اور آپ کے اصحاب پر درود و سلام نازل کرے جو امام و پیشوا اور ماہتاب ہدایت ہیں، اُما بعد! فاضل جلیل، ذہین و فطین، روشن دماغ و بالغ نظر، جامع الکمالات و الصفات مولوی ابوالفضل محمد حفیظ اللہ بن شیخ دین علی صاحب بندوی محمد آبادی اعظم گڑھی، اللہ ہر شے سے ان کی حفاظت فرمائے، میری مجالسِ درس میں حاضر ہو کر مستفید ہوئے اور مجھ سے رسمی فنون کی بہت سے درسی کتابیں پڑھیں، مطالعہ، حسنِ مباحثہ، اسرار و رموز کی تنقیح اور لطائف و نکات کی توضیح میں وہ اتنے باکمال ہیں کہ ہم عسروں سے فائق ہوئے اور اس مقام کو حاصل کیا جس کی رسائی سے دوسرے عاجز ہیں، منطق و فلسفہ کی کتابوں میں ”الحواشی الزاہد یہ بر حاشیہ التہذیب والجلالیہ، الحواشی الزاہدیة بر الرسالة القطیبة، حواشی بہاری غلام یحییٰ معروف بہ نور الہدی لجملة لواء الہدی اور حاشیة الزاہدیة کی شرح التحقیقات المرضیہ، محمد اللہ سندیلوی اور قاضی کوپامووی کی شرح سلم، معین الغنائصین فی رد المغالطین، شرح ہدایة الحکمة صدر شیرازی، الشمس البازغہ جونپوری، شرح التصریح، شرح تلخیص الجغمینی، سید جرجانی کی شرح تذکرۃ الطوسی اور طوسی کا رسالۃ الأسطرلاب، علم عقائد و کلام کی کتابوں میں شرح المواقف مع حواشی زاہدیہ، شرح التحرید مع القدیمة الدوانیة اور شرح العقائد العضدیہ، کتب ادب میں المطول اور مقامات الحریری، کتب اصول میں التوضیح والتلویح اور مسلم

الثبوت، کتب تفسیر میں ترجمہ قرآن عظیم، تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی، کتب فقہ میں الهدایۃ اور کتب حدیث میں شرح النخبة، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، موطأ مالک اور شمائل ترمذی وغیرہ پڑھیں، اور تکمیل کے بعد مجھ سے اجازت طلب کی، اگرچہ میں اس کا اہل نہیں کہ ان راستوں پر چلوں لیکن جب میں نے انہیں اجازت دیئے جانے کا اہل سمجھا تو ان کی درخواست قبول کر لی اور کتب حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، معقولات و منقولات کی اجازت دی جن طرح مجھے عظیم المرتبت اساتذہ نے اجازت دی جن میں والد علام مولانا حافظ محمد عبدالحمید (اللہ ان کو دار نعیم میں جگہ دے)، مفتی شوافع شہر مکہ سید احمد دحلان (اللہ ان کی حفاظت فرمائے)، مفتی حنا بلہ مکہ مکرمہ مولانا مرحوم محمد بن عبداللہ بن حمید (اللہ ان پر اپنا مزید کرم فرمائے)، مولانا شیخ عبدالغنی دہلوی شاگرد شیخ عابد سندھی مدنی مؤلف ”حصر الشارد“ وغیرہ قابل ذکر ہیں، جنہوں نے اپنے اساتذہ سے سند اجازت حاصل کی جو ان حضرات کے ورقہ اجازت میں تفصیل سے درج ہے، اور میں نے موصوف کو ”حزب البحر“، ”دلائل الخیرات“ اور ”الحصن الحصین“ وغیرہ کتب اور اد پڑھنے کی اجازت دی، جس طرح مجھے مولانا شیخ علی حریری مدنی اور دیگر اساتذہ نے اجازت دی، میں انہیں تقویٰ اور نیک اعمال کی وصیت کرتا

۱۔ ہندوستان میں علم حدیث تمام اہم بنیادی کتب حدیث کا ملا پڑھنے سے عبارت ہے، جب تک شاگرد تمام کتابیں استاذ کی خدمت میں پڑھ نہیں لیتا، اسے سند اجازت حاصل نہیں ہوتی، یہ طریقہ آج بھی ہندوستان کے دینی اور عربی اداروں اور درسگاہوں میں رائج ہے، دیکھئے: الثقافة الإسلامية فی الہند، عبدالحی حسنی، (ص ۱۴)۔

ہوں کیوں کہ یہی توشنہ سفر آخرت ہے اور جاہلوں اور نادانوں کی طرح اختلافات اور تنازعات سے دور رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ محصلہ کمالات کو ضائع نہ کریں اور بری خصلتوں میں نہ پڑیں، علوم عالیہ کو علوم آلیہ اور علوم آلیہ کو علوم عالیہ نہ بنائیں، اللہ آپ سے مخلوق کو فائدہ پہنچائے اور لطف و کرم کا معاملہ کرے، مجھے ایسی ہی امید ہے جس طرح ایک بھائی کو بھائی سے ہوتی ہے کہ آپ مجھے اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں گے اور میرے لئے حسنِ خاتمہ اور دنیا و آخرت کی بھلائی و کامرانی کی ہمیشہ دعا کریں گے۔

یہ تحریر (امیدوار غفور و درگزر، اللہ اس کے خفی و جلی گناہوں کو معاف فرمائے) عبدالحی لکھنوی نے لکھی بروز جمعرات ۳۰ رجب ۱۳۰۰ھ، فقط۔

اس سند اجازت کے مطالعے سے وہ طریقہ کا رصاف ظاہر ہوتا ہے جسے علامہ لکھنویؒ مرحلہ علیا کے طلبہ کے لئے اختیار فرماتے تھے، ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ علامہ لکھنویؒ، منطق، فقہ، اصول، حدیث وغیرہ مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھاتے تھے، اور اپنے شاگردوں کو علمی اجازت کے ساتھ حسن اخلاق اور عمل کی وصیت بھی کرتے تھے۔

سند اجازت جاری کرنے میں علامہ لکھنوی کی احتیاط:

علامہ لکھنوی طلبہ کو سند اجازت جاری کرنے میں احتیاط برتتے تھے، نااہل طلبہ کو سند جاری نہ کرتے، محمد حفیظ اللہ نے علامہ کے کچھ تلامذہ کے نام ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب وہ تعلیمی مرحلے کی تکمیل سے فارغ ہوئے اور اپنا مقصود حاصل کر لیا

۱۔ کنز البرکات، محمد حفیظ اللہ بندوی، (ص ۲۹-۳۰)۔

تو سند اجازت طلب کی، علامہ نے ان کی استعداد پر دلالت کرتی مختلف عبارتوں کے ذریعہ ان کی صلاحیتوں کی طرف اشارہ فرمایا اور اجازت دی، اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے نااہل کو اجازت دی ہو، وہ لائق شاگردوں ہی کو سند عنایت فرماتے تھے، یہی وجہ ہے کہ بعض نااہل طلبہ نے باصرار سند اجازت طلب کی لیکن انہوں نے عطا نہ فرمائی اور فرمایا اجازت استاذ کی جانب سے استعداد کی دلیل ہوتی ہے اور سلف متقدمین مقصود کے فوت ہونے کے ڈر سے دیانت و امانت کی ادائیگی کے لئے سند اجازت جاری کرتے تھے ورنہ اگر اجازت نااہلوں کے لئے ہو تو وہ اجازت نہیں، لہذا ان طلبہ کو مایوسی ہوئی اور پھر انہوں نے مطالبہ نہ کیا۔

علامہ لکھنوی کے مشہور تلامذہ

اور ان کے مختصر حالات زندگی

(۱) ادریس بن عبدالعلی حنفی نگرامی: نگرام میں ۱۳۷۵ھ میں پیدا ہوئے، والد سے علم حاصل کیا اور فقہ پڑھی، پھر لکھنؤ آئے اور اصول فقہ کی کتاب مسلم الثبوت مولانا عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی سے پڑھی، شیخ فضل الرحمن گنج مراد آبادی محدث اور محدث محمد عبدالرحمن پانی پتی سے حدیث روایت کی ۱۔

علامہ عبدالحی حنفی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نیک، پرہیزگار، بڑے دین دار، خوش اخلاق، نرم مزاج اور تزکیہ نفس میں مشغول رہنے والے، عقیف النفس اور خوددار تھے ۲۔

انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں ان میں چند یہ ہیں، تحفة النبلاء فی آداب الخلاء، القول الموطأ فی تحقیق الصلاة الوسطی، التعليق النقی علی رسالة الشيخ علي المتقي، العون لمن نفي إيمان فرعون، الكلام المسدد فی رواة موطأ محمد وغیرہ ۳، نگرام میں ۱۳۳۰ھ میں انتقال ہوا۔

(۲) افہام اللہ بن انعام اللہ بن ولی اللہ انصاری لکھنوی: ان کا نسب شہید قطب الدین سہالوی تک پہنچتا ہے، لکھنؤ میں ولادت و پرورش ہوئی، مختصر کتابیں شیخ عبدالباسط بن عبدالرزاق لکھنوی سے پڑھیں، پھر علامہ عبدالحی بن عبدالحلیم کی صحبت

۱۔ دیکھئے: تطیب الإخوان بذکر علماء الزمان، محمد ادریس نگرامی، (ص ۱۰۰)۔

۲۔ نزہة الخواطر، (۴۹/۸)۔ ۳۔ نزہة الخواطر، (۴۹/۸)۔

اختیار کی اور ان سے کسب فیض کیا، حدیث شیخ عبدالرزاق سے پڑھی اور بیعت ہوئے پھر لکھنؤ ہی میں ایک عرصہ تک تدریس کی خدمت انجام دے کر دکن کے معروف شہر ”گلبرگہ“ کے ایک مدرسے میں مدرس ہوئے اور ایک عرصہ تلمذ تدریس میں مشغول رہے۔

شیخ محمد عبدالباری کہتے ہیں: وہ علوم عقلیہ اور فنون نقلیہ کے جامع و ماہر تھے، بے شمار لوگوں نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، مورخ عبداللحی حسنی کہتے ہیں کہ وہ اصول و کلام کے ماہر تھے۔

انہوں نے کئی رسالے لکھے جن میں چند یہ ہیں (۱) رسالۃ فی تحقیق الروح (۲) رسالۃ فی المعراج (۳) حاشیۃ شرح العقائد النسفیۃ اور حاشیۃ علی حاشیۃ الخیالی وغیرہ۔

”نزہۃ الخواطر“ کے مطابق ان کا انتقال ۱۲۱۶ھ میں اور ”آثار الأول“ کے مطابق ۱۳۱۶ھ میں ہوا، نزہۃ الخواطر کا بیان یا تو طباعت کی غلطی ہے یا تحریف۔

(۳) انوار اللہ بن شجاع الدین بن القاضی سراج الدین عمری حسنی: ۱۲۶۳ھ میں دکن کے ضلع ناندریٹ کے گاؤں ”قندھار“ میں پیدا ہوئے، اولاً شیخ عبدالجلیم انصاری لکھنوی سے پڑھا، حج و زیارت کے موقع پر شیخ امداد اللہ مہاجر کی سے بیعت ہوئے اور سند اجازت حاصل کی، وہ عزت مآب والی دکن محبوب علی خان اور ولی عہد امیر عثمان علی خان کے استاذ ہیں۔

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۶۴/۸)۔ ۲۔ آثار الاول، محمد قیام الدین، (ص ۹)۔
 ۳۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۶۴/۸)۔ ۴۔ آثار الاول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۱۰)۔
 ۵۔ دیکھئے: قاموس المشاہیر، نظامی بدایونی، (۱۱۳/۱)۔

علامہ عبدالحی حسنی ان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: وہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں یکتائے روزگار تھے، بڑے عبادت گزار، ہمیشہ تدریس میں مشغول رہنے والے، مذاکرہ و مباحثہ اور مطالعہ کے دلدادہ، اہل بدعت اور قبیح ہوائی لوگوں پر شدید تکمیر کرنے والے تھے، حیدرآباد میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی، تالیف و تصنیف اور نشر و اشاعت کے لیے ایک علمی اکیڈمی قائم کی۔^۱

اردو اور عربی میں ان کی کئی کتابیں ہیں، ان میں چند یہ ہیں: إفادة الأفهام في الرد على القادياني، مناقب أبي حنيفة، أنوار أحمد في مولد النبي ﷺ وغيرہ، ۱۳۳۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۴) سید امین بن طہ بن زین حسنی حسینی نصیر آبادی: رائے بریلی کے ایک قصبہ نصیر آباد میں ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش ہوئی وہیں اور سن رشد کو پہنچے، پھر لکھنؤ کا سفر کیا اور تمام درسی کتابیں علامہ عبدالحی لکھنوی سے پڑھیں، سہارنپور بھی تشریف لے گئے اور شیخ محدث احمد بن لطف اللہ سہارنپوری سے حدیث پڑھی، رائے بریلی لوٹے اور شیخ ضیاء النبی بن سعید الدین حسنی کے دامن فیض سے وابستہ ہو کر طریقت و تصوف حاصل کیا پھر حجاز کا سفر کر کے حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور حریم شریفین کے اساتذہ سے حدیث روایت کی، ہندوستان واپس ہوئے اور تدریس و تعلیم اور ارشاد و تذکیر کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔^۲

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے ان کے بارے میں لکھا ہے: وہ پرتاپ گڑھ، سلطانیپور، اعظم گڑھ اور جوئیپور کے قصبوں میں گشت کرتے، لاتعداد خلقت نے ان

۱۔ نزہۃ الخواطر، (۸۰/۸)۔
۲۔ دیکھئے: یادگار سلف، نجم الدین اصلاحی، (ص ۲۰)۔

سے فیض اٹھایا جس سے مخلوق خدا کے حالات بہتر ہوئے اور لوگ بدعات، جاہلی اور بت پرستانہ رسوم سے تائب ہوئے ۱۔

انہیں بے شمار احادیث یاد تھیں، ایک مرتبہ ان کے شاگرد عبدالخالق نے اپنے ایک ہم سبق کے ساتھ استاذ کی ان تمام احادیث کو جمع کرنے کا عزم کیا جنہیں وہ اپنی تقریر و وعظ کے دوران پڑھتے تھے، کئی سالوں کی مسلسل محنت کے بعد تین ہزار اور ایک قول کے مطابق چھ ہزار غیر مکرر احادیث جمع کی گئیں، پھر بھی یہ کام مشہد تکمیل رہا ۲۔

انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں جیسے تفسیر سورة البقرة، مجموعة الأحادیث اور الأسوة الحسنة فيما ثبتت بالسننة وغيره، ۱۳۴۹ھ میں انتقال ہوا اور نصیر آباد میں مدفون ہوئے۔

(۵) بدیع الزماں بن مسیح الزماں نور محمد لکھنوی: ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے، علامہ عبدالحی لکھنوی اور دیگر علماء سے اکتساب علم کے بعد حج و زیارت کا شرف حاصل کیا، شیخ محمد بن عبدالرحمن سہارنپوری مہاجر سے حدیث پڑھی، ہندوستان لوٹے تو نواب صدیق حسن خان نے تعلیمی افادہ عام کے لیے بھوپال بلا لیا۔

وہ تقلید کی تردید کرنے میں مشہور تھے، طبیعت میں تیزی تھی جو مخالفین اور خصوصاً احناف سے مباحثے کے وقت نمایاں ہوتی، کئی کتابیں لکھیں، جیسے اردو زبان میں جامع ترمذی کا ترجمہ، فتح المنان فی لغات القرآن اور مرآة الإیقان فی قصص القرآن وغیرہ، وفات ۱۳۰۴ھ میں ہوئی ۳۔

۱۔ نزہۃ الخواطر، (۷۷/۸)۔

۲۔ یادگار سلف، نجم الدین اصلاحی، (ص ۴۴)۔

۳۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۹۰/۸)، تراجم علماء الحدیث فی الہند، امام ابویحییٰ، (ص ۵۲۵)۔

(۶) **ابوالفضل حفیظ اللہ بن دین علی بندوی**: اعظم گڑھ کے ایک گاؤں ”بندی“ میں پیدا ہوئے یہیں پرورش ہوئی، غازی پور کا سفر کیا اور مولانا عبداللہ غازی پوری اور دیگر علماء سے دولتِ علم حاصل کی، لکھنؤ آئے اور علامہ عبداللہ لکھنویؒ کے خاص شاگرد ہوئے علامہ سے معقولات و منقولات اور فروع و اصول کی کتب پڑھیں، شیخ نذیر حسین دہلوی سے حدیث حاصل کی، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بھی وقت گزارا، حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، برطانوی حکومت نے ”شمس العلماء“ کا لقب دیا۔

مؤرخ علامہ عبداللہ حسنی ان کے بارے میں کہتے ہیں: معقولات و منقولات اور معرفتِ حدیث میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی مقتضائے ظاہر پر عمل کو پسند کرتے اور اہل حدیث کی حمایت کرتے تھے^۱، ان کی مشہور کتابوں میں ”کنز البرکات فی سیرۃ مولانا ابی الحسنات“ کافی اہم ہے، ۱۳۶۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۷) **شیر علی بن رحم علی بن انوار حسینی حیدر آبادی**: پنجاب کے ایک گاؤں ”ترکیا واس“ میں پیدا ہوئے، شہر کے علماء سے علم حاصل کیا، مزید تحصیل علم کے لئے احمد آباد، سورت، دہلی، لکھنؤ، اور جونپور کے اسفار کئے، علامہ عبداللہ لکھنویؒ کے حلقہ شاگرداں میں شامل ہوئے، ہندوستان کے مختلف مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، حکومت آصفیہ کے وزیر نواب وقار الامراء نے اپنے صاحبزادہ سلطان الملک کا اتالیق مقرر کیا، پھر جب عثمانیہ یونیورسٹی کی بنیاد پڑی تو اس کے صدر شعبہ دینیات مقرر ہوئے، مؤرخ علامہ عبداللہ حسنی ان الفاظ میں ان کا وصف بیان کرتے

۱۔ دیکھئے: تراجم علماء الحدیث فی الہند، امام ابو یوسفی، (ص ۳۹۵) تطیب الإخوان، گرامی (ص ۲۳)۔

۲۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۱۲۳۸)۔

ہیں: وہ کبار فضلاء میں سے ہیں، فنونِ ریاضیہ میں آپ کا قابلِ لحاظ حصہ ہے، تدریس میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں ۱۔، وفات ۱۳۵۴ھ میں ہوئی۔

(۸) **ظہور الاسلام بن حسن علی حسینی کاظمی نیشاپوری فتح پوری:** ضلع رائے بریلی کے قصبہ دلمنو میں پیدا ہوئے، درسی کتابیں مفتی محمد لطف اللہ کوٹلی اور حدیث و دیگر فنون کی کتابیں علامہ عبدالحی لکھنوی سے پڑھیں، حدیث قاری عبدالرحمن پانی پتی اور علامہ فضل الرحمن مراد آبادی سے روایت کی، فتح پور میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا اور اس میں ایک مدت تک تدریسی خدمات انجام دیں ۲۔

مؤرخ علامہ عبدالحی لکھتے ہیں: وہ علم ظاہر و باطن کے جامع، بہت متواضع، منکسر المزاج، بڑے محسن، جذبہٴ ایثار کی مثال اور خوش اخلاق تھے، تہجد و نوافل کا اہتمام رکھتے، جماعت کی پابندی فرماتے، حج و زیارت سے شرف یاب ہوئے، کثرت سے عوام الناس ان کی مجالس اور صحبت سے مستفید ہوئے، انہوں نے بہت سے ہندوسربر آوردہ لوگوں کے دلوں میں بھی ایمان و اسلام کی محبت کا بیج بویا، متعدد معزز ہندو خاندان ان کی دعوت سے متاثر ہو کر بت پرستی سے تائب ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے ۳۔، وفات شہر فتح پور میں ۱۳۲۹ھ میں ہوئی۔

(۹) **ظہیر احسن بن سبحان علی حنفی نیموی عظیم آبادی:** کنیت ابوالخیر، ظہیر احسن کے نام سے مشہور ہیں، شوقِ تخلص ہے ۴۔، عظیم آباد کے ایک گاؤں ”نیمی“ میں پیدا ہوئے،

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (ص ۱۸۲/۸)، قاموس المشاہیر، بدایونی (ص ۲۰۰)۔

۲۔ دیکھئے: تطیب الإخوان، نگرانی (ص ۳۴)۔ ۳۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (ص ۲۰۵/۸)۔

۴۔ دیکھئے: آثار السنن، نیموی، (ص ۱۲۷)۔

بچپن ہی سے طلب علم کا چرکا لگا لکھنؤ کا سفر کیا اور علامہ عبدالحی لکھنوی اور دیگر علماء سے پڑھا، شیخ امام فضل الرحمن بن اہل اللہ مراد آبادی سے بیعت ہوئے، عرصہ تک شاعری کرتے رہے، پھر اللہ سبحانہ نے انہیں خدمتِ حدیث شریف کی توفیق دی، ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ سر پر نبی کریم ﷺ کا جنازہ اٹھائے ہوئے ہیں، اس خواب کی تعبیر یہ نکالی گئی کہ وہ علم رسول کے حامل ہوں گے، چنانچہ انہوں نے خدمتِ حدیث کے لئے عزم کیا اور خود کو حدیث شریف کے لئے وقف کر دیا۔

نیوی بڑے ذی علم، نہایت بردبار، وسیع النظر، بلند مرتبہ اور کثیر المعلومات تھے، امام وقت اور مذہبِ احناف کے مقلد تھے ۲۔

کئی کتابیں تصنیف کیں، ان میں چند یہ ہیں: آثار السنن، التعلیق الحسن علی آثار السنن، تعلیق التعلیق (جو اس حاشیہ پر حاشیہ ہے)، الحبل المتین، أو شحة الجید فی تحقیق الاجتہاد والتقلید اور جلاء العینین فی رفع الیدین، ان میں آثار السنن مذہبِ احناف کی وہ پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے جو فقہی کتابوں کے طرز پر احادیث کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہے ۳۔ ”نیوی“ نے ”آثار السنن“ کے مقدمے میں لکھا ہے: یہ وہ احادیث و آثار اور روایات و اخبار ہیں جنہیں میں نے صحاح، سنن، معاجم اور مسانید سے منتخب کیا ہے اور ان احادیث کی نسبت ان کی تخریج کرنے والوں کی طرف کی ہے، اور اسانید نہ ذکر کر کے تطویل سے بچنے کی کوشش کی ہے ۴۔

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۰۶/۸)۔ ۲۔ دیکھئے: آثار السنن، نیوی، (ص ۱۲۸)۔

۳۔ مجلہ رفیق، جنوری ۱۹۸۳ء (ص ۳۲) مقام اشاعت: ہندوستان۔

۴۔ آثار السنن، نیوی، (ص ۲)۔

مورخ علامہ عبداللحی حسنیؒ اچھے الفاظ میں ان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: وہ حدیث و رجال، نقد حدیث، علل الحدیث اور طبقات الحدیث کی گہری واقفیت اور اس فن میں دقیق النظری رکھتے تھے، ان کی کتاب ”آثار السنن“ درجہ قبولیت سے سرفراز ہوئی اور محدثین نے اس میں دلچسپی لی ۱۔، انتقال ۱۳۲۵ھ میں ہوا۔

(۱۰) عبدالباری بن تطف حسین بن روشن علی بن حسین علی بکری عظیم آبادی: ”نکر نہسہ“ میں پیدا ہوئے، علامہ عبداللحی لکھنویؒ، بشیر الدین قنوجی اور محدث نذیر حسین دہلوی کے شاگردوں میں شامل ہوئے، علوم طب شیخ عبدالعلی بن ابراہیم لکھنوی سے حاصل کیے ۲۔

مورخ عبداللحی حسنی نے ان کے بارے میں لکھا ہے: وہ ذہین و فطین، اعلیٰ دماغ، عمدہ طبیعت کے مالک اور یادداشت کی بے پناہ صلاحیتوں کے حامل تھے، علوم حکمت میں اپنے معاصرین سے فائق ہوئے ۳۔، انتقال ۱۳۱۸ھ میں ہوا۔

(۱۱) عبدالباقی بن علی محمد بن محمد معین بن ملا محمد مبین انصاری لکھنوی: ۱۲۸۶ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، صرف و نحو عبداللحی بن عبدالحلیم لکھنوی سے پڑھی، بعض کتابیں مولانا حفیظ اللہ بندوی اور مولانا عین القضاة حیدرآبادی سے پڑھیں، طریقت و تصوف میں شیخ عبدالرزاق لکھنوی کے دامن سے وابستہ ہوئے ۴۔

کئی مرتبہ حرمین کے سفر کی سعادت حاصل ہوئی اور مولانا عبدالرزاق اور

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۰۷/۸)۔

۲۔ دیکھئے: تطیب الاخوان، نگرانی (ص ۳۶)۔ ۳۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۱۳/۸)۔

۴۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۱۷/۸)۔

دیگر اساتذہ عرب سے احادیث کی سندیں لیں، ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے، مسجد نبویؐ میں درس دیا۔

کئی کتابیں تالیف کیں ان میں خاص یہ ہیں: حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، رسالة في مبحث الغناء، رسالة في تحقيق علم الغيب اور حاشية نور الإيضاح وغيره له۔

انتقال ۱۳۶۴ھ بم ۸ رسال مدینہ منورہ میں ہوا۔

(۱۲) عبدالجلیم بن اسماعیل بن حسین بن امام الدین ویلوری، مدرسی ابواسماعیل: شہر ”ویلور“ میں ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے یہیں پرورش پائی، علمائے شہر سے علم حاصل کیا پھر حیدرآباد کا سفر کیا اور علامہ عبداللحی لکھنوی سے قیام حیدرآباد کے زمانے میں درسی کتابیں پڑھیں، جاز کا سفر کر کے حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور علمائے حریمین سے اجازت حدیث حاصل کی، مؤرخ علامہ عبداللحی حسنی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ ایک بلند پایہ عالم تھے، عربی زبان و ادب میں رسوخ و مہارت حاصل تھی، انشاء پرداز میں بے پناہ صلاحیت اور کلامی مسائل کے رمز آشنا تھے ۲، ۱۳۳۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۳) عبدالجلیم بن تفضل حسین بن محمد بن نظام الدین عباسی لکھنوی: شاعری میں شرر کے تخلص سے مشہور ہوئے، لکھنؤ میں ۱۳۷۶ھ میں پیدا ہوئے، اپنے والد اور علامہ عبداللحی لکھنوی سے علم حاصل کیا، پھر دہلی کے لئے رخت سفر باندھا اور

۱۔ آثار الاول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۴۲)۔

۲۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۲۲۴/۸)، قاموس المشاہیر، بدایونی، (۱۰۹/۲)۔

سید محدث نذیر حسین حسینی دہلوی سے حدیث شریف کی اجازت لی۔^۱
 لکھنؤ واپسی پر اپنے صرف خاص سے ایک ہفت روزہ اخبار ”المشتر“ جاری کیا
 اور دوسرا اخبار ”المہذب“ کے نام سے نکالا، کچھ دنوں کے بعد ”دل گداز“ کے نام سے
 ایک ماہنامہ مجلہ جاری کیا، ان کونواں وقار الامراء وزیر الدولہ نے اپنے بیٹے کے ہمراہ
 ۱۳۱۵ھ میں انگلینڈ بھیجا، دو سال رہ کر وہاں انہوں نے انگریزی سیکھی۔^۲

عبدالحمید شہرکی کتابوں کی فہرست طویل ہے، ان میں تاریخ سندھ، تاریخ ارض
 مقدس اور سیرۃ سیکنہ بنت الحسین وغیرہ قابل ذکر ہیں، ابوبیگی امام نے لکھا ہے کہ انہوں
 نے تقریباً ۴۰ کتابیں سیر و تاریخ کے موضوع پر تالیف کیں،^۳ وفات ۱۳۲۵ھ میں ہوئی۔
 (۱۴) عبدالحمید بن عبدالکریم بن قربان قنبر بن تاج علی انصاری فراہی اعظمی
 معروف بہ حمید الدین فراہی: اعظم گڑھ کے ایک موضع ”پھر بہا“ میں ۱۲۸۰ھ میں پیدا
 ہوئے، مولوی محمد مہدی اور علامہ شبلی نعمانی سے علم حاصل کیا، پھر لکھنؤ کا سفر کیا اور علامہ
 عبداللحی لکھنوی اور شیخ فضل اللہ بن نعمت اللہ کی شاگردی اختیار کی، لاہور میں مولانا فیض
 الحسن سہارنپوری سے ادب پڑھا، کئی مدرسوں میں تدریس کی خدمت انجام دی، اور ”مدرستہ
 الاصلاح“ کے نام سے ایک اسلامی مدرسہ قائم کیا۔^۴

مورخ علامہ عبداللحی حسینی کہتے ہیں: وہ قد آور علماء میں سے ہیں، علوم ادب
 سے ان کو کامل واقفیت ہے، انشاء پر دازی پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں، زاہد، عفیف اور
 خوددار ہیں، علوم عربیہ اور فنون بلاغت میں یدِ طولیٰ کے مالک ہیں، جاہلی شعراء کے

^۱ دیکھئے: یاد رفتگان، علامہ سید سلیمان ندوی، (ص ۷۵)، قاموس المشاہیر، بدایونی، (ص ۵۸)۔

^۲ نزہۃ الخواطر، (۲۲۵/۸)۔^۳ تراجم علماء الحدیث فی الہند، ابوبیگی امام خان، (ص ۵۴۰)۔

^۴ دیکھئے: تذکرہ علماء اعظم گڑھ، حبیب الرحمن قاسمی، (ص ۷۹-۸۶)، یاد رفتگان، سید سلیمان ندوی، (ص ۱۱۰)۔

اشعار پر دستگاہ حاصل ہے، سابقہ صحیفوں کی وسیع معلومات، یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے اچھی طرح واقف اور قرآن میں تدبر و تفکر اور قرآنی مفاہیم و مطالب و اسالیب کے غواص ہیں، ان کا خیال ہے کہ قرآن مرتب و منسق نظام رکھتا ہے، چنانچہ وہ ربط آیات کے ماہر ہیں، اور اپنی تفسیر ”نظام القرآن“ کی بناء اسی پر رکھی ہے۔

علامہ فراہی نے بہت سی کتابیں لکھیں جیسے الإمعان فی أقسام القرآن، الرأى الصحيح فیمن هو الذبیح، أسالیب القرآن اور مفردات القرآن وغیرہ، وفات شہر ”متھرا“ میں ۱۳۴۹ھ میں ہوئی اور یہیں تدفین ہوئی۔

(۱۵) عبدالعزیز بن عبدالرحیم بن عبدالسلام انصاری لکھنوی: درسی کتابیں علامہ عبدالحی لکھنوی اور ملا علی رزاق وغیرہ سے پڑھیں اور لکھنؤ کے انگلش میڈیم کانونٹ اسکول میں استاذ مقرر ہوئے۔

مولانا عبدالعزیز نے کئی کتابیں لکھی ہیں، جیسے تعلیقات علی تخریج الھدایۃ الزلیعی اور حاشیہ علی المجلد الرابع من شرح الوقایۃ، وفات ۱۳۳۸ھ میں ہوئی۔

(۱۶) عبدالعلی بن ابراہیم بن یعقوب حنفی لکھنوی: لکھنؤ میں پیدا ہوئے یہیں پروان چڑھے، حفظ قرآن کریم کے بعد طلب علم میں مشغول ہوئے اور علامہ عبدالحی لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل کیا، طبی کتابیں اپنے والد اور دادا سے پڑھیں اور علم طب میں معاصرین سے فائق ہوئے۔

بہت سے نوابوں اور حکام جیسے نواب کلب علی خان راجپوری، نواب واجد علی

۱۔ نزہۃ الخواطر، (۲۲۹/۸)۔

۲۔ آثار الاول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۱۸)، نزہۃ الخواطر، (۲۵۸/۸)۔

شاہ لکھنوی اور بیگم بھوپال شاہ جہاں بیگم کا علاج کیا۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ حسین و جمیل، کچھ شمیم، ہشاش بشاش، متواضع و خاکسار اور مساکین و فقرا کے بڑے ہمدرد و نمگسار تھے، وفات ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔

(۱۷) **عبدالعلی بن مصطفیٰ حنفی مدرسی لکھنوی:** ”چتوڑ“ میں پیدا ہوئے، عنفوان شباب کا زمانہ تھا جب لکھنؤ آئے مولانا الہی بخش فیض آبادی اور علامہ عبدالحی لکھنوی سے درسی کتابیں پڑھیں، علامہ عبدالحی حسنی نے انہیں نحو و بلاغت کے باکمال علماء میں شمار کیا ہے۔

ان کی کئی کتابیں ہیں، جیسے التبصرة النظامية في الرؤوس الثمانية،

میزان اللسان اور تنبیہ الوہابین۔

انہوں نے لکھنؤ میں ایک مطبع قائم کیا جس نے عربی اور دینی کتابوں کی

نشر و اشاعت میں بڑا کردار ادا کیا، ۱۳۲۷ھ میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

(۱۸) **عبدالغفور رمضان پوری:** یہ ”مونگیر“ کے ”رمضان پور“ نام کے گاؤں میں پیدا ہوئے، مولوی اسماعیل رمضان پوری اور شیخ محمد احسن گیلانی سے علم حاصل کیا، پھر علامہ عبدالحی لکھنوی کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوئے، حدیث محدث احمد علی سہارنپوری سے حاصل کی، علامہ عبدالحی حسنی نے انہیں شیخ عالم، فقیہ و محدث کے اوصاف سے متصف کیا ہے۔

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۶۰/۸)۔ ۲۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۶۵/۸)۔

۳۔ دیکھئے: تطیب الإخوان، نگرانی، (ص ۴۶)۔ ۴۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۷۱/۸)۔

انہوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں الإسعاف حاشیة الإنصاف، مفید الأحناف فی بحث السلام اور رسالة فی سجود السهو، قابل ذکر ہیں۔^۱،
۱۳۲۸ء میں دنیائے فانی کو الوداع کہا۔

(۱۹) **عبداللہ بن ہمت علی چاند پاری:** اعظم گڑھ کے ”چاند پار“ گاؤں میں پیدا ہوئے، سلامت اللہ جیراج پوری، مولانا شکر اللہ صبر حدی اور دیگر علماء سے علم حاصل کرنے کے بعد علامہ عبدالحی لکھنوی کے خوشہ چینیوں میں شامل ہوئے۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی ان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ بڑے ذہین، سربلغ الفہم اور قوی الحافظ شخص تھے۔ ۱۳۲۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔^۲

(۲۰) **عبدالجمید بن عبدالحلیم بن عبدالحکیم بن عبدالرب بن بحر العلوم عبدالعلی انصاری:** لکھنؤ میں ولادت اور پرورش ہوئی، اپنے چچا محمد نعیم سے علم حاصل کیا اور علامہ عبدالحی لکھنوی کی صحبت میں رہے، علامہ کی وفات کے بعد ان کے شاگرد عین القضاة حیدرآبادی سے وابستہ ہو کر علمی کمالات حاصل کیے، حج و زیارت کی سعادت سے شرف یاب ہوئے۔

علامہ عبدالحی حسنی رقم طراز ہیں: ان کو فقہ و اصول کا کامل علم تھا، ”برطانوی حکومت“ نے ”شمس العلماء“ کا خطاب دیا، ۱۳۴۰ھ میں سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے۔

۱۔ دیکھئے: مجلہ رنیتق، (ص ۷۷)۔

۲۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۹۷/۸)، تذکرہ علماء اعظم گڑھ، حبیب الرحمن قاسمی، (ص ۱۹۹)۔

۳۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۳۰۹/۸)، احوال علماء فرنگی محل، شیخ الطاف الرحمن، (ص ۶۸)۔

(۲۱) عبدالوہاب بن احسان علی سریندوی بہوری: بہار کے ”سریندہ“ نامی گاؤں میں پیدا ہوئے، شہر کے علماء سے علم حاصل کیا پھر لکھنؤ آ کر علامہ عبدالحی لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، کئی مدرسوں میں فریضہ تدریس ادا کیا، منطق و حکمت میں ماہر و باکمال تھے، علمی کارناموں میں ہدایۃ الحکمة، الصحیفة الملکوئیة اور حاشیة علی میر زاہد شامل ہیں، ۱۳۳۵ھ میں وفات پائی ۱۔

(۲۲) عثمان بن اشرف علی حنفی: اعظم گڑھ کے ”کوہنڈہ“ گاؤں میں ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے، علمائے شہر سے علم حاصل کیا پھر لکھنؤ کا سفر کر کے علامہ عبدالحی لکھنوی کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے اور قصبہ ”کاکوری“ میں بہت دنوں تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

علمی کارناموں میں تخریج الجواهر العبقریة من الذخیرة الإسکندریة اور الصواعق المشتعلة علی تنبیہ الجہلۃ ۲ وغیرہ ہیں۔

(۲۳) عین القضاة بن محمد وزیر بن محمد جعفر حسینی نقشبندی: ۱۲۷۴ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۲۷۵ھ میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے، شہر کے علماء سے علم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کا سفر کیا اور علامہ لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور عرصہ تک ان کی خدمت میں رہے پھر سورت کا سفر کیا وہاں شیخ موسیٰ جی ترکیسری سے وابستہ رہ کر طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا، لکھنؤ واپس آئے اور اپنے استاذ علامہ عبدالحی لکھنوی کے گھر پر قیام کر کے درس و تدریس میں مشغول ہوئے ۳۔

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۳۱۶/۸)۔

۲۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۳۱۹/۸)، تذکرہ علماء اعظم گڑھ، (ص ۲۵۰)۔

۳۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۳۳۸/۸)، تطیب الاخوان، نگرانی، (ص ۶۲)۔

کئی بار حج و زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، ان کے والد نے حفظ و تجوید و تعلیم قرآن کے لئے ”مدرسہ فرقانیہ“ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، اس کا انتظام بھی یہی سنبھالتے تھے ۱۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے ان کو مشہور علمائے افاضل میں شمار کیا ہے ۲۔
وفات ۱۳۴۳ھ میں ہوئی۔

(۲۴) فتح محمد حنفی لکھنوی: ان کے والد بت پرست اور والدہ مسلمان تھیں ۳، ماں کے دین پر پرورش پائی، سن بلوغ کو پہنچے تو علامہ عبدالحی لکھنوی سے فقہ، اصول، کلام اور حدیث وغیرہ علوم حاصل کئے، پھر درس و افادہ میں مشغول ہوئے اور لکھنؤ میں ”مدرسہ رفاہ المسلمین“ کی بنیاد رکھی ۴۔

کئی کتابیں تصنیف کیں ان میں چند یہ ہیں: ”خلاصۃ التفاسیر“، ”کتاب تطہیر الأموال“ اور ”القول السدید فی اثبات التقلید“ وغیرہ ۵،
۱۳۲۷ھ میں انتقال فرمایا۔

(۲۵) قادر بخش بن حسن علی حنفی سہسوانی: سہسوان میں ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے علماء شہر سے علم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کا سفر اختیار کر کے علامہ عبدالحی لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت سی کتابیں پڑھیں، دیگر علماء سے بھی استفادہ کیا، حج کے سفر پر نکلے اور شیخ احمد بن زینی دحلان مکی اور شیخ حبیب الرحمن ردولوی سے حدیث

۱۔ دیکھئے: تطیب الاخوان، گرامی، (ص ۶۲)، قاموس المشاہیر، بڈایونی، (۱۰۵۲)۔

۲۔ نزہۃ الخواطر (۳۳۸/۸)۔ ۳۔ ممکن ہے اس کا سبب ہندوستانی مسلمانوں کا دین کے بنیادی

احکامات سے عدم واقفیت ہو، اس طرح کا واقعہ شواذ کے ذیل میں آئے گا۔

۴۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر (۳۵۳/۸)۔ ۵۔ دیکھئے: تطیب الاخوان، گرامی، (ص ۶۲)۔

روایت کی، ہندوستان آ کر وعظ و تدریس میں لگ گئے۔

ان کی کئی کتابیں ہیں جن میں بعض کے نام یہ ہیں: التقرير المعقول في فضل الصحابة وأهل بيت الرسول، غاية المنال في رؤية الهلال، جور الأشقياء على ربحانة سيد الأنبياء^۱، انتقال ۱۳۳۷ھ میں ہوا۔

(۲۶) محمد حسین بن احمد حسن بن محمد حسنی حسینی نصیر آبادی: چچیرے دادا سید خواجہ احمد نصیر آبادی کے گھر پیدا ہوئے اور پروان چڑھے، سید خواجہ احمد نصیر آبادی اور اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ میں علامہ عبدالحی کی خدمت میں حاضر ہوئے، حکیم مظفر حسین لکھنوی سے علم طب پڑھا، بھوپال کا سفر کیا اور سید صدیق حسن خان قنوجی کے خاندان میں شادی کر کے وہیں سکونت اختیار کر لی۔

مورخ علامہ عبدالحی حسنی^۲ کہتے ہیں: وہ فقہ، اصول اور عربیت میں صاحب فضل و کمال تھے، سخی اور فیاض تھے، درس و تدریس اور وعظ و تذکیر میں مصروف رہتے تھے۔

ان کا انتقال ۱۳۰۳ھ بھوپال میں ہوا۔

(۲۷) محمد حسین بن تفضل حسین عمری الہ آبادی: پیدائش و پرورش الہ آباد میں ہوئی، لکھنؤ آ کر علامہ عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی^۳ سے درسی کتابیں اور حکیم مظفر حسین لکھنوی سے علم طب پڑھا، پھر الہ آباد آئے اور درس و افادے کی مجلس سجائی، حج و زیارت سے مشرف ہوئے، حدیث کی روایت شیخ احمد بن زینی دحلان شافعی مکی سے کی اور طریقت و تصوف شیخ امداد اللہ مہاجر کی^۴ سے حاصل کیا۔

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۷۰/۸)، تطیب الإخوان، گرامی، (ص ۶۷)۔

۲۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر (۴۲۲/۸)، کنز البرکات فی سیرۃ ابی الحسنات، بندوی، (ص ۲۹)۔

۳۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۴۲۶، ۴۲۶/۸، ۴۲۶، ۴۲۶/۸)، تطیب الإخوان، گرامی، (ص ۷۷)۔

کئی کتابیں تالیف کیں، جیسے ہادی الأمم إلى أرض الحرم اور شرح میزان البلاغة ۱، ۳۲۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۸) محمد سلیمان بن داود بن وعظ اللہ بن محبوب پھلواری: پھلواری شریف میں نانا شیخ اصطفیٰ عمری کے گھر ۶۱۲ھ کو پیدا ہوئے، نانا ہی کے زیر سایہ پرورش اور تربیت پائی، علمائے شہر سے علم حاصل کیا پھر لکھنؤ آ کر علامہ عبدالحی لکھنوی کے شاگرد ہوئے، دہلی کا سفر کیا اور محدث نذیر حسین دہلوی سے علم حاصل کیا شیخ احمد علی حنفی سہارنپوری اور شیخ فضل الرحمن گنج مراد آبادی سے بھی احادیث کی روایت کی ۲۔

علامہ عبدالحی حنفی تحریر کرتے ہیں: وہ انتہائی ذہین، حاضر جواب، ظریف، بذلہ سنج، عربی نظم و نثر میں موزوں طبیعت کے مالک، اختلافی مسالک اور عقیدے میں توسع پسند اور اعتزال و معتزلین کے سخت نکتہ چیں تھے ۳، انہوں نے کئی کتابیں لکھیں جیسے شجرة السعادة و سلسلة الكرامة في أنساب الصوفية، شرح الحديث المسلسل، عربی اور فارسی میں اشعار بھی کہتے تھے، ۳۵۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۹) محمد عبدالاحد بن امام علی الہ آبادی: الہ آباد کے قصبہ ”پھاپھامو“ کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے اپنے شہر کے علماء سے علم حاصل کیا پھر لکھنؤ آ کر علامہ عبدالحی لکھنوی کے شاگرد ہوئے اور فرنگی محل میں پڑھا، عقلی علوم میں ماہر تھے، جوانی ہی میں ۱۳۱۵ھ میں وفات پائی ۴۔

۱۔ دیکھئے: تذکرہ علماء ہند، رحمان علی ناروی، (ص ۲۰۳)۔

۲۔ دیکھئے: آثار پھلواری شریف، ملقب بآعیان الوطن، سید کلیم شاہ، (ص ۳۶۹)، مجلہ رفیق (علماء بہار پر مشتمل خاص نمبر) جنوری ۱۹۸۴ء، (ص ۸۴)، تذکرہ علماء ہند، رحمن علی، (ص ۷۷)۔

۳۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۱۶۹/۸)۔ ۴۔ تذکرہ علماء ہند، رحمن علی ناروی، (ص ۱۱۶)۔

(۳۰) محمد علی ابوالخیر بن سخاوت علی عمری جو نیپوری: ۱۲۷۴ھ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، والد کے انتقال کے بعد والدہ کے ساتھ ہندوستان آئے، علمائے جو نیپور سے علم حاصل کیا، پھر لکھنؤ آ کر علامہ عبدالحی لکھنوی سے پڑھا، ان کے والد نے جو نیپور کی ایک جامع مسجد میں ”مدرسہ ربانیہ قرآنیہ“ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، ۱۳۲۲ھ میں والد کی وفات تک اس میں پڑھایا اور اس کے انتظام کی ذمہ داری بھی نبھائی۔

(۳۱) محمد یسین بن ناصر علی حنفی آروی: ۱۲۸۰ھ شہر ”آرہ“ میں پیدا ہوئے اپنے والد اور شہر کے علماء سے علم حاصل کیا لکھنؤ آ کر علامہ عبدالحی لکھنوی سے وابستہ ہوئے طبی علوم حکیم عبدالعلی بن ابراہیم لکھنوی سے حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس آ کر درس و افادہ میں مشغول ہوئے۔

کئی کتابیں تالیف کیں جن میں چند یہ ہیں: مختصر فی الطب (فارسی زبان میں) رسالۃ فی جہر التأمین و سرہ فی الصلوۃ، اور مناقب ابی حنیفہ میں ایک رسالہ ۲۔

(۳۲) وحید الزماں بن مسیح الزماں بن نور محمد عمری ملتانی ثم حیدرآبادی ملقب بہ نواب وقار نواز جنگ بہادر: کانپور میں ۱۲۶۷ھ کو پیدا ہوئے، علامہ عبدالحی لکھنوی، مفتی عنایت احمد کاکوروی اور قاضی بشیر الدین قنوجی وغیرہ سے علم حاصل کیا ۳۔

کئی مرتبہ حج و زیارت کی سعادت حاصل ہوئی اور شیخ عبدالغنی مجددی اور شیخ

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۴۵۶/۸)، تذکرہ علماء ہند، رحمن علی، (ص ۴۷۲)۔

۲۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۴۶۱/۸)۔ ۳۔ دیکھئے: تطیب الإخوان، نگرامی، (ص ۹۶)۔

احمد بن عیسیٰ بن ابراہیم شرقی حنبلی اور دیگر علمائے حرین سے استفادہ کیا، مولانا فضل الرحمن مراد آبادی سے بیعت ہوئے، ۳۴ رسال حکومت آصفیہ کی خدمت کی، معتمد وزیر، مشیر مجلس حکومت اور قاضی عدالت کے عہدوں پر فائز ہوئے ۱۔

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: شیخ وحید الزماں اپنے زمانے کے بڑے مؤلف و مترجم تھے، ان کی اکثر کتابیں ترجمہ کی ہوئی ہیں، انہوں نے کتب حدیث کو اردو زبان میں منتقل کیا، ہشت پہل عالم تھے، علم لغت، حدیث، تفسیر اور فقہ و اصول میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، قوی الحافظ اور سریع الفہم تھے، شروع میں غالی مقلد تھے پھر تقلید چھوڑ کر اہل حدیث کا مسلک اختیار کر لیا لیکن بعض مسئلوں میں ان سے اختلاف بھی کرتے تھے ۲۔

ان کی تصنیفات میں ”أحسن الفوائد في تخریج أحادیث شرح العقائد، تبویب القرآن لضبط مضامین القرآن، وحید اللغات في غریب الحدیث و مفرداتہ“ (بڑے سائز کی ۲۸ جلدوں میں) قابل ذکر ہیں۔

ان کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ حدیث کی اہم کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کیا، اس میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ شامل ہیں ۳۔

۱۳۳۸ھ میں انتقال ہوا۔

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۵۱۵/۸)۔ ۲۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۵۱۵/۸)۔

۳۔ دیکھئے: جھوداھل الحدیث العلمیۃ فی الھند، ابو یحییٰ امام خان، (ص ۵۶)، نزہۃ الخواطر، (۵۱۶/۸)۔

فصل سوم

ثقافت

تصنیفات

معاصرین کے ساتھ علمی مباحثے

ثقافت

علامہ لکھنوی مختلف علوم و فنون میں دست گاہ رکھتے تھے، اس کی دلیل پوری دنیا میں معروف و مقبول متنوع تصنیفات اور بے شمار شاگرد ہیں جنہوں نے ان کے علوم و ثقافت کی ترویج کی، یہی چیز تھی جس نے ان کو تمام فنون میں مرجع علماء کا مقام دیا، مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی کہتے ہیں: جب وہ علماء سے ملتے اور وہ کسی فن میں گفتگو کر رہے ہوتے تو زبان سے کچھ نہ بولتے بلکہ خاموش دیکھتے رہتے، مباحثے کے بعد علماء ان سے رجوع کرتے تو ایسی بات فرماتے جسے سب قبول کرتے اور ہر سامع مطمئن ہو جاتا، یہ ان کا طریق تھا۔

ثقافت کے عناصر: علامہ کی ثقافت کی تشکیل میں دو عناصر بہت اہم ہیں، ایک تو اساتذہ جن میں سرفہرست ان کے والد ہیں جن کا سفر و حضر کا ساتھ تھا اکثر علوم انہیں سے حاصل کیے، اور حرمین کے وہ اساتذہ جن سے حج کے دونوں اسفار میں ملاقات ہوئی، دوسرے مطالعہ کتب کا بے پناہ شوق، علامہ لکھنوی مطالعہ کے حد درجہ عاشق تھے، مطالعہ ان کے لئے تسکینِ دل و نگاہ کا سامان تھا، کتب بینی دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز تھی۔

محمد حفیظ اللہ کہتے ہیں کہ علامہ لکھنوی نے بارہا فرمایا کہ جب میں بیمار ہوتا

ہوں تو میری صحت کی بڑی علامت مطالعہ کا شوق پیدا ہونا ہے۔

حفیظ اللہ مزید کہتے ہیں: میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا علامہ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو کچھ لوگ تعزیت کی غرض سے آئے اور ان کو مطالعہ میں مشغول دیکھ کر حیران ہوئے۔^۱

تحصیل علم کے راستے میں وہ بڑی دقتیں برداشت کرتے، رات رات بھر جاگتے، دھوپ کی تمازت اور پیاس کی شدت پر صبر کرتے اور ”امام سبکی“ کے یہ اشعار گنگناتے رہتے:

سہری لتنقیح العلوم الذلی من وصل غانیة وطیب عنانی

وتمایلی طرباً لحل عویصة فی الذهن أبلغ من مدامة ساقی ۲

علوم کی تنقیح میں راتوں کی بے خوابی مجھے محبوب کے وصل سے زیادہ پیاری ہے، ذہن کی کسی مشکل گتھی کو سلجھانے کے لئے شوق و طرب میں لڑکھڑانا ساقی کی شراب سے زیادہ پُر اثر ہے۔

ان کے شوق مطالعہ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ مطالعہ کتب اور تصنیف و تالیف کے لئے ایک خاص وقت مقرر کیا تھا، مغرب سے آدھی رات تک مطالعہ میں منہمک رہتے صرف عشاء کی نماز کا وقفہ ہوتا لیکن سستی اور اکتاہٹ کا ذرا بھی اظہار نہ ہوتا۔^۳

مطالعہ اور تصنیف کے بے پناہ شوق و ذوق کے ساتھ مختلف علوم و فنون کی

۱۔ کنز البرکات، محمد حفیظ اللہ، بندوی، (ص ۹)۔ ۲۔ دیکھئے: السعایہ شرح الوقایہ، لکھنوی، (ص ۳)۔

۳۔ دیکھئے: إقامة الحجّة علی أن الإکتار فی التبعید لیس ببدعة، لکھنوی، (ص ۱۱۸)، تکملة خیر العمل، محمد عبدالباقی، (ص ۳۶)، روضة النعیم فی حوارق مولانا عبدالحمید، محمد عبدالحمید، (ص ۶۵)۔

مخطوط اور مطبوعہ نادر کتابوں کو جمع کرنے کا بھی شوق تھا، میں نے یہ چیز اس وقت محسوس کی جب مجھے ان مصادر کی تلاش ہوئی جن پر علامہ نے حدیث و علوم حدیث کی کتابوں میں اعتماد کیا ہے حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے بہت سے ایسے مصادر و مراجع سے استفادہ کیا ہے جن کا حصول آج بھی آسان نہیں اور ان کے دور میں تو مشکل ترین عمل تھا۔

شیخ عبدالفتاح ابوعدہ کہتے ہیں: ان کے پاس ہر علم و فن کی کتابوں پر مشتمل مالامال مکتبہ تھا، یہ بات ان کی تالیفات میں ان کتابوں کے حوالے سے ظاہر ہوتی ہے جو آج بھی کہیں مخطوطات کے انبار میں دبی پڑی ہیں اور جن کے بارے میں کم ہی سنا جاتا ہے۔

مجھے علامہ کے کتب خانے کی بعض کتابوں سے واقفیت مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ذریعہ ہوئی جنہیں ان کے پوتے نے علی گڑھ کو ہدیہ کیا تھا، میں نے علامہ لکھنوی کے اس مکتبہ کو ۱۰۷۱/۱۰۷۲ عربی اور ۱۸۷۰/۱۸۷۱ فارسی اور اردو کتابوں پر مشتمل پایا۔

علامہ لکھنوی کے علوم و معارف:

اب ہم یہاں ان اہم ترین نمایاں پہلوؤں کا ذکر کریں گے جن سے علامہ نے خاص طور سے اعتنا کیا اور جس کی وجہ سے ایک جہان کو مستفید کیا۔

(الف) تفسیر: علامہ لکھنوی تفسیر اور علوم تفسیر کا وسیع علم رکھتے تھے، اگرچہ تفسیر کے باب میں ان کی کوئی مستقل کتاب نہیں لیکن اس سے علم تفسیر میں ان کی مہارت و حذاقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا شاید اس کی وجہ یہ رہی کہ آپ دوسرے فنون میں تالیف

و تصنیف میں زیادہ مشغول رہے۔

علامہ لکھنوی کی زندگی، تبحر علمی اور طلبہ کو دی جانے والی اسانید اجازت کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ طلبہ کو بعض تفسیر کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے ۲، اسی طرح میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ آیت تفسیر اور فقہی مسالک پر استدلال کے سلسلہ میں اکثر مصادر تفسیر سے رجوع فرماتے تھے ۳۔

یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ”تذکرۃ الراشد“ میں علامہ قنوجی پر تیس سے زیادہ اعتراضات تفسیری موضوعات کے حوالے سے کئے ہیں ۴۔

(ب) حدیث اور علوم حدیث: علم حدیث میں علامہ لکھنوی کا مرتبہ بلند اسی سے ظاہر ہے کہ وہ اس باب میں اپنے معاصرین سے فائق ہوئے، علماء کے اقوال و آراء اس پر گواہ ہیں، ان کی وہ کتابیں جو حدیث و علوم حدیث سے گہری واقفیت پر دل ہیں ان سے بھی یہ بات واضح ہے، علم حدیث کے سلسلہ میں ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ مسائل فقہیہ میں شرعی دلائل اور آثار کو تخریج و تحقیق کے ساتھ پیش فرماتے،

۱۔ علامہ لکھنوی نے اس امر کی طرف اپنی کتاب ”ظفر الأمانی“ میں اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں، اگر اللہ پاک نے عمر دی اور اسباب فراہم ہوئے تو ایک مفید رسالہ آیت شریفہ ”نساء کم حرت لکم.....“ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۲۳) کے متعلق مسائل پر قلمبند کروں گا، دیکھئے: ظفر الأمانی لکھنوی، (ص ۱۸۶)۔

۲۔ مقدمہ ملاحظہ کیجئے صفحہ ۱۱۷۔

۳۔ دیکھئے: امام الکلام، لکھنوی، (ص ۸۲، ۸۳)، تفسیر معالم التنزیل بغوی متوفی ۵۱۶ھ، تفسیر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ، مدارک التنزیل النسخی متوفی ۱۰۷۱ھ، الکشاف، زنجیری متوفی ۵۳۸ھ، دیکھئے: زجر الناس علی انکار اثر ابن عباس، (ص ۷۵)، الدر المنثور، سیوطی، تفسیر ابن کثیر، وغیرہ۔

۴۔ دیکھئے: تذکرۃ الراشد بر ذمیرۃ الناقد، لکھنوی، (ص ۳۳۱-۳۶۸)۔

حدیث کارنگ فقہی مسائل پر غالب رہتا۔

(ج) **فقہ و اصول فقہ:** علامہ حنفی المسلک تھے اور اس مسلک کی طرف نسبت بھی کرتے تھے^۲، محمد عبدالباقی کہتے ہیں: ان کی تمام تصنیفات علی الاعلان اس بات کا اعلان ہیں کہ وہ حنفی ہیں، انہوں نے متعدد رسائل کے آغاز میں اپنی نسبت امام ابوحنیفہ سے ظاہر کی ہے^۳۔

ان کے معاصر اور ہم نام علامہ عبداللہ حسنی فرماتے ہیں: علامہ لکھنوی فرور و اصول میں مسلک احناف کے پابند تھے لیکن متعصب اور متشدد نہ تھے، دلیل کا اتباع کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں خلاف مسلک کوئی صریح نص پاتے تو تقلید نہ کرتے^۴۔

علامہ لکھنوی نے خود اس مسئلہ میں اپنا موقف واضح کرتے ہوئے لکھا ہے: اللہ سبحانہ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے مجھے فن حدیث اور فقہ حدیث کی رہنمائی عطا کی میں کسی مسئلہ پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک کسی حدیث یا آیت سے اس کی اصل نہ پائی جاتی ہو، اور جو مسئلہ صریح صحیح حدیث کے خلاف ہوتا ہے میں اسے ترک کرتا ہوں اور اس میں مجتہد کو معذور بلکہ ماجور اور مستحق ثواب سمجھتا ہوں لیکن میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو سادہ لوح عوام کی تشویش خاطر کا سبب بنتے ہیں بلکہ میں لوگوں

۱۔ دیکھئے: السعایة فی شرح الوقایة لکھنوی، (ص ۳)، عمدة الرعاية فی شرح الوقایة لکھنوی، (ص ۵)۔
 ۲۔ علامہ لکھنوی نے اپنے کتابچہ ”القول المنثور فی حلال خیر الشہور“ میں اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے، لکھنوی لکھنوی وطن کے اعتبار سے، انصاری، ایوبی، قطبی نسب کے اعتبار سے اور حنفی مسلک و مکتب فکر کے اعتبار سے، دیکھئے القول المنثور لکھنوی، (ص ۱۰) (مع مجموعة الرسائل السبع)، امام الکلام مع غیث الغمام لکھنوی، (ص ۳)۔

۳۔ حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، عبدالباقی انصاری، (ص ۱۷)۔

۴۔ نزہة الخواطر، عبداللہ حسنی، (۲۳۵/۸)۔

سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرتا ہوں۔

مزید لکھتے ہیں: اللہ کا انعام ہے کہ اس نے مجھے افراط و تفریط کے درمیان راہ اعتدال پر چلنے والا بنایا کوئی کیسا بھی معرکہ الآرا مسئلہ میرے سامنے آتا ہے تو مجھے اس میں اعتدال کا راستہ الہام کیا جاتا ہے اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو مقلد محض ہیں، فقہاء کے اقوال چاہے شرعی دلائل سے ٹکراتے ہوں تو بھی ان کو نہیں چھوڑتے اور میں ان سے بھی بے زار ہوں جو فقہاء کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور فقہ و مسائل کو مطلقاً اختیار نہیں کرتے ۱۔

علامہ لکھنویؒ کے بارے میں ان کے معاصرین کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حنفی المسلک تھے لیکن ان محدثین کی روش پر قائم تھے جو حدیث سے ربط کے ساتھ کسی ایک فقہی مسلک سے انتساب بھی رکھتے ہیں، چنانچہ وہ قرآن و حدیث کی دلیل کو اختیار کرتے چاہے وہ مسلک کے خلاف ہوتی ۲، امام نووی، حافظ ابن حجر اور امام بیہقی جیسے

۱۔ النافع الکبیر، لکھنوی۔ (ص ۱۴۵)۔ ۲۔ اس سلسلہ میں کم از کم مہر دس درہم مقرر کرنے کے سلسلہ میں علامہ لکھنویؒ کا یہ قول پیش کیا جاسکتا ہے کہ کم از کم مہر دس درہم ہونے پر فقہاء احناف کے پاس کوئی قابل اعتبار دلیل نہیں ہے، لہذا قرآن کے اطلاق پر عمل زیادہ بہتر ہے، یہ قول اگرچہ احناف کے خلاف ہے، لیکن قول فیصل یہی ہے، دیکھئے: ظفر الامانی، لکھنوی، (ص ۹۲)، التعلیق المجد، (ص ۲۳۸)، اسی ضمن میں عقیدہ کے مسئلہ میں علامہ لکھنویؒ کا یہ قول بھی پیش کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے اس باب میں بہت سی روایتوں کو بیان کرنے کے بعد ذکر کیا ہے کہ اگر عقیدہ واجب نہیں تو مستحب بلکہ سنت سے بھی کم نہیں، شاید ہماری یہ احادیث ہمارے امام کو نہ پہنچ سکیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عقیدہ کو مباح قرار دیتے ہوئے فرمایا عقیدہ مباح ہے، مستحب نہیں، دیکھئے: التعلیق المجد، (ص ۲۸۶)۔

اسی طرح آئین بالجبر کے مسئلہ میں بہت سی روایات بیان کرنے اور انہیں موضوع بحث بنانے کے بعد فرماتے ہیں، انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ دلیل کے لحاظ سے جہر اقوی ہے، التعلیق المجد، (ص ۱۰۳)، اسی طرح کی بہت سی مثالیں علامہ لکھنویؒ کی کتابوں میں باسانی مل جاتی ہیں۔

اکثر فقہائے محدثین کا یہی طریقہ رہا ہے، مسلک شافعیہ سے انتساب، مسلک شوافع کی مخالفت سے مانع نہیں ہوا کیوں کہ بعض مسائل میں قوی دلیل ان کے قول کے مخالف ملتی ہے یہ عظیم المرتبت علماء کی منصف مزاجی اور کلامِ ائمہ کے حسن فہم کا مظہر ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب تک کسی کو مسئلہ میں قرآن و حدیث، اجماع یا قیاس جلی کا ماخذ نہ معلوم ہو تو اس کے لئے ہمارے قول کو اختیار کرنا جائز نہیں^۱، علامہ لکھنوی کہتے ہیں: امام ابوحنیفہ، ان کے تلامذہ بلکہ تمام ائمہ سے اس طرح کے اقوال منقول ہیں کہ ان کے مسائل کے مخالف صریح صحیح نص کے ملنے پر ان کی آراء کو قبول نہ کیا جائے^۲۔

علامہ لکھنوی کی تالیفات پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی اکثر تالیفات، فقہ سے تعلق رکھتی ہیں، قریب پچاس فقہی تالیفات کا سرمایہ انہوں نے امت کو سونپا ہے۔

اصول فقہ میں علامہ نے ”تفتازانی“ کی کتاب ”التوضیح والتلویح“ کی شرح لکھی ہے، وہ طلبہ کو اصول فقہ بھی پڑھاتے تھے اور ان علوم کے ضمن میں جن کا بیان طلبہ کو دی جانے والی اجازت میں درج ہے اس علم یعنی اصول فقہ بھی مذکور ہے^۳۔
(د) سوانح و تراجم: سوانح و تراجم بھی ان کا قابل ذکر میدان ہے اس علم میں معاصرین سے مباحثے ہوئے، عام تراجم میں بارہ، انفرادی تراجم اور مولید و وفیات میں دو دو کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ دیکھئے: حسرة الفحول بوفاتہ نائب الرسول محمد عبدالباقی انصاری، (ص ۱۸)۔ اعلام الموقعین، ابن قیم، (۱۸۳۲)۔
۲۔ دیکھئے: النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الضعیر، لکھنوی، (ص ۱۱۳)۔ ۳۔ دیکھئے: (صفحہ ۱۱۶)

(ہ) **منطق و فلسفہ:** علوم نقلیہ سے اشتغال کے ساتھ علوم عقلیہ میں بھی مشغول ہوئے اور متعدد پیچیدہ مباحث کا تفصیل کے ساتھ درس دیا، اپنے زمانے کے بعض ائمہ مثلاً مولانا عبدالحق عظیم آبادی کی کتابوں پر نقد بھی کیا، منطق و فلسفہ میں ان کی کتابوں کی تعداد ۲۵ ہے۔

(و) **لغات (زبانیں):** علامہ لکھنوی عربی، فارسی اور اردو میں ماہر تھے اور ان تینوں ہی زبانوں کو تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا۔

تصنيفات

علامہ لکھنوی نے مختلف علوم و فنون میں کثرت سے مفید اور دلچسپ کتابیں سپرد قلم کی ہیں جو ان کی وسعت علمی، بلند مرتبتی اور کامل العقلمندی کی بین دلیل ہیں، ان کتابوں کی نمایاں خصوصیات ان کا متعلقہ پہلوؤں پر سیر حاصل کلام، تحقیق و تدقیق اور عمدگی و سلاست ہے اور یہ امر ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں، اسی لئے شیخ عبدالفتاح ابو غده کہتے ہیں: علامہ عبدالحی لکھنوی کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا اس بات کے اعتراف پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ واضح کامل علمی تحقیقات ہیں جو فیصلہ کن نادر حوالوں اور مسئلہ یا باب کے ہر ہر جزئیہ کے استیعاب سے مزین و مرصع ہیں گویا انہوں نے ساری عمر اسی زیر بحث موضوع میں کھپادی ہوئی۔

علامہ ہند سید سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ وہ کتابوں کی تحقیق و تعلق میں اسلوب جدید کے موجد ہیں، دو باتوں کا خاص اہتمام ملتا ہے، ایک کتاب کی ابتدا میں مقدمہ اور عام طور سے مقدمہ میں شارح اور مصنف کے حالات اور اس موضوع میں دیگر کتابوں کا ذکر، دوسرے تحقیق و تعلق میں کئی ایک نسخوں سے مقارنہ و موازنہ، اس طرح وہ ایک مستند محقق نسخہ تیار کرتے ہیں ۲۔

یہ خوبی بھی قابل ذکر ہے کہ طباعت کی غلطیوں سے بچنے کے لئے خود طباعت کے مرحلہ پر نظر رکھتے ہیں ۳۔

۱۔ مقدمۃ التعلیقات الحافظی علی الأجوۃ الفاضلۃ، شیخ عبدالفتاح (ص ۱۴)۔

۲۔ مثال کے طور پر علامہ لکھنوی نے سات نسخوں کو سامنے رکھ کر موطا محمد کی تحقیق کی ہے، دیکھئے: التعلیق لمحمد (ص ۴۰۷)۔ ۳۔ دیکھئے: ہندوستان میں علم حدیث، سید سلیمان ندوی، (ص ۶۳) (مجلد معارف)۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو تحقیق و طباعت کا کس درجہ اہتمام تھا، محققین کے لئے انہوں ایک بالکل نیا طریقہ اور جدید اسلوب متعارف کرایا، یہ ان کی علمی امانت اور تحقیقی و تصنیفی سلیقہ کو بھی ظاہر و عیاں کرتا ہے۔

تالیف و تصنیف کا اہتمام: علامہ کو تالیف و تصنیف میں اتنا اہتمام تھا کہ بعض کتابیں دوران سفر لکھیں، رسالہ ”أحكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس“ میں صراحت لکھا ہے: میں نے اس رسالے کو ماہ جمادی الآخرہ ۱۲۸۴ھ دکن کے شہر جبل پور میں وطن سے حیدرآباد جاتے ہوئے دوران سفر شروع کیا تھا۔

اسی طرح رسالہ ”زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس“ کی تالیف مکہ مکرمہ میں دوسرے حج کے دوران منگل کے روز ۲۹/رمزی القعدہ ۱۲۹۲ھ میں مکمل کی۔

یہ بات بھی تصنیف و تالیف کے غایت درجہ شوق و اہتمام کو ظاہر کرتی ہے کہ علامہ لکھنوی نے نوعمری ہی میں تالیف و تصنیف کا عمل شروع کر دیا تھا، چنانچہ فارسی زبان میں علم صرف کے موضوع پر دو کتابیں ”امتحان الطلبة في الصيغ المشكلة“ اور ”التبيان في شرح الميزان“ بارہ سال کی عمر میں لکھیں، اول الذکر کتاب خود علامہ کی تصریح کے مطابق ان کی سب سے پہلی تالیف ہے۔

۱۰۰ سے متجاوز کتابیں ان کے سوانح نگاروں کے بقول اہتمام تالیف کی کامل دلیل ہیں، یہ اسی وقت ممکن ہو جب سفر و حضر ان کے لئے تالیف سے مانع نہیں ہوئے۔

۱۔ أحكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس، لکھنوی، (ص ۴۸)۔

۲۔ زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس، لکھنوی، (ص ۸۵)۔

۳۔ النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير، لکھنوی، (ص ۱۵۱)۔

علامہ لکھنوی کی کتابوں کی تعداد: علماء نے ان کی کتابوں کی تعداد میں اختلاف کیا ہے، سرکیس نے ”معجم المطبوعات العربیة“ میں ۲۶ کتابوں کا ذکر کیا ہے ۱۔ ذکی المجاہد نے ”الأعلام الشرقیة“ میں لکھا ہے کہ ان کی کتابوں کی تعداد کم و بیش ۴۴/۴۴ ہے ۲۔ مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی نے نزہۃ الخواطر میں ۹۰/۳۳، علامہ کے شاگرد محمد حفیظ اللہ بندوی نے کنز البرکات میں ۹۴، ۳ اور علامہ کے دوسرے شاگرد شیخ محمد عبدالباقی نے تکملة خیر العمل میں ۱۱۲/۱۱۲ کا ذکر کیا ہے ۵۔

شیخ ابوالحسن علی حسنی ندوی نے لکھا ہے: علامہ ہند فخر متاخرین عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی کی مؤلفات کی کل تعداد ۱۱۰ ہے جن میں ۸۶ کتابیں عربی میں ہیں ۱۔ شیخ عبدالفتاح کہتے ہیں: علامہ لکھنوی نے کم و بیش ۱۱۵ کتابیں تالیف کی ہیں ۲۔ اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ علامہ لکھنوی نے بعض کتابوں میں اپنے حالات لکھتے ہوئے اپنی کتابوں کی تعداد کبھی اختصار اور کبھی بعض کتابوں کو ذکر نہ کرتے ہوئے تفصیل سے بیان کی ہے، جن محققین نے کتابوں کے حوالہ سے ان کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا وہ یہ سمجھے کہ یہی علامہ کی کل کتابیں ہیں دیگر کتابوں کا جن کا یا تو اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کیا گیا یا وہ ان حالات کے لکھنے کے بعد معرض وجود

۱۔ دیکھئے: معجم المطبوعات العربیة، سرکیس، (ص ۱۵۹۶، ۱۵۹۷)۔

۲۔ دیکھئے: الأعلام الشرقیة، ذکی مجاہد، (۱۶۹/۲)۔

۳۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی، (۲۳۷/۸-۲۳۹)۔

۴۔ دیکھئے: کنز البرکات، بندوی، (ص ۲۴، ۲۱)۔ ۵۔ دیکھئے: تکملة خیر العمل بذکر تراجم علماء فرنگی محل، (ص ۴۲)۔

۶۔ المسلمون فی الہند، ابوالحسن ندوی، (ص ۳۸)۔

۷۔ مقدمہ شیخ عبدالفتاح، سباحة الفکر فی الجہر بالذکر، (ص ۵)۔

میں آئیں ان کی طرف ان محققین کی نظر نہیں گئی۔

اختلاف بیان کے باوجود کثرت مؤلفات کا اعتراف سب کو ہے، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کہتے ہیں: اگر ان مؤلفین کا ذکر کیا جائے جن کی کتابیں ۵۰ یا ۱۰۰ سے زائد ہیں تو علامہ لکھنوی سرفہرست ہوں گے، کیوں کہ ان کی تصنیفات کم و بیش ۱۱۰ ہیں اور اگر ان کی مختصر سی عمر جو ۳۹ سال پر مشتمل ہے کے لحاظ سے کتابوں کو دیکھا جائے تو یہ بہت زیادہ ہیں۔^۱

ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ لکھنوی کا شمار ان علماء میں ہے جنہوں نے ایک بڑی تعداد میں کتابیں لکھیں اس میں ان کو بہت سے معاصرین اور متقدمین پر تفوق حاصل ہے، یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ ان کی بعض کتابیں بہت مختصر اور چند صفحات پر مشتمل ہیں، یہ اعتراض بے محل ہے کیوں کہ ان مختصر کتابوں کے ساتھ کئی کئی جلدوں میں لکھی گئیں ضخیم کتابیں بھی ہیں، جیسے السعایہ شرح الوقایہ، ہدایہ کا حاشیہ، عمدۃ الرعایہ شرح الوقایہ اور التعلیق المجد وغیرہ۔

بعض کتابوں کی نسبت کی تحقیق: یہاں بعض مورخین و اہل سیر نے ان کے والد کی بعض کتابوں کی نسبت سے مغالطہ پیدا کر دیا ہے، سرکیس نے ”البيان العجيب في شرح ضابطة التقريب“ اور ”القول المحيط فيما يتعلق بالجعل المؤلف والبيسط“ کو علامہ لکھنوی کی تالیفات میں شمار کیا ہے جس سے محمد مجاہد نے بھی نقلاً اتفاق کیا ہے^۲، حالانکہ یہ دونوں ہی کتابیں علامہ عبدالحمید لکھنوی کی تالیفات ہیں خود علامہ

^۱ مقدمہ التعليقات الحافلة، شیخ ابوغدہ، (ص ۱۳)۔^۲ دیکھئے: معجم المطبوعات العربية، سرکیس، (ص ۱۵۹۷)، الأعلام الشرقية في المائة الرابعة عشرة الهجرية، محمد مجاہد، (۱۶۹/۲)۔

لکھنوی نے بیان کیا ہے کہ ”القول المحيط فيما يتعلق مما جعلی المؤلف والبسيط“ کی تالیف سے والد محترم قیام جو نیپور کے زمانہ ۱۲۶۹ھ میں فارغ ہوئے اور ”البيان العجيب في شرح ضابطة التقريب“ سے ۱۲۵۶ھ میں فارغ ہوئے۔^۱

اسی طرح بغدادی نے ”ایضاح المکنون“ میں ”الأقوال الأربعة في رد الشبهات الموردة في سلم العلوم“ کو محمد عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی کی طرف منسوب کیا ہے۔^۲ یہ خطا ہے کیوں کہ یہ کتاب خود علامہ لکھنوی کی تصریح کے مطابق ان کے والد علامہ عبدالحلیم لکھنوی کی تالیف ہے۔^۳

اسی طرح علامہ سید سلیمان ندوی نے بیان کیا ہے کہ علامہ لکھنوی نے مسند امام ابوحنیفہ، موطأ، امام محمد اور کتاب الآثار امام محمد کا مقدمہ اور حاشیہ لکھا ہے۔^۴ لیکن حیرت ہے کہ سید سلیمان ندوی نے یہ بات کیسے کہی کیوں کہ علامہ کا کوئی حاشیہ اور مقدمہ نہ مسند امام ابوحنیفہ پر ہے اور نہ کتاب الآثار امام محمد پر، ان کے دوسرے سوانح نگاروں نے بھی کہیں اس کا ذکر نہیں کیا۔

شیخ عبدالفتاح ”شرح ثلاثیات البخاری“ کو علامہ لکھنوی کی مؤلفات کے ضمن میں ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ میں نے اسے ان کی کتاب ”الفوائد البهیة“ سے استخراج کیا ہے۔^۵

^۱ دیکھئے: حسرة العالم بوفاة مرجع العالم، لکھنوی، (ص ۹۵)۔

^۲ ایضاح المکنون، بغدادی، (۱۱۴/۱)۔ ^۳ حسرة العالم بوفاة مرجع العالم، لکھنوی، (ص ۹۶) آثار

الأول علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۲۳)۔ ^۴ دیکھئے: ہندوستان میں علم حدیث، سید سلیمان ندوی،

(ص ۶۲)؛ مجلہ معارف، (۱۵۳)۔ ^۵ الرفع والتکمیل پر عبدالفتاح کا مقدمہ، (۲۶)۔

لیکن راقم کا خیال ہے کہ شیخ عبدالفتاح کا استناد کمزور ہے کیوں کہ ”الفوائد البہیہ“ کی عبارت ظاہر کرتی ہے کہ یہ کتاب علی قاری کی مؤلفات میں سے ہے، دلیل خود علامہ کی ایک عبارت ہے جس میں علامہ لکھنوی نے محمد بن عبداللہ بن اُمثنی کے حالات میں لکھا ہے کہ قاری نے ذکر کیا کہ بخاری نے اپنی صحیح میں حمید عن اُنس سے روایت کیا ہے اور یہ امام بخاری کی ثلاثیات میں سے ایک ہے، میں نے خدائے پاک کی مدد سے اس کی شرح کی، اور ان سے احمد بن المدینی اور دیگر چھ ائمہ محدثین نے بھی اپنی کتابوں میں روایت کی ہے ۱۔

یہاں اس جملہ کے قائل علی قاری ہو سکتے ہیں اور یہی متبادر ہے کیوں کہ علی قاری کی ثلاثیات البخاری پر ایک شرح ہے جس کا ایک نسخہ مکتبہ شہید علی پاشا اسطنبول میں ۲/۱۸۴۱ کے نمبر سے موجود ہے ۲، جہاں تک علامہ لکھنوی کا تعلق ہے تو اس نام سے نہ ان کی کوئی کتاب پائی جاتی ہے اور نہ مؤرخین و اصحاب سیر نے ان کی مؤلفات کے ذیل میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

علامہ لکھنوی کی تالیفات:

ذیل میں ہم علامہ لکھنوی کی تالیفات کے ناموں کو علوم کی ابجدی ترتیب سے پیش کرتے ہیں، نیز ان تالیفات کا مختصر تعارف بھی پیش کرتے ہیں جو ہماری تحقیق میں علماء سے ثابت ہے، پہلے علوم کی اقسام اور ان کے حوالے سے تصنیفات کی تعداد ملاحظہ ہو:

۱۔ الفوائد البہیہ، لکھنوی، (ص ۱۷۹)۔

۲۔ تاریخ التراث العربی، بروکلان، (۱۷۳۳)۔

- | | |
|-------------|-----------------------|
| چار کتابیں | (۱) عقائد |
| آٹھ کتابیں | (۲) حدیث |
| ایک کتاب | (۳) اصول فقہ |
| پچاس کتابیں | (۴) فقہ |
| ایک کتاب | (۵) علم فرائض |
| ایک کتاب | (۶) رقائق |
| سولہ کتابیں | (۷) تاریخ و تراجم |
| دو کتابیں | (۸) منفرد تراجم و سیر |
| تین کتابیں | (۹) موالید و وفيات |
| پچیس کتابیں | (۱۰) منطق و حکمت |
| دو کتابیں | (۱۱) علم مناظرہ |
| دو کتابیں | (۱۲) نحو |
| پانچ کتابیں | (۱۳) صرف |

عقائد:

(۱) الآيات البينات على وجود الأنبياء في الطبقات:

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جسے اردو زبان میں تحریر کیا گیا، اس میں علامہ نے زمین کے مختلف طبقات اور انبیاء کے وجود کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ثابت کر کے اس مسئلہ میں متعلقہ شبہات کا مختصراً جواب دیا ہے، علامہ نے اس رسالہ کی طرف ”زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس“ کے مقدمہ میں اشارہ

کیا ہے۔

مؤلف کے قلم سے لکھا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں ۱۹۰۱/۱۰ نمبر سے موجود ہے یہ رسالہ چھوٹے سائز کے تیس اوراق پر مشتمل ہے۔

اس موضوع پر انہوں نے دو اور رسالے تالیف کئے ہیں ایک ”دافع الوسواس“ اردو میں ہے جس پر آئندہ صفحات میں گفتگو کی جائے گی، دوسرا ”زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس“ جس کا تذکرہ علوم حدیث کے ضمن میں آئے گا۔

(۲) الحاشیة علی حواشی الخیالی ۲ علی شرح العقائد: اس کا ذکر علامہ لکھنوی نے ”النافع الكبير“ میں کیا ہے۔

(۳) الحاشیة علی شرح العقائد النسفیة: ”النافع الكبير“ میں اس کا تذکرہ بھی ہے۔

۱۔ دیکھئے: زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس لکھنوی، (ص ۷۴)۔ (پانچوں رسائل کے مجموعہ کے ساتھ)۔
 ۲۔ یہ احمد بن موسیٰ شمس الدین ہیں، جو ”خیالی“ کے نام سے مشہور ہیں، متکلم، فقیہ، اصولی، متوفی، ۸۸۶ھ دیکھئے: شذرات الذهب، ابن العماد حنبلی، (۳۴۳/۷)، الفوائد البھیة، لکھنوی، (ص ۴۳)، علامہ لکھنوی نے لکھا ہے کہ میں نے اس کے حواشی سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ۳۔ النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۵۳)۔
 ۴۔ ”کتاب عقائد النسفی“ ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد سمرقندی متوفی ۵۳۳ھ کی تالیف کردہ ہے، ان کی سوانح ”معجم الأباء“ حموی، (۷/۱۶)، طبقات المفسرین، سیوطی، (ص ۲۷) اور الفوائد البھیة، لکھنوی، (ص ۱۴۹) میں ملاحظہ کیجئے، سعد الدین تفتازانی نے اس کی شرح لکھی ہے، یہ مسعود بن عمر بن عبداللہ سمرقندی تفتازانی متوفی ۹۲ھ ہیں خود صرف، معانی و بیان، فقہ و منطق جیسے مختلف علوم سے واقف تھے، الدرر الکامیة، ابن حجر، (۳۵/۴)، شذرات الذهب، ابن العماد (۱۹/۶)، مفتاح السعادة، طاش کبریٰ زادہ، (۲۰۵/۱)۔

(۴) دافع الوسواس في أثر ابن عباس: ”زجر الناس“ کے مقدمہ میں علامہ لکھنوی نے اس کا نام لیا ہے۔^۱ یہ کتاب اردو زبان میں ہے جس میں علامہ نے زمین کے طبقات میں وجود انبیاء کے موضوع پر کلام کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رسالہ ”الآیات البينات“ جو خود بھی اسی موضوع پر مرتکز ہے کو انتہائی مختصر محسوس کیا لہذا اس کی تشریح و توضیح کی غرض سے یہ رسالہ تالیف کیا۔

۱۲ رمضان ۱۲۹۰ھ میں وہ اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوئے، مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں ۱۸۳۳ نمبر سے موجود ہے، یہ رسالہ چھوٹے سائز کے ۳۳ اوراق پر مشتمل ہے مطبع یوسفی لکھنؤ میں طبع ہوا لیکن طباعت کا سن مذکور نہیں۔

حدیث اور علوم حدیث

(۵) الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعية: (۱) وجہ تسمیہ: خود علامہ لکھنوی نے کتاب کا نام ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میں نے اس رسالہ کا ایسا نام رکھا ہے جو سنی کی کیفیت کو واضح کرتا ہے، اور وہ نام ہے ”الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعية“^۲ لیکن ”التعليق الممجد“^۳ کے مقدمہ اور ”النافع الكبير“^۴ میں اس کا نام ”رسالة في الأحاديث المشتهرة“ درج ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شروع میں ایک متعین نام کا فیصلہ نہیں ہو سکا جب انہوں نے تالیف مکمل کر لی

^۱ دیکھئے: زجر الناس علیٰ زکار اثر ابن عباس لکھنوی، (ص ۷۲)۔

^۲ الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعية، (ص ۲۰)۔
^۳ مقدمہ التعليق الممجد، لکھنوی، (ص ۲۹)۔

^۴ النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۵۳)۔

تو اس کا وہی نام رکھا جو اس کتاب کے مقدمہ میں مذکور ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ”النافع الكبير“ اور ”مقدمة التعليق الممجد“ مذکورہ کتاب کے اتمام سے قبل تالیف کی ہے، کتابی نے اسے کبھی ”الأنوار المرفوعة في الأخبار الموضوعة“ اور کبھی ”تأليف في الأحاديث المشتهرة“^۱ کے نام سے بیان کر کے دو لغزشیں کی ہیں ایک تو یہ کہ ایک کتاب کو دو کتاب قرار دیا، دوسری غلطی یہ ہوئی کہ کتاب کا نام ”الأنوار المرفوعة“ لکھا، جس کی عمر رضا کحالیہ نے بھی تقلید کی^۲ جب کہ درست ”الآثار المرفوعة“ ہے خود مؤلف نے یہی لکھا ہے اور کتابی نے بھی اپنی کتاب ”الرسالة المستطرفة“ میں اس کا یہی صحیح نام ذکر کیا ہے۔^۳

(۲) باعث تالیف: علامہ لکھنوی نے اس کتاب کی تالیف کا سبب مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں نے گزشتہ دنوں شریعت مطہرہ کے تحفظ کے مقصد سے محدثین کی تمام متفقہ موضوعہ روایات کو ”الأحاديث الموضوعة“ نامی رسالہ میں جمع کرنا شروع کیا تھا لیکن دوسری تصنیفات کی مصروفیت کی وجہ سے اسے مکمل نہ کر سکا۔^۴

مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ لکھنوی اس موضوع میں ایک ضخیم کتاب تالیف کرنے کی نیت رکھتے تھے لیکن غالباً کسی وجہ سے انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ نماز اور دیگر عناوین کی مشہور احادیث پر اکتفا کریں، جیسا کہ کتاب کے مقدمہ سے ظاہر ہے۔

علامہ لکھنوی لکھتے ہیں کہ میرے اور میرے بعض اعزہ کے درمیان ایک

۱۔ فہرس البھارس، کتابی، (۷۲۹/۲)۔

۲۔ معجم المؤلفین، عمر رضا کحالیہ، (۱۱/۲۳۵)۔

۳۔ الرسالة المستطرفة، کتابی، (ص ۱۲۶)۔

۴۔ الآثار المرفوعة، (ص ۸)۔

دلچسپ مباحثہ یوم عاشورہ ۱۳۰۳ھ میں ہوا، مجھ سے بعض احباب نے یوم عاشورہ کی نماز، اس کی کمیت، کیفیت اور مرتبہ اجر و ثواب کی بابت پوچھا میں نے جواب دیا کہ کوئی معتبر روایت آج کے دن اور سال کے دیگر مبارک دنوں میں کسی معین نماز کی کمیت و کیفیت کو نہیں بتاتی اور جو کچھ اس سلسلے میں وارد ہے وہ موضوع اور من گڑھت ہے، اس کے ثبوت کے اعتقاد کے ساتھ نہ اس پر عمل جائز ہے اور نہ اس کے مخصوص اجر و ثواب کا عقیدہ رکھا جاسکتا ہے، مزید کہتے ہیں: میں نے ارادہ کیا کہ موضوع احادیث کے سلسلہ میں اپنا رسالہ مکمل کروں اور سال کے دنوں اور راتوں کی نمازوں کی احادیث اور دیگر ضروری باتوں پر اکتفا کروں اور اختلاف و وضع کو بیان کروں تاکہ جہلاء دھوکہ نہ کھائیں اور علماء ہوشیار رہیں ۱۔

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ لکھنوی کا مقصد اس زمانہ میں یوم عاشورہ اور دیگر نمازوں کے سلسلہ میں علماء اور عوام کے درمیان رائج بدعات کا ابطال تھا جن کا تعلق صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

(۳) ایڈیشن: یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۰۲ھ میں مطبع علوی لکھنؤ سے علامہ لکھنوی کے رسالہ ”إمام الکلام فیما يتعلق بالقراءة خلف الإمام“ کے ساتھ طبع ہوئی تھی، پھر گوجرانوالہ پاکستان سے طبع ہوئی اور سب سے اخیر میں محمد بسیونی زغلول ۲ کی تحقیق کے ساتھ دارالکتب العلمیۃ بیروت سے ۱۴۰۲ھ میں چھپی، اس کے محقق نے ۱۳۰۳ھ کہہ کر تاریخ طباعت کے ذکر میں غلطی کی ہے کیوں کہ کتاب علامہ لکھنوی

۱۔ الآثار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة، (ص ۱۹)۔

۲۔ مقدمہ الآثار المرفوعة، محقق، (ص ۵)۔

کی وفات کے بعد طبع ہوئی تھی جیسا کہ محمد عبدالعلی مدراسی کی تقریظ جو کتاب کے آخر میں شامل ہے، سے ظاہر ہے^۱، شاید محقق نے کتاب کے اختتام پر مصنف کے اس بیان پر کہ اس نے ۳۰۳ھ میں اس کی تالیف مکمل کی، اعتماد کیا ہے، انہوں نے گمان کیا کہ اسی سال طبع ہوئی ہوگی لہذا مدراسی کے بیان کو اہمیت نہ دی۔

(۴) کتاب کا وصف: اللہ کی حمد و ثنا سے مؤلف نے کتاب کا آغاز کرتے ہوئے لکھا ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ختم الأنبیاء اور سید الأصفیاء کو مبعوث فرما کر اپنے بندوں کو جہنم کے گڑھے سے بچایا اور کفار و فجار کے سرکش، متمرّد اور باغی فرقوں کو راہ راست پر چلایا اور آپؐ کی امت کو تمام گزشتہ امتوں پر فضیلت دی، اس عزت و افتخار اور رفعت و عظمت کا کیا کہنا اور علم وافر اور وہ فہم کامل عطا کی جس سے وہ سابقہ قوموں پر سبقت لے گئے..... الخ ۲۔

حمد و ثنا کے بعد مؤلف نے تالیف کا سبب، دوستوں سے علمی مباحثہ میں اور بعض ائمہ صوفیہ جیسے امام غزالیؒ مؤلف ”إحياء العلوم“، مولانا عبدالقادر جیلانیؒ مؤلف ”غنية الطالبين“ اور ابوطالب مکیؒ مؤلف ”قوت القلوب“ وغیرہ کی

۱۔ الآثار المرفوعة، (ص ۱۴۵)۔

۲۔ الآثار المرفوعة، (ص ۷)۔

۳۔ محمد بن محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ اوائل پانچویں صدی ہجری کے مجدد دین میں شمار ہوتے ہیں، دیکھئے: وفيات الأعيان، ابن خلکان، (۲۱۶/۴)، سیر أعلام النبلاء، ذہبی، (۳۲۲/۱۹)۔

۴۔ سید عبدالقادر جیلانی، طریقت قادریہ کے بانی و موسس، متوفی ۵۲۱ھ، دیکھئے: النجوم الزاهرة، ابن تغری بردی، (۳۷۱/۵)، شذرات الذهب، حنبلی، (۱۹۸/۴)۔

۵۔ محمد بن علی بن عطیہ حارثی ابوطالب مکی متوفی ۳۸۶ھ، صوفی متکلم و واعظ تھے، دیکھئے: تاریخ بغداد (۸۹/۳) و وفيات الأعيان، ابن خلکان، (۳۰۴/۴)۔

کتابوں میں موضوع احادیث کے متعلق بیان کیا ہے، لکھا کہ ”بہت بعید ہے کہ ان ائمہ صوفیہ نے کوئی حدیث وضع کی ہو اور جو شخص ان اکابر کی طرف وضع کی نسبت کرے وہ چاہے متقدمین میں سے ہو یا متاخرین میں سے، وہ شقی و خبیث شمار کیا جائے گا۔“
پھر علامہ نے اختصار کے ساتھ واضعین حدیث کی آٹھ قسمیں بیان کیں اور وضاعین کے اسباب و اغراض کا جائزہ لیا ہے۔

(۱) زنادقہ: ان کا مقصد شریعت کو فاسد کرنا اور امت میں گمراہی پھیلا نا ہے، علامہ لکھنوی نے انہیں یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دی ہے جنہوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کی، نیچری فرقے کو بھی اسی زمرے میں رکھا ہے۔

(۲) وہ لوگ جو وضع احادیث کے ذریعہ اپنے مذاہب و مسالک کو مؤید کرتے ہیں، علامہ نے اس کی کچھ مثالیں بیان کی ہیں۔

(۳) وہ لوگ جو ترغیب، انذار و تبشیر کی احادیث لوگوں کو خیر پر آمادہ کرنے کے لئے وضع کرتے تھے، اس کی بھی کئی مثالیں دی ہیں۔

(۴) وہ طبقہ جس نے ہر اچھے کلام کو یہ کہتے ہوئے کہ تمام حسن امر شرعی ہے، اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا اور اسانید وضع کرنا جائز گمان کیا۔

(۵) وہ لوگ جنہیں دنیا کے کسی مقصد جیسے سلاطین کا قرب حاصل کرنا وغیرہ نے وضع احادیث پر آمادہ کیا۔

(۶) مذہبی تعصب اور تقلیدی جمود بھی وضع کا سبب بنا۔

(۷) غایت محبت بھی وضع حدیث کا سبب ہوئی جیسے اہل بیت کے سلسلہ میں احادیث وضع کی گئیں۔

(۸) لوگوں کی پسندیدگی اور ان کی خوشی حاصل کرنے کے لئے قصہ گو اور بہت سے واعظین نے احادیث وضع کیں ۱۔

علامہ لکھنوی نے مقدمہ میں اپنی کتاب کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: کتاب کا مقدمہ، نبی پاک ﷺ پر جھوٹ بولنے سے ترہیب دلانے والی احادیث، بعض جھوٹے قصص و حکایات جنہیں واعظین اپنی مجالس وعظ میں بیان کرتے ہیں اور عوام ان کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں نیز موضوع احادیث کے نقل، روایت و عمل کے حکم پر مشتمل ہوگا پھر ہم مقصود احادیث کی شرح و توضیح و ایقاظ (دو فصلوں) میں کریں گے اور رسالہ کو ثقہ مشائخ کی کتابوں میں مرقوم صلوات کی تحقیق و تدقیق پر ختم کریں گے ۲۔

علامہ لکھنوی نے ایقاز اول کو ہفتہ کے دنوں اور راتوں کی خود ساختہ نمازوں کے لئے مخصوص کیا ہے اور ایقاز ثانی میں سال کے دنوں اور راتوں کی نمازوں کی احادیث و متعلقہ مسائل بیان کئے ہیں۔

علامہ اس تالیف سے بروز اتوار ۵/رجب المرجب ۱۳۰۳ھ میں فارغ ہوئے ۳۔

(۶) الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة:

علامہ نے اس کتاب کا نام ”الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة“ رکھا جو کتاب کے مقدمہ میں درج ہے ۴۔

۱۔ دیکھئے: الآثار المرفوعة، لکھنوی، (ص ۱۲، ۱۸)۔ ۲۔ ایضاً (ص ۲۰)۔ ۳۔ ایضاً (ص ۱۳۳)۔
۴۔ دیکھئے: الأجوبة الفاضلة، لکھنوی (ص ۲۰)۔ بیدار کرنا (عربی) باب افعال سے مصدر ہے۔

(۲) طباعت: سب سے پہلے یہ کتاب ۱۲۹۹ھ میں مطبع مصطفائی سے ”مجموعۃ الرسائل السبع“ کے ساتھ طبع ہوئی پھر مطبع شوکت اسلام میں ۱۳۱۰ھ میں چھپی پھر شیخ عبدالفتاح ابوعدہ کی تحقیق و حواشی کے ساتھ مکتب المطبوعات الإسلامية حلب میں ۱۳۸۴ھ میں طبع ہوئی، شیخ عبدالفتاح کی تحقیقات و تعلیقات کے بعد اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی، انہوں نے نہ صرف نصوص کتاب کی تخریج کی بلکہ موضوع کتاب سے متعلق بعض مباحث کا اضافہ بھی کیا۔

(۳) سبب تالیف: علامہ نے یہ کتاب ان سوالوں کے جواب میں لکھی ہے جو علوم حدیث کے سلسلہ میں آپ سے کئے گئے، مقدمہ میں لکھتے ہیں یہ رسالہ بعض لطیف مباحث، عمدہ لطائف و نکات اور ان دس سوالوں کے جواب پر مشتمل ہے جو لاہور کے بعض علماء فاضلین نے میرے قیام حیدرآباد کے زمانے میں مجھ سے پوچھے تھے ۲۔

(۴) کتاب کا وصف: یہ جوابات انتہائی مفید اور موضوع سوال کے متعلقات کو جامع و محیط ہیں، یہ سوالات و جوابات اسناد اور دین میں اس کی اہمیت، فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل پر توری و روشنی ڈالتے ہی ہیں، سنن اور دیگر مشہور کتابوں کی احادیث کا مقام بھی طے کرتے ہیں، نیز تعارض احادیث کے وقت علماء کا موقف کیا ہے؟ نسخ مقدم ہے یا جمع و توافق، اور جمع کو ترجیح پر تقدم حاصل ہے یا ترجیح کو جمع پر؟ ترجیح کی وجوہ کیا ہیں؟ اس راوی کی روایت کے بارے میں علماء کا موقف کیا ہے جو ظاہر روایت پر عمل نہ کرے؟ کیا حدیث صحیح اگر قول صحابی یا فعل صحابی سے متعارض ہو تو قبول نہ کی جائے گی؟ ان تمام عنوانوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

شیخ عبدالفتاح کہتے ہیں کہ یہ کتاب ایسی عمدہ جامع بحثوں کو شامل ہے جن پر اس درجہ کمال اور عمدگی کے ساتھ میرے علم میں علامہ لکھنوی کے علاوہ کسی نے بھی قلم نہیں اٹھایا۔

مزید کہتے ہیں کہ یہ کتاب بجا طور سے علامہ کی نادر المثل تالیفات میں سرفہرست ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ علوم حدیث کا وہ خلا پر ہوا ہے جو اس سے پہلے شکوہ کناں تھا۔

دو شنبہ کی رات ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ میں آپ اس کتاب سے فارغ ہوئے۔

(۷) التعلیق المجد علی موطأ امام محمد:

(۱) نام کی وضاحت: علامہ لکھنوی نے اس کتاب کا نام ”التعلیق الممجد علی موطأ الإمام محمد“ رکھا، کتابی نے اس کا نام ”حاشیة الإمام اللکنوی علی موطأ محمد بن الحسن“ ذکر کیا ہے۔

(۲) طباعت: التعلیق المجد موطأ امام محمد کے ساتھ خط فارسی میں ہندوستان سے کئی مرتبہ پتھر پر طبع ہوئی، سب سے پہلے ۱۲۹۷ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے طبع ہوئی پھر دوبارہ اسی مطبع سے ۱۳۰۶ھ میں چھپی، ۱۳۲۶ھ میں مطبع یوسفی لکھنؤ سے چھپی، سب سے اخیر میں ۱۴۱۲ھ میں دارالقلم دمشق سے راقم کے والد محترم پروفیسر ڈاکٹر تقی الدین ندوی استاذ حدیث جامعۃ الامارات کی تحقیق سے آراستہ ہو کر طبع ہوئی۔

۱۔ دیکھئے: مقدمہ الأجوبة الفاضلة، شیخ عبدالفتاح (ص ۷)۔

۲۔ الأجوبة الفاضلة، لکھنوی (ص ۲۲)۔ ۳۔ مقدمة التعلیق الممجد، لکھنوی، (ص ۱۰)۔

۴۔ فہرس الفہارس، کتابی، (۷۲/۲۹)۔

(۳) تالیف کی تاریخ: علامہ لکھنوی نے دکن میں ماہ شوال ۱۲۹۱ھ میں اس کی تصنیف شروع کی جمعرات کے دن ۸ شعبان ۱۲۹۵ھ کو تکمیل کی، اس دوران کئی اسفار، بیماریوں اور مشغولیات کی وجہ سے اس اہم کام کی تکمیل میں تاخیر ہوئی۔^۱

(۴) سبب تالیف: علامہ لکھنوی نے اس کتاب کی تالیف کا سبب لکھا ہے کہ اکثر میرے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ میں حدیث کی کسی کتاب کی شرح لکھ کر اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھاؤں تاکہ نبی شفیع المذنبین کی رضا کا باعث ہو جن کی رضا رپ دو جہاں کی رضا ہے اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجھے صالح بنائے اور انبیاء و صدیقین کے ساتھ محدثین کے زمرہ میں میرا حشر فرمائے، مجھے وہ خواب یاد آیا جو میں نے ۱۲۸۸ھ میں دیکھا تھا کہ میں مسجد نبویؐ میں داخل ہوا وہاں امام مالک تشریف رکھتے ہیں میں نے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا اور کہا آپ کی کتاب موطأ میں مجھے کچھ اشکالات اور بے اطمینانیاں ہیں میں اسے آپ کے سامنے پڑھنا چاہتا ہوں تاکہ آپ ان اشکالات کو دور فرمادیں، تو امام مالک نے خوش ہو کر فرمایا موطأ لاؤ اور میرے سامنے پڑھو میں اپنے گھر سے موطأ لانے کے لئے وہاں سے اٹھا کہ میری آنکھ کھل گئی، میں نے اس نیک خواب پر اللہ کی حمد و ثنا کی، گویا اس خواب میں مجھے امام مالک کی طرف سے یہ اشارہ ملا کہ میں موطأ پر توجہ دوں اور اس کی درس و تدریس اور شرح و تعلیق کا اہتمام کروں جب مجھے یہ خواب یاد آیا تو میں نے موطأ کی شرح لکھنے کا عزم مصمم کر لیا۔^۲

^۱ التعلیق الممجد، لکھنوی، (ص ۱۱، ۲۰۷)۔

^۲ مقدمہ التعلیق الممجد، لکھنوی، (ص ۱۱)۔

علامہ نے شرح و تعلق کے لئے امام محمد کے نسخہ کو منتخب کیا اس کے دو سبب ہیں۔
(۱) بیجی اندلسی کے نسخہ کی شرح بہت سے منتقدین و متاخرین علماء نے کی جب کہ امام محمد کے نسخہ کی شرح صرف پیری زادہ اور علی قاری نے کی ہے۔

(۲) نسخہ امام محمد کئی وجوہ سے قابل ترجیح ہے۔

(۵) علامہ لکھنوی نے اس کتاب پر ایک علمی مقدمہ لکھا جس میں بہت سے علوم و دیعت کر دیئے اور موطاً امام محمد کے انتخاب کا سبب بھی بیان کیا، جہاں تک شرح کا تعلق ہے تو بغیر کسی تمہید کے مقدمہ پر اکتفاء کرتے ہوئے شروع کیا ہے۔

علامہ لکھنوی نے اس عظیم المرتبت کتاب کی شرح میں کئی امور پر خاص توجہ دی ہے، لکھتے ہیں: میں نے اس شرح میں کچھ ایسے امور کا خاص اہتمام رکھا ہے جنہیں ارباب عقل و شعور تحسین کی نظروں سے دیکھیں گے۔

(۱) میں نے متفرق جگہوں پر بعض مفید مطالب کی تکرار کو اس خیال سے جائز رکھا ہے کہ اعادہ افادہ سے خالی نہیں ہوتا، ساتھ ہی اس پر توجہ رہی کہ جب بھی کسی سابقہ نکتہ کا اعادہ کروں تو اس میں کسی نئی مفید بات کا اضافہ بھی کروں۔

(۲) ائمہ کے مختلف مسالک کو بقدر ضرورت ان کے دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک مسلک کو دوسرے پر ترجیح کے ساتھ بیان کیا ہے اور خدا کی قسم یہ بہت ہی عمدہ طریقہ ہے موجودہ زمانہ میں کچھ ہی حضرات اس طریق پر گامزن ہیں۔

(۳) بلاغات اور مرسل احادیث کو بالسند بیان کیا اور موقوف روایات کو مرفوع روایات سے تائید بہم پہونچائی ہے۔

۱۔ دیکھئے: مقدمہ تعلق لمجد لکھنوی۔ (ص ۱۲، ۳۶)۔

(۴) صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ اربعہؒ مجتہدین معتبرین کے مسالک کا بکثرت ذکر کیا ہے۔

(۵) بغیر کسی مسلکی عصبیت اور جاہلی حمیت کے روایت کے حالات و احوال اور ان کی توثیق و تضعیف سے متعلق چیزوں کو ذکر کیا جس کے نتیجہ میں ایسی تکرار درآئی ہے جو فائدہ سے خالی نہیں اس لئے کہ اعادہ کسی اختلاف یا مزید فائدے پر مشتمل ہوتا ہے۔

(۶) میں نے موطأ کے نسخوں میں شدید اختلاف پایا ہے لہذا غیر جانبداری کے ساتھ صحیح اور غیر صحیح کی وضاحت کے ساتھ اختلاف بھی ذکر کیا ہے۔

(۷) میں نے ان غلطیوں پر بھی تنبیہ کی ہے جو علی قاری سے امر مقصود کی تشریح یا روایت کی تنقید میں صادر ہوئی ہیں کہ کہیں کوئی ایسا شخص جسے فنون سے خاطر خواہ شغف نہ ہو غلطی اور بدگمانی میں نہ پڑ جائے، علی قاری کی تحقیر اور ان کے نسیان کو واضح کرنا مقصود نہیں کیوں کہ میں خود ان کے علم کے سمندروں سے پینے والا اور ان کے فضل و کمال کا معترف ہوں۔

مندرجہ بالا معروضات سے اس کتاب کی خصوصیت اور کثرت فوائد ظاہر ہوتی ہے کہ یہ شرح مفہم حدیث کی وضاحت، مشکل مسائل کا جواب، غریب الفاظ کا ضبط، اسماء رجال، روایت کے حالات اور ان کی توثیق و تضعیف سے متعلق آرا اور دیگر بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔

۱۔ علامہ لکھنوی نے نسخہ امام محمد کا کئی نسخوں سے مقارنہ فرمایا ہے، ان میں دو مطبوعہ اور پانچ مخطوطہ ہیں، اور ایک نسخہ محدث عبدالحق دہلوی کا غور فرمودہ ہے، دیکھئے: خاتمة الطبع، التعلیق المجد، (ص ۴۰۷)۔
۲۔ دیکھئے: مقدمہ التعلیق المجد، لکھنوی۔ (ص ۱۱)۔

علامہ لکھنوی نے اس کتاب کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے: یہ اس شرح میں آخری بات ہے، اور تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں بہترین توفیق سے نوازا اور درود و سلام ہو رسول اللہ ﷺ پر اور ان کے آل و اصحاب پر..... راجح ۱۔

(۶) اس کتاب سے علماء کا استفادہ اور توصیفی کلمات: اس کتاب کو علماء کے یہاں بڑی مقبولیت اور عزت حاصل ہوئی، شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۲۶ھ نے ”بذل الحجود، دنی حل سنن ابی داؤد“ ۲ میں اور شیخ عبدالوہاب عبداللطیف نے موطاً امام مالک بروایت امام محمد کی تحقیق و تعلیق میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے ۳، شیخ عبدالوہاب عبداللطیف نے علامہ لکھنوی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے حواشی اور تعلیقات عمدہ ہیں جنہیں بجا طور پر ”التعلیق المجد“ کہا جا سکتا ہے ۴، اسی طرح شیخ محمد یوسف بنوری نے معارف السنن شرح جامع الترمذی میں ۵، مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے اوجز المسالک شرح موطاً الإمام مالک ۶ اور شیخ محمد شاذلی النیر نے موطاً امام مالک بروایت ابن زیاد کی تحقیق و تعلیق میں استفادہ کیا ہے، شاذلی نے ان الفاظ میں ”التعلیق المجد“ کی تعریف و توصیف کی ہے کہ ”یہ شرح دیگر شروحات کی بہ نسبت زیادہ فوائد و نکات پر مشتمل اور اہم بنیادی مسائل سے مزین ہے، اس کے

۱۔ مقدمہ التعلیق المجد، لکھنوی۔ (ص ۴۰۷)۔

۲۔ دیکھئے: بذل الحجود، سہارنپوری، (۱۱۳، ۱۱۲)، (۱۱۰، ۱۱۰)۔

۳۔ دیکھئے: موطاً محمد پر شیخ عبدالوہاب کا حاشیہ، (ص ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۲ اور بعد کے صفحات)۔

۴۔ مقدمہ شیخ عبدالوہاب، موطاً محمد، (ص ۲۶)۔

۵۔ دیکھئے: معارف السنن، بنوری، (۱۰۹، ۱۱۰، ۱۳۰)۔

۶۔ دیکھئے: اوجز المسالک، شیخ زکریا کاندھلوی، (۱۳۰)، (۴۰، ۶۰)۔

مقدمہ میں بڑے فائدے کی باتیں ہیں،^۱ شیخ عبدالفتاح کہتے ہیں کہ ”کسی عالم کا کتب خانہ اس عظیم الشان کتاب سے خالی ہو یہ بڑی محرومی کی بات ہوگی“^۲۔

(۸) خیر الخبر فی اذان خیر البشر:

(۱) رسالہ کی طباعت: سب سے پہلے اس رسالہ کی طباعت پتھر پر چھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع دبدبہ احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں ہوئی پھر ۱۳۲۳ھ میں مجموعہ الرسائل الست کے ساتھ مطبع یوسفی سے طباعت ہوئی یہ رسالہ اوسط سائز کے نوصفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) رسالہ کا موضوع: علامہ نے رسالہ کے موضوع کے متعلق لکھا ہے

کہ ”میں نے اس رسالہ میں اس مسئلہ کو لیا ہے جس کے بارے میں اکثر سوال ہوتا ہے کہ کیا رسول پاک ﷺ نے بنفس نفیس اذان دی ہے؟“ علامہ لکھنوی نے اس موضوع کی متعدد احادیث کو ان کے درجہ صحت و ضعف کے بیان کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور رسالہ کو مؤذن صحابہؓ کے ذکر پر ختم کیا ہے۔

(۳) رسالہ کا آغاز: بسم اللہ کے بعد اس طرح عبارت ہے: اے

میرے رب میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں تو محمود ہے، تو حوض کوثر جس پر لوگ قیامت میں حاضر ہوں گے کے مالک نبی مختار پر، ان کے آل و اصحاب پر جو قیامت کے دن سفارش کریں گے رحمت و سلام نازل فرمائے۔

(۴) رسالہ کا خاتمہ: رسالہ کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہے: اس رسالہ

^۱ دیکھئے: مقدمہ شاذلی موطاً ابن زیاد، (ص ۷۱)۔

^۲ مقدمہ شیخ عبدالفتاح، تعلق المجد، (ص ۴۳) مخطوط۔

^۳ خیر الخبر فی اذان خیر البشر، لکھنوی، (ص ۳۵)، (چھ رسائل کا مجموعہ)۔
^۴ ایضاً (۳۵)۔

کی تالیف سے ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۲۸۵ھ میں فراغت حاصل ہوئی، بہتر درود و سلام
ہو اس ذات اقدس پر جو اس رسالہ کا موضوع گفتگو ہے ۱۔

(۹) الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل:

(۱) کتاب کا نام: علامہ لکھنوی نے کتاب کا نام ”الرفع والتکمیل فی
الجرح والتعدیل“ رکھا ہے ۲۔

(۲) سبب تالیف: اس کتاب کے مقدمہ میں سبب تالیف یہ ذکر فرمایا کہ ”میں نے
اپنے زمانے کے بہت سے علماء و فضلاء کو دیکھا کہ وہ جرح و تعدیل کی بحث میں کسی
شتر بے مہار اور بلا نوش کی طرح نظر آتے ہیں جنہوں نے ناقدین رجال کی کتابوں
جیسے حافظ مزنی کی تہذیب الکمال، ذہبی کی میزان الاعتدال، ابن عدی کی تہذیب
التہذیب، تقریب التہذیب، المغنی، الکامل اور لسان المیزان وغیرہ سے جرح و
تعدیل کو نقل کرنا ایک معمولی اور آسان بات سمجھی ہے، حالانکہ وہ ائمہ جرح و تعدیل کی
اصطلاحات سے ناواقف ہیں، اور جرح مبہم جرح غیر مبہم، جرح مقبول اور جرح غیر
مقبول کے درمیان تمیز نہیں کرتے، اسی طرح مراتب ائمہ کے فہم اور معتدلیں امت
کے مقام سے نابلد ہیں تو میں نے یہ صورت حال دیکھ کر ارادہ کیا کہ اس باب میں ایک
جامع شافی و کافی رسالہ لکھوں جس میں متقدمین و متاخرین کے فوائد و نکات کا نچوڑ اور
جرح و تعدیل سے متعلق مسائل کا ذکر ہوتا کہ یہ رسالہ رہنما بن سکے“ ۳۔

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ علامہ لکھنوی نے یہ کتاب اس وقت لکھی

۱۔ خیر الخیر فی اذان خیر البشر، لکھنوی، (ص ۲۳)۔

۲۔ ایضاً (ص ۴۹، ۵۰)۔

۳۔ دیکھئے: الرفع والتکمیل، لکھنوی، (ص ۴۹)۔

جب اپنے زمانہ کے بہت سے علماء کو ائمہ جرح و تعدیل کی اصطلاحات سے عدم واقفیت اور تعدیل و جرح میں تعمق و درک نہ ہونے کے باوصف گفتگو کرتے ہوئے دیکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان علماء نے بعض ضعیف اسانید کو صحیح اور صحیح اسانید کو ضعیف قرار دیا، علامہ نے انہیں بنیاد فراہم کرنے اور سیدھی راہ دکھانے کے لئے یہ کتاب تالیف کی۔

(۳) کتاب کا خطہ: علامہ لکھنوی نے آغاز کتاب میں لکھا ہے کہ یہ رسالہ اہم امور پر محیط ایک مقدمہ، متعدد مراد اور کئی مقاصد پر مشتمل ہے، مقدمہ تین ایقانات پر مشتمل ہے جن میں سامنے کی باتیں مذکور ہیں پھر اسباب جرح کی توضیح کے ساتھ مشروعیت جرح کا ذکر ہے، پھر دلائل سے ثابت کیا کہ جرح ایک لابدی شرعی ضرورت ہے نیز جرح و معدّل کے یہاں مطلوبہ شرائط و آداب کا ذکر کیا اور چار مراد بیان کیے ہیں، مراد اول میں مقبول و غیر مقبول، مفسر مبہم جرح و تعدیل کی تفصیل ہے، مقبول جرح کے سلسلہ میں متعدد اقوال ذکر کر کے تفصیلی گفتگو کی ہے، مراد ثانی میں جرح و تعدیل کی تقدیم و تعارض کا مسئلہ ہے۔

مراد ثالث میں الفاظ جرح و تعدیل اور ناقدین و محدثین کے یہاں اس کے مقام و مرتبہ کی وضاحت ہے، مراد رابع میں کتب رجال اور اصطلاحات حدیث سے متعلق اہم فوائد آگئے ہیں، رجال کو انہوں نے ۲۱ ایقانات پر مشتمل فرمایا ہے، الغرض یہ کتاب نہایت اہم حدیثی فوائد پر مشتمل ہے جن سے کوئی محقق عالم بے نیاز نہیں ہو سکتا، یہ کتاب ہر شخص کی علمی تشنگی دور کرتی ہے یہ فائدہ بھی کم نہیں اور شاید یہ امر

۱۔ دیکھئے: الرفع والشمیل، لکھنوی، (ص ۱۵)۔

اہم ترین فوائد میں شمار کیا جائے کہ علامہ لکھنوی نے کتاب کے حاشیہ میں بعض مصنفات اور ان کے مصنفین پر روشنی ڈالی ہے۔

(۴) طباعت: یہ کتاب مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۹ھ میں چھپی پھر مطبع علوی لکھنؤ میں ۱۳۰۹ھ میں چھپی، دونوں ایڈیشنوں میں یہ کتاب فل سائز کے ۳۰ صفحات پر مشتمل تھی پھر عبدالفتاح ابوعدہ کی تحقیق و تعلق کے ساتھ ۱۳۸۳ھ میں حلب سے چھپی، بعد میں محقق کے معمولی اضافہ کے ساتھ بیروت میں ۱۳۸۸ھ میں دوبارہ طباعت ہوئی پھر سابقہ اضافوں پر محقق کے مزید اضافوں کے ساتھ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت سے ۱۴۰۸ھ میں طبع ہوئی، یہ ایڈیشن دقیق علمی تحقیق، اہم اضافوں اور محقق کے ابحاث کی وجہ سے خصوصی امتیاز رکھتا ہے، محقق نے ان ابحاث میں تفصیلی گفتگو کی ہے، کہا جاتا ہے کہ اگر وہ اس کو علاحدہ شائع کرتے تو ایک مستقل کتاب ہو جاتی۔

(۵) اس کتاب کی اہمیت: یہ کتاب علم جرح و تعدیل کے اہم جامع مراجع میں شمار ہوتی ہے، یہ علامہ کا ایک شاہکار ہے جس میں انہوں نے کتب اصول حدیث اور کتب رجال وغیرہ میں بکھرے مباحث جرح و تعدیل کو جمع فرما دیا ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ علامہ کو اس طرز پر ان مباحث کو جمع کرنے میں سبقت و تقدم حاصل ہے تو حقیقت سے تجاوز نہ ہوگا، کیوں کہ میں نے یہ طرز سابقہ کسی کتاب میں نہ پایا۔

شیخ عبدالفتاح کہتے ہیں: ”یہ اپنے موضوع کی سب سے پہلی کتاب ہے، علوم حدیث کے مؤلفین اور ناقدین و حفاظ ہر زمانے میں رہے ہیں لیکن اس موضوع پر کسی نے نہیں لکھا“ ۱۔

۱۔ مقدمہ سباحة الفكر في الجهر بالذکر، لکھنوی، شیخ عبدالفتاح، (ص ۵)۔

ڈاکٹر نور الدین عمر نے اپنی کتاب ”منہج النقد في علوم الحديث“ میں اسے جرح و تعدیل کا اہم ترین مصدر قرار دیتے ہوئے لکھا کہ ”یہ نہایت مفید، نفیس و اعلیٰ کتاب ہے“ ۱۔

علامہ کے بعد آنے والے علماء میں علامہ ظفر احمد تھانویؒ نے ”قواعد في علوم الحديث“، ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے ”بحوث في تاريخ السنة المشرقة ۲“ میں اور دیگر علماء و مصنفین نے مختلف کتب میں اس کتاب پر بہت اعتماد کیا ہے، شیخ عبدالفتاح کہتے ہیں کہ ہمارے استاذ تھانویؒ نے اپنی کتاب ”إنهاء السكن“ ۳ میں ”الرفع والتكميل“ سے بہت استفادہ کیا ہے، مختلف چیزیں لی ہیں اور خود مختلف علوم کا اس میں اضافہ فرمایا ہے اس طرح شیخ کی کتاب علامہ لکھنوی کی کوششوں کی مکمل قرار پاتی ہے ۴۔

(۱۰) زجر الناس علی انکار اثر ابن عباس :

(۱) طباعت: یہ رسالہ پانچ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں بڑے سائز کے بارہ صفحات پر شائع ہوا، پھر مطبع یوسفی لکھنؤ سے ۱۳۲۷ھ میں دوبارہ طباعت ہوئی۔

(۲) ابتدائیہ: بسملہ کے بعد اس طرح ابتداء ہوتی ہے: ”میں اس ذات کی تعریف بیان کرتا ہوں جس نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا اور ان کو سات طبقات پر تقسیم

۱۔ منہج النقد في علوم الحديث، ڈاکٹر نور الدین عمر، (ص ۱۱۵)۔

۲۔ دیکھئے: بحوث في تاريخ السنة المشرقة، ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری، (ص ۸۵، ۸۷، ۱۰۷، ۱۱۱ وغیرہ)۔

۳۔ علامہ ظفر احمد تھانوی نے اپنی کتاب ”إعلاء السنن“ کا مقدمہ ”إنهاء السكن“ کے نام سے لکھا ہے جب شیخ عبدالفتاح نے اس مقدمہ کی تحقیق کی تو مولف کی اجازت سے اس کا نام بدل کر ”قواعد

في علوم الحديث“ رکھ دیا۔ ۴۔ مقدمہ الرفع والتكميل، شیخ عبدالفتاح، (ص ۱۰)۔

فرمایا اور اس ذات کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے انہیں جن و انس و ملک اور دیگر مخلوقات کا مسکن بنایا، گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں..... ۱۔ الخ

(۳) خاتمہ: رسالہ کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ اس موقع کی آخری بات ہے۔ رسالہ کی تکمیل منگل کے روز ۲۹ رذی القعدہ ۱۲۹۲ھ مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

(۴) رسالہ کا موضوع: بیان کرتے ہوئے علامہ نے لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر ہے جو ارشاد باری: ”اللہ الذی خلق سبع سمواتٍ ومن الأرض مثلهن“ ۲ کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ سات زمینیں ہیں ہرزمین کا تمہارے نبی کی طرح ایک نبی ہے تمہارے آدم کی طرح آدم، اور نوح کی طرح نوح، ابراہیم کی طرح ابراہیم اور عیسیٰ کی طرح عیسیٰ ہے، حضرت ابن عباسؓ کے اسی اثر کی تحقیق میں یہ مفید رسالہ تحریر میں لایا گیا، جس کا نام ”زجر الناس علیٰ إنکار أثر ابن عباس“ رکھا ہے، میں نے افراط و تفریط سے بچتے ہوئے راہ اعتدال پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ ۳۔

(۱۱) شرح الحصن الحصین:

کتاب کا وصف: علامہ نے بغیر کسی تمہید کے ”الحصن الحصین“ ۴ کی شرح لکھنی شروع کر دی ہے اور شرح کا سبب بیان نہیں فرمایا، جیسا کہ چھوٹی بڑی تمام

۱۔ زجر الناس علیٰ إنکار أثر ابن عباس، لکھنوی، (ص ۷۲) (مجموعہ رسائل خمسہ)۔

۲۔ سورہ طلاق، آیت نمبر ۱۲۔

۳۔ زجر الناس علیٰ إنکار أثر ابن عباس، لکھنوی، (ص ۷۲) (مجموعہ رسائل خمسہ)۔

۴۔ ”الحصن الحصین“ امام حافظ قاری شمس الدین، ابوالخیر محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف دمشقی شافعی، ولادت ۵۷۷ھ دمشق، وفات ۸۳۳ھ رحمۃ اللہ کی تالیف ہے۔

کتابوں اور رسائل میں آپ کا معمول ہے، خاتمہ میں امام ابن الجزری کا مختصر تعارف اور شروحات و مصادر کا ذکر ہے جنہیں مرجع بنایا ہے، الحصن الحصین ۱ کے ساتھ یہ شرح فہم سائز کے ۲۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) طباعت: پتھر پر مطبع نجم العلوم لکھنؤ سے ۱۲۷۸ھ میں طبع ہوئی پھر اسی مطبع سے ۱۳۰۶ھ میں دوبارہ طبع ہوئی، علامہ لکھنوی نے اس شرح میں مندرجہ ذیل اہم پہلوؤں پر خاص توجہ دی ہے۔

(۱) لغوی و شرعی پہلوؤں سے الفاظ کی تشریح اور معانی کی توضیح۔

(۲) دیگر نسخوں سے مقارنہ و موازنہ۔

(۳) حسب ضرورت مصادر کی طرف احادیث کی نسبت۔

(۴) الفاظ حدیث سے متعلق بعض اشکالات کا ازالہ۔

(۵) سابق شارحین و علماء کے کلام سے استفادہ۔

اس شرح کا مطالعہ کریں تو یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ علامہ نے ملا علی قاری کی شرح پر بہت اعتماد کیا ہے اور ان کی شرح سے بکثرت عبارات نقل کی ہیں، علمی امانت کا خیال رکھتے ہوئے اس کی نسبت ان کی ہی طرف کی ہے اسی طرح یہ بھی

۱۔ علماء کی ایک بڑی تعداد نے ”الحصن الحصین“ کی شرح لکھی اور احادیث کی تخریج کی ہے، خود مؤلف کتاب ابن الجزری کی شرح ”مفتاح الحصن الحصین“ ہے، ان کی دو اور مختصر شروحات ”عدة الحصن“ اور ”الجنة“ کے نام سے بھی ہیں (۲) شرح ملا علی قاری ”الحرز الثمین للحصن الحصین“ یہ شرح لکھنؤ میں ۱۸۳۷ء میں طبع ہوئی۔ (۳) ”عدة الحصن“ کی شرح علامہ شوکانی کی ”تحفة الناظرین فی شرح عدة الحصن الحصین“، (۴) فارسی زبان میں فخر الدین بن محبت اللہ حنفی کی شرح جو ”الحرز الثمین“ کے ساتھ ۱۸۷۷ء میں لکھنؤ سے چھپی ہے، (۵) علامہ عبدالحی لکھنوی کی شرح جس کے بارے میں ہم نے اختصار سے گفتگو کی ہے۔

ظاہر ہے کہ علامہ لکھنوی کی یہ شرح ان اضافوں کی وجہ سے خاص امتیاز رکھتی ہے جو سابقہ شروح میں نہیں ملتے۔

(۱۲) ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی:

(۱) نام: اس کتاب کا نام علامہ نے ”ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی“ لے رکھا، ”عمدة الرعاية“ کے مقدمہ میں ”ظفر الأمانی بشرح المختصر المنسوب إلی الجرجانی“ ذکر کیا ہے ۲، مورخ علامہ عبدالحی حسنی ۳ اور علامہ کے شاگرد محمد عبدالباقی لکھنوی ۴ نے بھی یہی نام لیا ہے۔

(۲) طباعت: مؤلف کی وفات کے بعد یہ کتاب مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوئی، مؤلف کے دست مبارک سے لکھا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں ۲۴۸/۱۰۷ نمبر سے موجود ہے جو فل سائز کے ۲۴۷ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۴۰۴ھ میں دارالقلم دہلی سے والد محترم پروفیسر ڈاکٹر تقی الدین ندوی استاذ علوم حدیث جامعۃ الامارات کی تحقیق سے آراستہ ہو کر چھپی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اس کتاب کو مفید بنائے۔

(۳) سبب تالیف: مقدمہ میں علامہ لکھنوی نے لکھا ہے کہ اصول حدیث میں جو مختصر کتابیں لکھی گئیں ان میں مولانا سید علی الشریف جرجانی کی مختصر سب سے عظیم الشان ہے، علامہ جرجانی فاضل باکمال، عالم جلیل، معقولات و منقولات پر یکساں

۱۔ ظفر الأمانی، لکھنوی (ص ۲)، جرجانی سے مراد سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی متوفی ۹۲ھ ہیں، ان کے حالات زندگی ”الضوء اللامع“ سخاوی، (۳۲۸/۳)، ”بغیة الوعاة“ سیوطی، (ص ۳۵۱) میں ملاحظہ کیجئے۔

۲۔ مقدمہ عمدة الرعاية، لکھنوی، (ص ۳۰)۔

۳۔ نزہة الخواطر، (۲۲۸/۸)۔

۴۔ حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۳۸)۔

قادر، فروع و اصول کے امام اور علماء زمانہ کے میر تھے آپ کی شہرت دو پہر کے سورج کی طرح درخشاں تھی، دور دور کے ملکوں میں آپ کا طوطی بولتا تھا، موجودہ زمانہ میں میں نے علماء کو اس کے درس و تدریس میں مشغول دیکھا لیکن اس کی کوئی ایسی شرح نہیں جو مشکل مقامات کا حل پیش کرے کچھ تلامذہ مجھ سے یہ کتاب پڑھتے تھے، یہیں سے اللہ پاک نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ میں اس کی کافی و شافی شرح لکھوں ۱۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: میں نے علامہ سے سنا کہ ابن حجر کی کتاب نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر بہت مختصر ہے جس میں ضروری تفصیل اور لابدی تحقیق سے بھی گریز کیا گیا ہے جس سے طالب علم کما حقہ مستفید نہیں ہو سکتا لہذا جب میری کتاب ظفر الأمانی طبع ہو جائے گی تو میں شرح نخبۃ کی جگہ اسے شامل تدریس کروں گا لیکن اس سے پہلے وہ انتقال فرما گئے ۲۔

سابقہ حوالہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ اس کی تالیف کے دو بنیادی سبب رہے ہیں، (۱) مختصر الجرجانی کے مشکل مقامات کے حل کی شدید ضرورت، (۲) ابن حجر عسقلانی کی نزہۃ النظر جو اصول حدیث کی مشہور و اہم ترین کتاب شمار ہوتی ہے اور جسے ہر زمانہ میں علماء نے سند قبولیت دی ہے اس قدر مختصر ہے کہ تشنگی فرو نہیں ہوتی، لہذا علامہ لکھنوی نے جرجانی کی شرح لکھی جو نہ اس قدر طویل ہے کہ اکتا ہٹ ہو اور نہ اس قدر مختصر کہ معنی و مطلب بھی ادا نہ ہوتا ہو نیز اصول حدیث کی عمدہ تحقیقات اور اعلیٰ فوائد و نکات پر مشتمل بھی ہے۔

۱۔ ظفر الأمانی، لکھنوی (ص ۲)۔

۲۔ حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۳۹)۔

☆ اصول فقہ

(۱۳) حاشیہ علی التوضیح و التلویح: صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود متوفی ۷۷ھ نے اصول فقہ میں ”تنقیح الأصول“ کے نام سے ایک کتاب لکھی پھر ”التوضیح فی حل غوامض التنقیح“ کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ ان کے بعد مسعود بن عمر سعد الدین تفتازانی متوفی ۹۲ھ نے التوضیح کی شرح لکھی جس کا نام ”التلویح“ رکھا۔ علامہ لکھنوی نے ”التلویح“ پر مفید حاشیہ لکھا، ”النافع الكبير“ میں انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور شیخ محمد عبدالباقی نے ”حسرة الفحول“ میں اس کا نام لیا ہے۔

☆ فقہ

(۱۴) آثار النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس: بسم اللہ کے بعد اس طرح شروع فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان سکھایا، اس کی ذات ہر عیب سے پاک ہے اس کی شان کس قدر بلند ہے، ہر دن اس کا ایک عظیم الشان معاملہ ہے میں دل کی گہرائیوں اور زبان کے اخلاص کے ساتھ اس کی ناختم ہونے والی تعریف کرتا ہوں..... الخ۔

بسم اللہ اور حمد کے بعد اس رسالے کا موضوع ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے: یہ رسالہ فقہی کتابوں میں بکھرے ہوئے زبان فارسی میں متعلق مسائل پر مشتمل اور

۱۔ دیکھئے: الفوائد البہیة فی تراجم الحنفیة لکھنوی، (ص ۱۰۹)۔

۲۔ ایضاً (ص ۱۳۵)۔

۳۔ دیکھئے: النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۵۳)۔

۴۔ دیکھئے: حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۴۱)۔

مقاصد کو دلائل کے ساتھ ثابت کرنے والی عبارتوں اور اصول و مبادی کی تحقیق کو محیط، مفتیان کرام کے لئے نافع ہے۔

علامہ لکھنوی نے اس رسالہ میں اذان، اقامت، تکبیر اور نماز میں قرأت قرآن اور بہت سے دیگر مسائل کو پیش کیا ہے، جیسے یہ مسئلہ کہ اگر امی فاتحہ یا کسی اور قرآنی سورت کو فارسی میں پڑھے تو کیا وہ امی ہوگا یا نہیں؟ اور یہ مسئلہ کہ اگر امام جنازے کی نماز میں فارسی میں دعا کرے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور فارسی میں تشہد، نماز میں دعا، نماز سے نکلنے کے لئے لفظ سلام اور غیر عربی زبان میں دعائے قنوت کے مسائل، اسی طرح آغاز نماز کی تکبیر، تشہد، رکوع و سجود میں دعا و تسبیح اور نماز میں قرآن پڑھنا اور دیگر نماز سے متعلقہ مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اسی طرح علامہ نے کچھ دوسرے مسائل بھی بیان کئے ہیں جیسے فارسی زبان میں جمعہ کا خطبہ، قرآن پڑھنا، ذبیحہ پر بسم اللہ کہنا اور ایمان لانا اور حج کے مسائل جیسے فارسی زبان میں نیت اور تسبیح و تہلیل وغیرہ۔

علامہ لکھنوی نے ان تمام مسائل پر یکے بعد دیگرے کبھی اختصار اور کبھی دلائل کے ذکر اور ان پر بحث کے ساتھ تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

آپ اس رسالے کی تالیف سے سینچر کے روز ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۲۹۲ھ میں فارغ ہوئے۔

علامہ کے شاگرد عبد الباری رسالے کے آخر میں لکھتے ہیں: ”یہ رسالہ عجیب و غریب ہے الفاظ کم اور معانی زیادہ، ایسی نادر تحقیقات سمیٹے ہوئے جو بڑی بڑی

۱۔ آکام النفاثس فی أداء الأذکار بلسان الفارس، لکھنوی، (ص ۴۸)، (مجموعہ رسائل خمسہ)۔

کتابوں اور دفاتر کے ڈھیر میں بھی نہیں،^۱۔

مولوی محمد عبدالباقی لکھنوی نے لکھا ہے کہ علامہ نے اس رسالے میں اذان، اقامت، اذان کا جواب، نماز، سجدہ تلاوت، غیر متطہر کے لئے فارسی میں لکھے ہوئے قرآن کا پڑھنا، قرآن کو فارسی میں لکھنا اور حج وایمان سے متعلق بہت سے مسائل تفصیل، تحقیق، تنقیح اور تدریق کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

یہ رسالہ ۱۳۰۳ھ میں مطبع مصطفائی سے پانچ رسالوں کے مجموعہ کے ساتھ ۲۶ صفحات کی ضخامت پر بڑے سائز میں طبع ہوا، علامہ نے اس کے حاشیہ میں بعض مبہم اسماء کی وضاحت بھی کی ہے۔^۲۔

(۱۵) أحكام القنطرة في أحكام البسمة:

بسملة کے بعد اس کتاب کی شروعات اس طرح ہے: تمام تعریف اس ذات کے لئے جس کا نام ہر کتاب کی شاہ کلید ہے اور درود اس رسول پر جو حساب کے دن امت کی سفارش کرے گا اور درود و سلام اس کے آل و اصحاب پر۔

بسملة اور حمد کے بعد علامہ نے رسالے کا موضوع اور خطہ بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ جلدی میں لکھا گیا ایک رسالہ ہے جسے میں نے ایک مقدمہ اور دو باب پر مرتب کیا ہے، مقدمہ میں بسملة کی لغوی تحقیق اور اس کے فضائل کا بیان ہے، باب اول میں بسم اللہ کے قرآن سے ہونے کے مسئلے میں علماء کا اختلاف اور باب دوم میں بسم اللہ سے متعلق احکام خاص طور سے وضو اور نماز کے مسئلے کو بیان کر کے علماء کے مسالک کو نقل کیا ہے اور اقوال علماء کو بحث کا موضوع بناتے ہوئے قول راجح کی تعیین ہے۔

^۱ آکام النفاثس في أداء الأذکار بلسان الفارس، لکھنوی، (ص ۷۳)۔ ^۲ حسرة الفحول (ص ۳۸)

^۲ ہندوستان میں طبع ہونے والی آپ کی تمام تالیفات اور رسالے خط فارسی میں پتھر پر طبع ہوئے ہیں۔

بلاشبہ علامہ لکھنوی نے نماز میں بسم اللہ کے مسئلہ پر عمدہ کلام کیا ہے متعلقہ احادیث و آثار بیان کئے ہیں، حیدرآباد میں ۱۲۸۶ھ میں آپ نے اس رسالہ کو مکمل کیا۔ آٹھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ یہ رسالہ مطبع یوسفی سے طبع ہوا پھر ۱۳۰۵ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے چھپا، کل ضخامت ۶۳ صفحات ہے۔

(۱۶) إفادة الخیر فی الاستیاء بسواک الغیر:

بسم اللہ سے ابتدا کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں خدائے بزرگ و برتر کی تعریف کرتا ہوں کہ اس نے رسولوں کے طریقوں کی طرف ہماری رہنمائی کی اور آقا و سردار فضل الرسل محمد ﷺ اور ان کے تمام آل و اصحاب کی خدمت میں نذرانہ درود و سلام پیش کرتا ہوں۔

بسم اللہ اور حمد کے بعد رسالے کا سبب تالیف اور موضوع ذکر کیا، فرماتے ہیں: ”کئی مرتبہ مجھ سے دوسرے کی مسواک استعمال کرنے کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ پوچھا گیا میں نے احادیث صحیحہ میں اس کے ثبوت کے بنا پر جواز کا جواب دیا پھر میں نے ارادہ کیا کہ اس مسئلہ میں وارد احادیث اور منقول آثار جمع کر دوں“۔

علامہ لکھنوی نے اس رسالہ میں اپنے معمول کے مطابق متعلقہ احادیث و آثار، اقوال و فتاویٰ علماء کو جمع کیا ہے، پھر جواز کے قول کو راجح قرار دیا ہے، علامہ نے ایک ہی نشست میں جمعرات کے دن ماہ ذی القعدہ ۱۲۸۶ھ میں اس رسالہ کو مکمل کیا، یہ رسالہ جو تین صفحات پر مشتمل تھا آٹھوں رسائل کے مجموعہ کے ساتھ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض سے چھپا ہے۔

۱۶ إفادة الخیر فی الاستیاء بسواک الغیر، لکھنوی، (ص ۱۲) (آٹھ رسائل کا مجموعہ)۔

(۱۷) الإفصاح عن شهادة المرأة في الإرضاع:

بسم اللہ کے بعد اس رسالہ کی شروعات اس طرح ہوئی ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے علماء کو انبیاء کا وارث بنایا اور سید الأصفیاء آقا و سردار محمدؐ اور آپ کے آل و اصحابؓ پر اور صلحائے امت پر درود و سلام ہو۔

حمد و بسملہ کے بعد تالیف کا سبب لکھا ہے کہ ”میں نے اس رسالہ کو اس وقت ترتیب دیا جب میرے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ ایک مرد ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے جب اس نے پیغام بھیجا تو لڑکی کی ماں نے کہا میں نے اس آدمی کو دودھ پلایا ہے حالانکہ وہ آدمی منکر ہے اور عورت کے پاس مرد و عورت میں سے کوئی گواہ بھی نہیں تو اس عورت کی بات کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟“ علامہ لکھنوی نے اس سوال کا نہ صرف جواب دیا ہے بلکہ مسئلہ رضاعت کے دیگر متعلقات کا بھی ذکر کیا ہے، رسالہ کو دو فصلوں پر منقسم کیا، فصل اول میں عقد نکاح کے بعد شوہر اور بیوی کی رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی قابل قبول نہ ہونے کے مسئلے اور اس کے متعلقات پر گفتگو کی ہے اور اس مسئلہ کے اثبات میں بشمول اقوال علماء اور نصوص فقہیہ بہت سی احادیث و آثار بیان فرمائے ہیں۔

فصل ثانی میں عقد نکاح سے پہلے باب رضاعت میں ایک عورت کی گواہی قابل قبول نہ ہونے کے مسئلہ پر بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں بہت سی فقہی نصوص پیش کر کے اس کو موضوع بحث بنایا ہے، اس کتاب سے بروز بدھ ۹ شوال ۱۲۸۶ھ کو فارغ ہوئے، سات رسائل کے مجموعے کے ساتھ ۱۲۹۹ھ میں مطبع مصطفائی سے یہ

۱۔ حیدرآباد میں دکن کے بعض علماء سے آپ کا اس مسئلہ پر علمی مباحثہ ہوا تھا، دیکھئے رسالہ مذکور کا حاشیہ خاتمۃ الطبع، (ص ۲۲)۔

رسالہ طبع ہوا۔

(۱۸) إقامة الحجّة على أن الإكثار في التبعّد ليس

ببدعة، معروف بہ: نصرۃ العابدین بدفع طعن الخامدین:

بسم اللہ کے بعد عبارت اس طرح ہے: تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے اعلیٰ مبارک شکر گزاروں کی تعریف کی طرح اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی سا جھی نہیں۔

حمد و ثناء کے بعد علامہ نے رسالہ کی تالیف کا سبب لکھا کہ ”میں اسماء رجا ل کی کتابوں اور مناقب ارباب کمال کے دفاتر میں مشغول تھا اس طرح میں سلف کے مجاہدوں سے واقف ہوا جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ عبادت و ریاضت میں صرف کیا اور متاخرین کے شوق عبادت سے مطلع ہوا جنہوں نے حسنیٰ اور خدا کا مزید فضل حاصل کرنے کیلئے بے پناہ خدمت کی، میں سمجھتا تھا کہ یہی سیدھا راستہ ہے اسی پر چل کر جنت و سعادت کے اعلیٰ مقام تک پہنچا جاسکتا ہے، پھر میرے علم میں وہ اخبار و آثار آئے جن میں عبادت و ریاضت میں غلوا اختیار کرنے کی ممانعت آئی ہے تو مجھے خلجان ہوا کہ ان اکابر کے مجاہدوں اور احادیث کے درمیان کیا تطبیق ہوگی؟ لہذا میں نے مجالس تذکیر و وعظ میں اس حق کو پایہ ثبوت تک پہنچایا جو بہتر اور متوسط تھا“۔^۱

آگے علامہ نے خطہ ذکر کیا جو دو اصل، دو مقصد اور خاتمہ کو شامل ہے، اصل اول میں یہ ذکر ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے افعال، اسی طرح وہ افعال جو کسی نکیر کے بغیر ان کے زمانے میں انجام دیئے گئے، بدعت نہیں ہیں، اور اصل ثانی

^۱ إقامة الحجّة على أن الإكثار في التبعّد ليس ببدعة، لکھنؤی، (ص ۳۰۲)۔

میں علامہ نے ان عبادوزہاد و اولیاء و صلحاء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے عبادت و طاعت میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں، جہاں تک مقصد اول کا ذکر ہے تو اس میں اس مسئلہ کو ثابت فرمایا ہے کہ عبادت میں طاقت بھر صلاحیتوں کو صرف کرنا بدعت و گمراہی نہیں اور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے افعال سے دلیل دی ہے، مقصد ثانی میں کثرت عبادت سے ممانعت کی حدیث ذکر کر کے اس کا جواب دیا اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ پوری رات نمازیں پڑھنا اور ایک دن اور رات میں ایک یا کئی قرآن ختم کرنا، ہزار رکعت یا اس سے زیادہ نماز پڑھنا اور اس جیسے مجاہدے اور ریاضتیں نہ بدعت ہیں اور نہ شریعت میں ممنوع بلکہ کچھ شرائط کے ساتھ مرغوب و مطلوب ہیں۔

رسالہ کے آخر میں درج ہے کہ علامہ ۲۰ ربیع الثانی بروز جمعہ ۱۲۹۱ھ کو اس رسالہ کی تالیف سے فارغ ہوئے، یہ رسالہ ”تحفة الطلبة“ کے مجموعے کے ضمن میں مؤلف کی زندگی ہی میں ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا، پھر ۱۳۳۳ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے چھپا اور ۱۳۸۶ھ میں استاذ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق کے ساتھ حلب میں چھپا۔

(۱۹) إمام الکلام فیما یتعلق بالقراءۃ خلف الإمام:

بسملہ اور حمد باری کے بعد علامہ نے صحابہؓ اور بعد کے لوگوں کا شرعی امور میں اختلاف کا سبب اور اس اختلاف کو دور کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے، پھر عہد صحابہ کرام سے اپنے زمانے تک گزرے علماء کا ذکر کرنے کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ شرعی امور میں اختلاف کے تعلق سے علماء اور عوام الناس کا کیا موقف رہا ہے۔

مقدمہ میں کتاب کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب

۱۔ حسرة الفحول، (ص ۳۲)، إقامة الحجّة علی أن الإکتاف فی التعبد لیس ببدعة، لکھنؤی، (ص ۱۲۷)۔

کی تالیف کا محرک وہ خطوط بنے جو اس موضوع کے سلسلہ میں میرے احباب نے مجھے لکھے کہ میں حق کو واضح کروں۔^۱

مذکورہ کتاب کو علامہ نے تین ابواب اور خاتمہ پر ترتیب دیا ہے، باب اول میں صحابہؓ اور بعد کے علماء کا اختلاف ذکر کیا اور باب ثانی میں کتاب و سنت، اجماع و قیاس سے احناف، شوافع اور مالکیہ کے استدلالات بیان کئے اور باب ثالث میں بحث و تحقیق کا خلاصہ اور نتیجہ ذکر کر کے مقتدی پر مطلق قراءت کی عدم فرضیت اور سری نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا استحباب و مسنونیت ثابت کی، یہی احناف و مالکیہ کی ایک جماعت کا مسلک ہے، دقت نظر سے دیکھا جائے تو مسلک احناف کا یہ ضعیف قول راجح قرار پاتا ہے،^۲ خاتمہ میں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے مسئلہ کو بھی بیان کیا ہے۔

۲۰ ربیع الاول ۱۲۹۴ھ میں اس تالیف سے فارغ ہوئے،^۳ مطبع مصطفائی میں یہ کتاب طبع ہوئی، پھر ۱۳۰۴ھ میں علامہ کی تعلق ”غیث الغمام“ کے ساتھ اوسط سائز کے دو سو چالیس صفحات پر مطبع علوی سے چھپی، عصر حاضر میں یعنی ۱۴۱۱ھ میں عثمان جمعہ ضمیر یہ کی تحقیق کے ساتھ طبع ہوئی، لیکن اس کے ساتھ مفید حاشیہ ”غیث الغمام“ شامل نہ تھا بلکہ اس کے کچھ اجزاء کا انتخاب تھا، حالانکہ زیادہ مناسب یہ تھا کہ مکمل حاشیہ کے ساتھ کتاب کی طباعت ہوتی، کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی علم دوست کو نئے سرے سے طباعت کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۔ دیکھئے: امام الکلام فیما تعلق بالقراءۃ خلف الإمام لکھنوی، (ص ۳۶)۔

۲۔ دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی لکھنوی، (ص ۱۰)۔

۳۔ امام الکلام لکھنوی، (ص ۲۳۹)۔

(۲۰) الإِنصاف في حكم الاعتكاف: بسم اللہ کے بعد عبارت اس طرح ہے: اے وہ ذات جو تمام اوصاف حمیدہ کی جامع ہے تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا کے کسی کو نے اور گوشے میں تیرا شریک نہیں..... الخ۔

علامہ نے سبب تالیف ذکر فرمایا کہ بعض فضلاء سے ۱۲۸۲ھ میں اس مسئلہ میں میرا مباحثہ ہوا کہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یا سنت مؤکدہ علی العین؟ اور پہلے قول کے مطابق آیا وہ نماز جنازہ کی طرح اہل شہر کے حق میں سنت کفایہ ہے یا جماعت تراویح کی طرح ہر محلے والوں پر سنت کفایہ ہے؟ اس موضوع میں جس کے جو سمجھ میں آیا کتب فقہ سے مراجعت کئے بغیر اس نے اپنی بات کہی میں نے مقصود کے اثبات اور ایضاً حقیقت کے لئے قلم اٹھایا۔

مولوی محمد عبدالباقی نے لکھا ہے کہ علامہ نے اس کتاب میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اعتکاف نذر مان لینے اور شروع کر دینے سے واجب ہو جاتا ہے اور رمضان کے آخری عشرہ میں تمام شہریوں کے ذمہ اعتکاف سنت مؤکدہ کفایہ ہے اور دوسرے دنوں میں مستحب ہے۔

اس مفید مختصر رسالہ کی تالیف سے ۹ رمضان المبارک بروز یکشنبہ ۱۲۸۲ھ کو فارغ ہوئے۔

۱۔ یہ اختلاف قیام حیدرآباد دکن کے زمانہ میں مشافہتہ ہوا، دیکھئے: الإسعاف بتحشیة الإنصاف، رمضانپوری، (ص ۸۶)۔ ۲۔ دیکھئے: الإنصاف في حكم الاعتكاف، لکھنوی، (ص ۸۵)۔ ۳۔ حسرة الفجول، محمد عبدالباقی، (ص ۳۳)۔

اس کا حاشیہ مولوی محمد عبدالغفور رمضان پوری نے ”الإسعاف بتحشية الإنصاف“ کے نام سے لکھا ہے، مولوی نے رسالہ کی مغلق و مبہم جگہوں پر عمدہ حاشیہ لکھا ہے اور رسالہ میں مذکور رجال و روایات کے احوال بیان کئے ہیں۔

بڑے سائز کے سات صفحات پر مشتمل یہ مختصر سا رسالہ پانچ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں چھپا، عمر رضا کحالی نے علامہ کے والد کی مؤلفات کے ضمن میں اس کا ذکر کر کے غلطی کی ہے۔^۱

(۲۱) تحفة الأخيار في إحياء سنة سيد الأبرار:

مشہور نام ”إحياء السنه فيما يتعلق بالسنة“ ہے: بسملة کے بعد اس طرح عبارت ہے: میں اپنے مالک و مولیٰ اللہ کی اس انعام پر تعریف بیان کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تمہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ قادر مطلق ہے..... الخ، پھر رسالہ کا موضوع اور خط ذکر کیا ہے جسے تین اصل اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا ہے، اصل اول میں وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جو صحابہ خصوصاً خلفائے اربعہ کی روش اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہیں، اصل دوم میں سنت مؤکدہ اور سنت مطلقہ کی تعریف میں فقہاء اور علماء اصول کی عبارتیں اپنے تبصرہ کے ساتھ ذکر کی ہیں اور اصل سوم میں سنت مؤکدہ کے عمل اور ترک کا حکم بیان کیا ہے۔

خاتمہ میں نماز تراویح کا حکم، متعلقہ مسائل اور احادیث و آثار لائے ہیں، مزید اس سلسلہ میں علماء کے اقوال کو موضوع بحث بنا کر قول راجح متعین کیا ہے۔

مولوی محمد عبدالباقی لکھنوی کہتے ہیں کہ علامہ نے اس کتاب میں مولوی محمد

۱۔ معجم المؤلفین، عمر رضا کحالی، (۱۲۹/۱۲)۔

بشیر سہوانی کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ آٹھ رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے اس سے زائد مستحب ہے اور آٹھ رکعت سے زائد کی مسنونیت کا قائل شیطان اور خواہش نفس کا تابع ہے جس کی گمراہی میں کوئی شک نہیں ۱۔

علامہ اس رسالہ کی تالیف سے جمعرات کی شب ۲۸ ذی القعدہ ۱۲۸۸ھ میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ آٹھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع یوسفی سے چھپا پھر ۱۵۳ صفحات کی ضخامت پر ۱۳۰۵ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوا، اخیر میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق سے مزین ہو کر ۱۲۱۲ھ میں دارالقلم بیروت سے اس کا انتہائی نفیس عمدہ ایڈیشن شائع ہوا۔

(۲۲) تحفة الثقات في تفاضل اللغات:

علامہ نے یہی نام ”آ کام النفائس في أداء الأذکار بلسان الفارس“ ۲ میں ذکر کیا ہے ”النافع الكبير“ میں اس کتاب کا نام ”رسالة في تفاضل اللغات بعضها على بعض“ لکھا ہے ۳۔

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ لکھنوی کا ارادہ مختلف زبانوں عربی، سریانی، عبرانی، فارسی، ہندی کی آپسی نسبت، ان زبانوں کی تاریخ، ایک کی دوسرے پر افضلیت نیز ان زبانوں کی مدح و مذمت کے سلسلے میں وارد احادیث و آثار کو جمع کرنا تھا ۴ لیکن افسوس یہ کتاب پایہ تکمیل کو نہ پہنچی علامہ کے شاگرد حفیظ اللہ بندوی نے لکھا ہے ۵

۱۔ حسرة الثول، محمد عبدالباقی لکھنوی، (ص ۴۰)۔

۲۔ دیکھئے: آ کام النفائس في أداء الأذکار بلسان الفارس، لکھنوی، (ص ۴۸)۔

۳۔ النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۵۳)۔ ۴۔ دیکھئے: آ کام النفائس، (ص ۴۸، ۵۵)۔

۵۔ کنز البرکات، بندوی (ص ۲۲)

مجھے اس کتاب کا کوئی نسخہ حاصل نہ ہو سکا۔

علامہ لکھنوی نے شرح حصن حصین میں اس موضوع کی ایک دوسری کتاب جس کا نام ”الإعلان بأسرار اللسان“ ہے ذکر کیا ہے ممکن ہے یہ دونوں کتابیں ایک ہوں، کیونکہ بہت سی کتابوں کی ابتدائے تالیف میں ایک متعین نام کا فیصلہ نہیں کیا جاسکا، ابتدا میں وہ کسی نام کا انتخاب کرتے ہیں پھر تکمیل کے بعد نام بدل کر دوسرا نام تجویز فرماتے ہیں، جس سے ایک کتاب کے کئی نام ہو جاتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ شرح حصن حصین ۱۲۸ھ میں طبع ہوئی اور ”آکام النفائس“ کی تالیف سے ۱۲۹۲ھ میں فارغ ہوئے، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یقینی طور پر یہی وہ کتاب ہے جسے علامہ لکھنوی نے ”آکام النفائس“ یا ”تحفة الثقات“ کے نام سے تالیف کیا تھا۔

(۲۳) تحفة الطلبة في تحقيق مسح الرقبة:

آغاز اس طرح ہے: تمام تعریف اس آقا کے لئے ہے جو تمام گردنوں کا مالک ہے اور درود اس کے رسول پر جو احکام کے ساتھ مبعوث ہوئے اور اس کے آل و اصحاب پر جو رہنما اور رہبر ہیں۔

سبب تالیف یہ لکھا ہے کہ مجھ سے وضو میں گردن کے مسح کا مسئلہ دریافت کیا گیا آیا گردن کا مسح سنت ہے یا مستحب یا بدعت؟ اور کیا اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح یا صریح اثر ہے یا یہ بدعت محض ہے؟ جس کی شرع مبین میں کوئی اصل نہیں، لہذا میں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا۔

۱۔ تحفة الطلبة في تحقيق مسح الرقبة، لکھنوی، (ص ۵۵)، (مجموعہ تحفة الطلبة)۔

یہ رسالہ دو فصلوں پر مشتمل ہے، فصل اول میں مسح رقبہ کی احادیث درجہ صحت و ضعف کی وضاحت کے ساتھ بیان کی ہیں اور فصل دوم میں مختلف اقوال اور متعلقات پیش کئے ہیں۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: اس رسالہ میں ضعیف الاسناد احادیث ہیں، علامہ نے ان احادیث سے استدلال کر کے مسح رقبہ کے استحباب میں اقوال فقہاء نقل کئے ہیں کیونکہ احادیث ضعیفہ اثبات فضیلت کے لئے کافی ہیں، علامہ نے آخر میں لکھا ہے کہ مجھے مسح رقبہ کی کیفیت پر کوئی صریح حدیث نہیں ملی سوائے اس کے کہ ابو داؤد^۱ کی روایت سے سر کے مسح کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو سر کے پچھلے حصے کی طرف لے جانا مستفاد ہوتا ہے^۲۔

علامہ لکھنوی نے یہ رسالہ ایک ہی نشست میں بدھ کے روز ۹/رجب ۱۲۸ھ میں لکھا، ۹ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ سب سے پہلے مطبع مصطفائی پھر ۱۳۰ھ میں مطبع یوسفی لکھنؤ سے چھپا۔

(۲۴) تحفة الکملة علی حواشی تحفة الطلبة:

یہ رسالہ ”تحفة الطلبة في تحقيق مسح الرقبة“ کے متعلق تعلیقات پر مشتمل ہے، علامہ نے اس میں بعض مسائل، نام اور احادیث کا اضافہ تو کیا ہی ہے اس کے مشکل مقامات کی مزید شرح و توضیح بھی فرمائی ہے۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: اس عمدہ حاشیہ کا مقصد مسلک مطلوب کی مزید تائید و

۱۔ دیکھئے: بذل الحجو و شرح سنن أبي داود، (۳۰۹/۱)۔

۲۔ حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۳۳)۔

اثبات ہے،^۱ یہ حواشی اصل رسالے کے ساتھ طبع ہوئے ہیں، اس کی ضخامت بھی اصل رسالہ کے برابر ہے۔

(۲۵) تحفة النبلاء في جماعة النساء:

کتاب کا آغاز اس طرح ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں سیدھی راہ دکھائی، اگر اللہ ہم کو سیدھا راستہ نہ دکھاتا تو ہم راہ یاب ہونے والے نہ تھے، جس نے علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا، ان کے درجات بلند کئے، اجر و ثواب دو چند کیا اور بڑی فضیلت عطا کی..... الخ۔

سبب تالیف لکھتے ہیں کہ بیچ وقتہ نمازوں اور دیگر نمازوں میں تنہا عورتوں کی جماعت کا مسئلہ اٹھا تو میں نے اسے موضوع تالیف بنایا،^۲ لکھتے ہیں کہ میں نے اس رسالہ کو اہم مقاصد پر مشتمل مرصداً پر ترتیب دیا ہے، مرصد اول میں وہ اخبار و آثار ہیں جو فرائض و نوافل میں تنہا عورتوں کی جماعت کی مشروعیت اور امامت کی حالت میں ان کے قیام کی کیفیت کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں، اور مرصد دوم میں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ذکر کر کے ان کی آراء و دلائل کو موضوع بحث بنایا ہے، مرصد سوم میں مسلک احناف سے متعلق فوائد ذکر کئے ہیں۔

بدھ کے روز ۱۸ محرم الحرام ۱۲۹۵ھ میں اس تالیف سے فارغ ہوئے۔

یہ رسالہ ۱۲۹۹ھ میں سات رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی سے طبع ہوا، جس پر علامہ کے شاگرد مولوی محمد عبدالغفور رمضان پوری کے مختصر حواشی تھے، یہ

۱۔ حسرة الخول، محمد عبدالباقی، (ص ۳۳)۔

۲۔ تحفة النبلاء، (ص ۲۳)۔

۳۔ تحفة النبلاء، (ص ۲۳)۔

رسالہ اوسط سائز کے دس صفحات پر مشتمل ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری میں ۱۹۵۷/۳۵ نمبر سے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے۔

(۲۶) التحقیق العجیب فی التثویب:

رسالہ کا آغاز یوں ہوتا ہے: اے میرے پروردگار! تیرے لئے اتنی تعریفیں ہیں جو تیرے احسان و انعام کے مساوی ہوں، میں کیسے تیری حمد بیان کروں! تو نے نہایت عمدہ طریقے پر ہماری پرورش کی ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو بہت سننے والا، دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے..... الخ۔

کتاب کا نام اور موضوع ذکر کرنے کے بعد ”تثویب“ کے لغوی معنی واضح کیے ہیں، لکھا ہے کہ کبھی ”اقامت“ کو ”تثویب“ کہا جاتا ہے، جیسا کہ ابو ہریرہ کی روایت میں جس کی تخریج بخاری و مسلم دونوں نے کی ہے آیا ہے، پھر بیان کیا ہے کہ کبھی ”الصلوة خیر من النوم“ کو ”تثویب“ کہا جاتا ہے، اور اس سلسلے میں صحیح و ضعیف کا حکم لگاتے ہوئے احادیث و آثار پیش کی ہیں، ”تثویب“ کے اصطلاحی معنی کے بیان میں ہے کہ تثویب اذان و اقامت کے درمیان ”اعلان“ سے عبارت ہے چاہے ”حی علی الفلاح“ کے ذریعہ ہو یا ”قد قامت الصلوة“ یا ”الصلوة“ کے ذریعہ، یا یہ اعلان کھانس کر یا پکار کر یا کسی اور ذریعہ سے ہو۔ پھر علماء کے اقوال اور ہر فریق کے دلائل پیش کر کے ان پر بحث کی ہے۔

۱۔ صحیح بخاری، باب فضل التّأذین، (۱۵۱/۱)، صحیح مسلم، باب فضل الأذان، (۲۹۱/۱)۔

۲۔ التحقیق العجیب، لکھنوی، (ص ۶)۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: علامہ نے تین اقوال ذکر کئے ہیں (۱) فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں کراہت کا قول (۲) تمام نمازوں میں امراء کے لئے جواز کا قول، یہ قول ابو یوسفؒ کا ہے اور (۳) تیسرا قول مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں استحسان کا، یہ متاخرین کا مسلک ہے اخیر میں اقسام بدعت کے ذکر پر مشتمل تتمہ ہے ۱۔

رجب ۱۲۸۷ھ بروز منگل اس تالیف سے فارغ ہوئے، ۱۱ صفحات پر مشتمل پر یہ رسالہ آٹھ رسائل کے مجموعے کے ساتھ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوا۔

(۲۷) تدویر الفلک فی حصول الجماعة بالجن والملك:

بسملہ کے بعد آغاز اس طرح ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا اور اس کے قائم کرنے والے کو فضل و کمال سے نوازا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے آسمان اور زمینوں میں کوئی اس کا شریک نہیں..... الخ۔

پھر علامہ نے رسالہ کا خطہ ذکر کے دو فصلوں پر تقسیم کیا ہے، فصل اول میں جنوں کی جماعت کے مسئلہ کو بیان کر کے فقہاء کے نصوص مذکور کئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی جنوں کی اقتدا کرے تو اس کی جماعت درست ہوگی، پھر جنوں کا انسانوں کی اقتدا اور ان کی جماعت کے درست ہونے کے مسئلہ کو بیان کیا ہے اور بہت سے آثار و اخبار و نصوص سے جنوں کی انسانوں کے ساتھ جماعت درست ہونے کو ثابت کیا ہے، اس فصل کے اخیر میں انسانوں کی طرح عبادات میں جنوں کے مکلف ہونے کے مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے، فصل ثانی میں فرشتوں کے ساتھ جماعت

کے اعتبار کا مسئلہ اٹھایا اور دو بنیادی مسئلوں پر گفتگو کی ہے، پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ فرشتوں کا انسانوں کی اقتدا کرنا جائز ہے اور جماعت منعقد ہوگی یا نہیں؟ علامہ نے جماعت کے اثبات پر دلالت کرنے والے بہت سے اخبار و آثار پیش کئے ہیں، دوسرا مسئلہ انسانوں کا جنوں کی اقتدا کرنا، اس سلسلے میں بہت سے اخبار و آثار جمع کئے ہیں اور یہ بھی بیان کیا کہ علماء نے اسے کس حد تک قبول اور کتنا رد کیا ہے۔

یہ کتاب ۲۴ / محرم ۱۲۹۵ھ بروز منگل مکمل ہوئی، اور آٹھ رسائل کے مجموعے کے ساتھ ۱۳۰۲ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوئی، ضخامت اوسط سائز کے ۱۴ / صفحات تھی۔

(۲۸) ترویج الجنان بتشریح حکم شرب الدخان:

بسملہ کے ساتھ اس طرح کتاب کا آغاز ہوتا ہے: ”میں خالق انس و جن کی تعریف بیان کرتا ہوں اور اس ذات کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے انسانوں کو پیدا کیا اور بیان سکھایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، ایسی گواہی جو ہمیں عذاب دخان سے نجات دے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جو بنی نوع انسانی کے سردار ہیں..... الخ۔“ علامہ نے کتاب کا موضوع ذکر کر کے لکھا ہے: یہ مفید رسالہ اس بدعت کے حکم کے سلسلے میں ہے جو پچھلی صدیوں میں رونما ہوئی جس پر تقریباً تین سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔

علامہ نے سبب تالیف میں فرمایا کہ جس چیز نے مجھے آمادگی دلائی کہ میں اس موضوع پر لکھوں وہ یہ تھی کہ علماء اس بدعت کے آغاز سے لے کر آج تک اس کے حکم

میں مختلف آراء رکھتے ہیں، مجھ سے کئی مرتبہ پوچھا گیا کہ یہ تمباکو نوشی جائز ہے یا نہیں؟ میں نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ اس کی حرمت کا حکم لگانا حد افراط میں داخل ہوگا اور مطلق اباحت کا قول زمرہ تفریط میں آئے گا، میرا فتویٰ یہ ہے کہ تمباکو نوشی کراہت کے ساتھ جائز ہے لہذا اس سلسلے میں نے ایک رسالہ قلمبند کرنے کا ارادہ کیا، جس میں ہر پہلو پر گفتگو ہو۔

پھر خطہ ذکر فرمایا ہے جس میں ایک مقدمہ، پانچ ابواب اور ایک خاتمہ شامل ہے، مقدمہ میں تمباکو نوشی کی ابتداء، استعمال کے مختلف طریقے، ہر طریقہ کا نام، تمباکو کی حقیقت اور اس کے فوائد و نقصانات بیان کئے ہیں، باب اول میں تمباکو نوشی کی ممانعت، حرمت، کراہت اور اباحت کے تعلق سے فقہاء کی مختلف روایات شامل ہیں، باب دوم میں ان وجوہ کا تذکرہ ہے جن پر ممانعت کا قول اختیار کرنے والوں نے ممانعت کی بناء رکھی ہے، اسی طرح ان دلائل کی تنقیح بھی کی گئی ہے جو جواز کا قول اختیار کرنے والے فقہانے پیش کئے ہیں، باب سوم میں روزے کی حالت میں تمباکو کا حکم بیان کیا گیا ہے، باب چہارم میں علت و حرمت سے متعلق متفرق فوائد ہیں، باب پنجم میں تمباکو کی کھیتی کا حکم مذکور ہے اور خاتمہ میں قہوہ نوشی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

علامہ لکھنوی نے قیام حیدرآباد کے زمانے میں یہ رسالہ بروز شنبہ دس رمضان ۱۲۹۲ھ کو لکھا، اس وقت وہ سفر حج کے لئے تیار تھے، مجموعہ رسائل خمسہ کے ساتھ یہ رسالہ فل سائز کے ۳۳ صفحات پر مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں شائع

۱۔ ترویج الجنان، لکھنوی، (ص ۲)، (مجموعہ رسائل خمسہ)۔

۲۔ حسرة الفجول، محمد عبدالباقی، (ص ۳۱)۔

ہوا اس سے ملحق علامہ کا ایک حاشیہ بھی ہے جس میں بعض ناموں اور غیر واضح مسائل کی توضیح و تشریح فرمائی گئی ہے۔

(۲۹) حاشیة نور الایمان بزیارة آثار حبیب الرحمان:

”نور الایمان بزیارة آثار حبیب الرحمان“ زیارت روضہ اقدس سے متعلق علامہ کے والد محمد عبدالحلیم انصاری کی تالیف ہے، علامہ نے اس کتاب پر حاشیہ لکھ کر اس کے پیچیدہ فقہی مسائل کی توضیح اور کچھ ناموں اور جگہوں کی لغوی تحقیق فرمائی ہے، یہ حواشی بہت مختصر ہیں جو ”نور الایمان“ کے ساتھ مطبع علوی لکھنؤ سے طبع ہوئے ہیں۔

(۳۰) حاشیة القول الجازم:

”القول الجازم فی سقوط الحد بنکاح المحارم“ کا حاشیہ ہے اس میں متن میں آئے ناموں کے حالات، بعض غریب الفاظ کی شرح اور کچھ مسائل کی مزید وضاحت کی گئی ہے، یہ حاشیہ اصل کتاب کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

(۳۱) جمع الغرر فی رد نشر الدرر:

کتاب کا آغاز یوں ہے: تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنی مخلوق میں اپنے رسولوں اور انبیاء کو خاص شرف سے نوازا، ان میں خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ ذات والا صفات سب سے کامل و مکمل ہے جو اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامل معجزات و آیات عطا فرمائی ہیں..... الخ۔

علامہ لکھنوی نے یہ رسالہ احمد علی مصطفیٰ آبادی کی تردید میں لکھا، محرک یہ ہوا کہ مولانا عبدالحلیم انصاری نے اپنے رسالہ ”نظم الدرر فی سلك شق القمر“ میں معجزہ شق القمر کو موضوع بنایا اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی ”تقہیمات“ سے ایک عبارت نقل

کی جس کے ظاہر سے معجزہ شق القمر کا انکار مفہوم ہوتا تھا، مولوی احمد علی مصطفیٰ آبادی نے ”نثر الدرر“ کے نام سے ایک رسالہ علامہ عبدالحلیم انصاری کی تردید میں لکھا، جب یہ رسالہ ان کو ۱۲۸۲ھ میں ملا تو انہوں نے علامہ عبدالحی اور مولوی وکیل احمد سکندر پوریؒ کو اس کا جواب لکھنے پر مامور کیا، علامہ نے ایک جامع رسالہ قلمبند کر کے احمد علی کی ان تمام غلطیوں پر تنبیہ کی جو زبان و معنی ہر دو لحاظ سے تھیں۔

مولوی وکیل احمد نے بھی ایک رسالہ لکھ کر مصطفیٰ آبادی کی غلطیوں پر تنبیہ کی، خود علامہ عبدالحلیم نے بھی مصطفیٰ آبادی کے اغلاط و اوہام پر کچھ مختصر نوٹ قلم بند کئے، چونکہ وہ حیدرآباد کی عدالت دیوانی کے انتظام میں مشغول تھے، اس لئے یہ سلسلہ رک گیا۔^۱

علامہ عبدالحلیم اور مولوی احمد علی مصطفیٰ آبادی کی وفات تک یہ رسالہ مسودہ کی شکل میں رہا، علامہ لکھنوی نے بھی طباعت کی ضرورت نہ سمجھی، پھر ایک رسالہ مولوی عبداللہ ٹونکی نے اسی موضوع پر فارسی میں ”السيف الماضي لقطع قول منكر انشقاق القمر في الماضي“ کے نام سے تالیف کیا اور رطب و یابس تمام روایات جمع کر دیں، اس موقع پر علامہ لکھنوی نے اپنے تالیف کردہ رسالے کی اشاعت کو ضروری سمجھا، انہوں نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ ”میرے علم میں ایک فارسی رسالہ آیا جس کے مؤلف نے ”نظم الدرر“ کے عمدہ فوائد و نکات اور ”نثر الدرر“ کی گھٹیا خرافات سب کو اپنے رسالہ میں جمع کر کے گویا اپنی مہارت کی دلیل دی ہے اور تقہیبات کی عبارت کی تحقیق میں نثر الدرر کے افادات کی تقلید کی، لیکن اتنی سی بات

۱۔ وکیل احمد بن قلندر حسین حنفی سکندر پوری، شاگرد علامہ عبدالحلیم لکھنوی، ان کی بہت سی تصنیفات ہیں، ۱۳۳۲ھ میں وفات پائی، دیکھئے: نزہۃ الخواطر، (۵۱۷/۸)۔

۲۔ جمع الغرر فی رد نثر الدرر، لکھنوی، (ص ۳۱)۔

نہیں سمجھ سکے کہ یہ کم نگاہی اور سطحی فکر کا نتیجہ ہے لہذا میں نے اپنے تالیف کردہ رسالے کو شائع کرنے کا ارادہ کیا، تاکہ کوئی نادان ”نثر الدرر“ سے دھوکہ نہ کھا جائے۔^۱

بروز دو شنبہ ۲۹/رجب ۱۲۹۸ھ میں وہ اس تالیف سے فارغ ہوئے یہ رسالہ آٹھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع چشمہ فیض سے ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوا، جس کے آخر میں علامہ عبدالحکیم انصاری کے وہ نوٹ بھی شامل ہیں جو انہوں نے ”نثر الدرر“ پر لگائے تھے اس رسالہ کی کل ضخامت ۲۲ صفحات ہے۔

(۳۲) حاشیة الجامع الصغير:

جامع صغیر کا شمار فقہ حنفی میں امام محمد کی اہم ترین کتابوں میں ہوتا ہے، یہ پہلے طبع ہو چکی تھی، علامہ لکھنوی نے اپنی تحقیق سے آراستہ کر کے دوبارہ شائع کیا، مطبوعہ نسخہ کا ایک قدیم مخطوطہ نسخے سے جو ان کے علم میں آیا موازنہ، بعض مفید حواشی کا اضافہ اور کتاب کے بہت سے مسائل سے ابہام کا ازالہ کیا گیا۔

یہ حاشیہ جامع صغیر کے ساتھ ملحق ہو کر مطبع مصطفائی سے ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا۔
(۳۳) حاشیة ہدایة ۲: ہدایہ اولین کی ابتداء میں علامہ نے مقدمہ ہدایہ کا

۱۔ جمع الغرر فی رد نثر الدرر، لکھنوی، (ص ۳۰)، (مجموعہ آٹھ رسائل)۔

۲۔ یہ امام وفیق، حافظ و محدث، مفسر و محقق، زاہد و عابد اور عالم با کمال برہان الدین علی بن ابوبکر عبدالجلیل فرغانی مرغینانی کی تالیف ہے، ۵۹۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا، سمرقند میں تدفین ہوئی، آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں، ان میں ایک اہم نام ”البدایة“ کا ہے، آپ نے اس کتاب میں ”مختصر قدوری“ اور ”جامع صغیر“ کے مسائل جمع کئے، پھر اسی جلدوں میں ”الکفایہ“ کے نام سے شرح لکھی، پھر مختصر کر کے ”ہدایہ“ کا نام دیا، دیکھئے: مقدمہ ہدایہ، لکھنوی، (ص ۲)، الفوائد البہیة، لکھنوی، (ص ۱۳۴۱) الجواهر المضیئة، قرشی، (۳۸۳/۱)۔

ضمیمہ لکھا اور مقدمہ کا تذکرہ ہدایہ اخیرین کی ابتداء میں کیا ہے اور بغیر کسی تمہید اور حمد و ثناء کے بات شروع کر دی، گویا مقدمے پر اکتفا فرمایا ہے، ہدایہ اولین کا حاشیہ علامہ لکھنوی کا ہے، جیسا کہ خاتمة الطبع سے ظاہر ہوتا ہے، جس میں ناشر نے ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جن سے علامہ نے حاشیہ لکھنے میں مدد لی ہے۔

ہدایہ آخرین کا حاشیہ علامہ کے والد مولانا محمد عبدالحلیم کا تحریر کردہ ہے خود اس بات کی صراحت علامہ لکھنوی نے ”خاتمة الطبع“ میں کی ہے، ہاں علامہ نے اس پر بعض اضافے فرمائے ہیں، یہ حاشیہ ہدایہ کے ساتھ ملحق ہو کر مطبع مصطفائی سے علامہ کی زندگی ہی میں کئی مرتبہ طباعت کے مرحلے سے گزرا، پھر مطبع یوسفی لکھنوی سے ۱۳۲۲ھ میں طبع ہوا۔

(۳۴) حسن الولاية بحل شرح الوقایة ۱:

یہ طالب علمی کے زمانہ کی تالیف ہے جب وہ والد ماجد سے شرح وقایہ پڑھتے تھے، یہ درحقیقت وہ نوٹس ہیں جو دوران سبق والد ماجد صاحب تعلیم فرماتے تھے، علامہ نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ”تیرہویں صدی کی آٹھویں دہائی میں جب میں والد ماجد سے شرح وقایہ پڑھتا تھا تو ان کے حکم سے بعض مشکل مقامات کے حل پر مشتمل نوٹس لکھے تھے جو شرح وقایہ کے نصف اول کا احاطہ کرتے ہیں“ ۱۔

۱۔ ”وقایہ“ بلند پایہ، عالم، محقق بے مثال علامہ تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ احمد بن عبید اللہ جمال الدین عبادی مجوبی بخاری کی تصنیف ہے، یہ دراصل ”ہدایہ“ کے مسائل کا انتخاب ہے، جہاں تک وقایہ کی شرح کا تعلق ہے تو وہ فقیہ و اصولی، محدث و مفسر عبید اللہ صدر الشریعہ بن مسعود بن محمود تاج الشریعہ کی کاوش ہے، جن کا انتقال ۱۲۴۷ھ میں ہوا، دیکھئے: الفوائد البھیة، لکھنوی، (ص ۱۰۹، ۲۰۷)، النافع الکبیر، (ص ۱۱۵)، (مجموعہ چھ رسائل)۔

۲۔ السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، لکھنوی، (ص ۳)۔

(۳۵) ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان:

بسملہ کے بعد اس طرح ابتدا ہوتی ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے افضل انسانیت کو مبعوث کر کے جاہلیت کا قلع قمع کر دیا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لئے اعلیٰ درجات مقرر کئے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا و تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، ایسی گواہی دیتا ہوں جو ہمیں کمترین منزلوں سے نجات دے..... راجح۔

علامہ نے تالیف کا سبب لکھا کہ یہ عبارتیں جو رمضان کے آخری جمعہ میں چار رکعت پڑھ کر قضائے عمری پر دلالت کرتی ہیں، ان سے میرے شاگرد فاضل ذی شان عالم جلیل مولوی ابوالطیب احمد بن مولوی عبداللہ سکندر پوری ہزاروی نے مطلع کیا اور اس موضوع پر ایک رسالہ لکھنے پر اصرار کیا۔

چنانچہ شاگرد کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے ان جہلا کی تردید میں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو رمضان کے اخیر جمعہ میں پانچ نمازیں باجماعت اذان و اقامت کے ساتھ پڑھ لے، اس کی تمام چھوٹی ہوئی نمازوں کے لئے یا اس کے آباء و اجداد کے لئے کفارہ بن جاتی ہیں، یہ مختصر مفید رسالہ تالیف فرمایا اور اس بے بنیاد، باطل عقیدے کی قلعی کھول دی۔

علامہ نے شروع میں بعض کتابوں سے قضائے عمری پر دلالت کرنے والی کچھ عبارتیں نقل کی ہیں پھر بہت سی صحیح احادیث اور متعدد ناحیوں سے اس عقیدے کو غلط ثابت کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ اس طرح کی عبارات و روایات جو کسی باطل خیال اور

جاہلانہ عقیدے کو فروغ دیتی ہیں ان کے مرتبین و روایات کی تحقیق و درایت لازمی ہے پھر وضع حدیث کے اسباب اور اس کی معرفت کے طریقے بیان کئے ہیں۔

اسی طرح رمضان کے اخیر جمعہ کی کچھ دیگر خرافات کا تذکرہ کیا ہے، جیسے رمضان کے اخیر جمعہ میں وثیقہ لکھنا جو ڈوبنے، چوری، آتش زدگی اور دیگر آفتوں سے حفاظت کا ضامن ہوتا ہے، اسی طرح رمضان کے رخصت ہونے کے غم میں ہندی اور فارسی اشعار پڑھنا۔

اس تالیف کو شب دوشنبہ ۲۷ صفر ۱۲۹ھ میں مکمل کیا، یہ کتابچہ بڑے سائز کے ۱۳ صفحات پر مشتمل پانچ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوا۔

(۳۶) رفع الستر عن كيفية إدخال الميت وتوجيهه إلى القبلة في القبر:

بِسْمِ اللّٰهِ كَعْبِدُ لَكِهْتِي هِي: ميں اس ذات كى حمد و ثنا بيان كرتا هوں جس نے موت كو هر سوتے جاگتے كے لئے سامان عبرت بنايا اور اس هستى عالى مقام كا شكر ادا كرتا هوں جس نے كعبه مشرفه كو تمام انس و جن كے زندوں، مردوں كا قبله بنايا..... إلخ۔

اس كتابچہ كو تحریر ميں لانے كا سبب اور موضوع بيان كرتے هوئے لكھا ہے كه ”مجھ سے قبر ميں ميت كو قبله رو كرنے كى كيفيت كے بارے ميں پوچھا گیا تو ميں نے جواب ديا كه احناف و شوافع كے نزديك دائيں پہلو پر لٹانا مسنون ہے، پھر ميرے ذهن ميں اس مسئلہ پر ايك مختصر سا رسالہ لكھنے كى بات آئى جس ميں ميت كو قبله رو كرنے، قبر ميں اتارنے اور اس كى كيفيت كى نصوص كے ساتھ ميت كو قبر ميں داخل

کرنے کی تحقیق بھی ہو، اے۔

اس رسالہ کی ترتیب دو مقصد اور ایک خاتمہ پر رکھی گئی ہے، مقصد اول میں میت کو قبر میں داخل کرنے کی کیفیت، دلائل اور اختلافِ مسالک کا تذکرہ ہے، مقصد دوم میں قبر میں میت کو رکھنے اور قبلہ رو کرنے کی کیفیت اور فقہاء کے اقوال و آراء اور دلائل کو بحث و تمحیص کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اس کتابچہ کی تالیف بروز پنجشنبہ ۲ رجب الثانی ۱۲۸۶ھ میں مکمل ہوئی، ۱۴ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ چھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع دہلہ احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوا ہے، اصل رسالہ کے ساتھ مولانا محمد عبدالغفور رمضان پوری کے مختصر حواشی شامل ہیں۔

(۳۷) زجر أرباب الريان عن شرب الدخان:

یہ دو مقصد پر منقسم ایک مختصر رسالہ ہے اس کا سبب تالیف علامہ نے یہ بیان کیا ہے کہ ”میں لوگوں سے سنتا کہ کچھ لوگ رمضان کے مہینہ میں روزہ کی حالت میں بیڑی، سگریٹ پینے کو جائز قرار دیتے ہیں اور تمباکو نوشی سے ان کے یہاں روزہ باطل نہیں ہوتا تو میں نے اس امر کو خوب متفحیح کرنے کا ارادہ کیا“ ۲۔

مقصد اول میں تمباکو نوشی سے روزہ کی قضا کا وجوب اور مقصد دوم میں حالت صوم میں وجوب کفارہ کو ثابت کیا ہے ۳۔

اس رسالہ کی تالیف سے بروز جمعہ ۷ رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ میں فارغ

۱۔ رفع السنن عن كيفية إدخال الميت، لکھنوی، (ص ۱۵۶)، (مجموعہ رسائل)۔

۲۔ دیکھئے: زجر أرباب الريان عن شرب الدخان، لکھنوی، (ص ۲۳)، (مجموعہ رسائل نمبر)۔

۳۔ دیکھئے: کنز البرکات، ہندوی، (ص ۳۱)۔

ہوئے، یہ مختصر رسالہ جو فل سائز کے ۴ صفحات پر مشتمل ہے رسالہ ”ترویج الجنان بتشریح حکم الدخان“ لہ کے باب سوم کے بعد شامل ہے۔

(۳۸) زجر الشبان والشیبة عن ارتکاب الغیبة:

حمد وثنا کے بعد سبب تالیف بیان فرمایا کہ میں نے عوام و خواص کے اندر غیبت کا عام چلن دیکھا ہے وہ اسے معمولی سمجھ کر اس کے مرتکب ہوتے ہیں، میری نظر میں اس مسئلہ پر کوئی جامع رسالہ نہیں ہے چنانچہ میں نے اس رسالہ کو ترتیب دیا تاکہ لوگ اس گناہ کے ارتکاب سے بچیں۔

یہ رسالہ دو اصل پر مرتب ہے، اصل اول میں نو اصول بیان کئے ہیں جن میں غیبت کی تعریف، انواع و اقسام، علماء کی جائز کردہ صورتیں، غیبت کا حکم، اس کے نقصانات اور متعلقہ دیگر مسائل کے ساتھ بہت سے غیر متعلق مگر مفید مسائل بھی آگئے ہیں۔ اصل دوم؛ سماع غیبت کے لئے مختص ہے، یہ ثابت کیا گیا کہ جس طرح غیبت حرام ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی حرام ہے اور دیگر کچھ متعلقہ مسائل کا بیان ہے۔

رسالہ کا اختتام اس نتیجے پر ہوتا ہے جو ان مسائل کے دوران ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح دوران تالیف کی پیش آمدہ مشکلات، آیات و احادیث، آثار، اقوال علماء اور حکایات کے بیان کا نہج بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح اخیر میں مصادر و مراجع کی فہرست شامل کی گئی ہے، اس رسالہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ لکھنوی غیبت اور غیبت کے متعلقات سے تنبیہ و تحذیر کی خاطر آیات و احادیث و آثار، اقوال علماء اور حکایات شیخ سعدی وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔

جمادی الاولیٰ ۱۲۸۳ھ میں یہ رسالہ پائے تکمیل کو پہنچا، علامہ نے ”النافع الكبير“ میں رسالہ فی الزجر عن غیبة الناس کے نام سے ذکر کیا ہے، ۱۲۳۰ء صفحات پر مشتمل یہ رسالہ مطبع انوار محمدی لکھنؤ میں طبع ہوا جس کے آخر میں علامہ کے انتقال پر عبدالعلی آسی کا مرثیہ بھی شامل ہے۔

مؤلف کے خط کا تحریر کردہ ایک نسخہ جو چھوٹے سائز کے ۲۲۸ صفحات کو محیط ہے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مولانا آزاد لائبریری شعبہ مخطوطات فرنگی محل نمبر ۱۸۹/۹ موجود ہے۔

(۳۹) سباحة الفكر في الجهر بالذکر:

بسملہ کے بعد لکھتے ہیں: میں اس ذات کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں، شکر بجالاتا ہوں، جس نے ذاکرین کے لئے فضل عظیم تیار کیا اور عابدین کے لئے بڑا وعدہ فرمایا ہے، گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے..... الخ۔

پھر سبب تالیف، موضوع اور خطہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے مجھ سے ذکر باواز بلند کا مسئلہ پوچھا گیا کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہمارے اکثر فقہاء نے اگرچہ اس کی کراہت و حرمت کی تصریح کی ہے لیکن محقق فقہاء جب تک حد سے تجاوز نہ ہو جواز کا قول اختیار کرتے ہیں، ان کی دلیل اس مسئلہ میں وارد احادیث ہیں ۲۔

علامہ لکھنوی نے اس رسالہ کو ایک مقدمہ اور دو باب پر ترتیب دیا ہے، مقدمہ جہر و سر کی حد اور اس کے متعلقات کو شامل ہے جس میں اقوال فقہاء مع تعلیق مذکور ہیں۔ باب اول میں ذکر باواز بلند کا حکم مذکور کیا ہے، اس سلسلہ میں اقوال فقہاء

۲۔ سباحة الفكر، لکھنوی، (ص ۴۴)۔

۱۔ النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۵۳)۔

اور ٹھوس دلائل سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ذکر خفی ذکر جہری سے زیادہ افضل ہے، جہاں تک نہایت بلند آواز میں ذکر کا تعلق ہے تو یہ حدیث ”أربعوا على أنفسكم“^۱ کی وجہ سے ممنوع ہے، رہا وہ ذکر جہری جس میں آواز بہت بلند نہیں ہوتی تو یہ احادیث و آثار کی بنا پر جائز ہے۔

باب دوم میں علامہ نے ان مقامات کا ذکر کیا جن میں ذکر جہری ہوتا ہے جیسے اذان، تکبیر، تلاوت قرآن اور نماز کی تکبیرات وغیرہ، تہمتہ میں جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کے لئے باواز بلند ذکر کرنے کی کراہت بیان کی ہے۔

اس رسالہ سے بروز پنجشنبہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۲۸۷ھ میں فارغ ہوئے، سب سے پہلے یہ رسالہ چھ رسائل کے مجموعے کے ساتھ مطبع دبدبہ احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوا پھر ۱۳۲۳ھ میں ۴۹ صفحات کی ضخامت کے ساتھ مطبع یوسفی سے شائع ہوا اور ابھی حال ہی میں یعنی ۱۴۰۸ھ میں شیخ عبدالفتاح ابوغده کی تحقیق سے آراستہ ہو کر مکتب المطبوعات الاسلامیہ سے طبع ہوا ہے۔

(۴۰) السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة:

حمود ثنا کے بعد علامہ نے علم فقہ کا مقام و مرتبہ، صدر الشریعہ کی کتاب الوقایہ اور شرح الوقایہ کا فقہی کتابوں میں مقام و مرتبہ، اور علماء نے کس درجہ اس پر اعتنا کیا اور انہوں نے شرح الوقایہ کی شرح کیوں لکھی ان تمام امور پر گفتگو کی ہے۔
علامہ لکھنوی کا خیال ہے کہ شرح الوقایہ کے سابق شارحین کچھ خاص باتوں

^۱ صحیح بخاری، (۱۳۵/۶) مع فتح الباری کتاب السیر، صحیح مسلم، (۲۵/۱۷) مع شرح النووی کتاب الذکر، ترمذی، (۴۵۷/۵) کتاب الدعوات۔

پر زیادہ محنت صرف کرتے تھے جیسے اشکالات و اعتراضات لانا اور کثرت سے قیل و قال کے ذریعہ اظہار کمال کرنا، آسان جگہوں کی شرح پر اکتفا کرنا یا صرف مشکل مقامات کی تشریح کرنا اور اعتراضات کے جوابات دینا، گویا اصل مقصود یعنی مسائل کو دلائل کی بنیاد دینا اور معقول کو منقول سے ثابت کرنا اکثر کے یہاں مفقود ہے ۱۔

علامہ نے اس کتاب میں اپنا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اس شرح میں متن کی عبارتوں کو حل کیا ہے پھر عبارت کے متعلق جرح کی ہے اور مشہور و معتبر کتابوں سے مناسب فقہی جزئیات نقل کر کے فقہاء امت کے اختلاف میں معقولہ اور منقولہ دلائل ذکر کر کے تفصیلی گفتگو کی ہے، حدیث، رجال و علل کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا، یہ تمام تفصیلات افراط و تفریط سے بچتے ہوئے وضاحت، تنقیح، انصاف اور ترجیح کے ساتھ پیش کی ہیں، تعصب و تغلیط سے اجتناب برتا ہے، اس میں شک نہیں کہ جو شخص اس شرح کے لطیف نکات، اعلیٰ بحوث، عمدہ ترجیحات، بلند تطبیقات، اہم جزئیات، بے شمار فوائد، مشکل مقامات کی وضاحت، مذاہب و مسالک کا اختلاف، متفرق دلائل و شواہد کا جمع، مفتی بہ اور راجح مسلک کی تعیین اور دیگر فوائد و مصالح سے مطلع ہوگا وہ یہی کہے گا کہ یہ ایک بحر زار، گنج گراں مایہ اور ساحری ہے، حقیقت ہے کہ متقدمین نے متاخرین کے لئے کرنے کے کتنے کام چھوڑے ہیں ۲۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں کہ یہ ایک مفصل کامل و شامل شرح ہے جس میں اصل کی عمدہ تحقیق ہے، دلائل ہیں، منقولات کو معقولات کی اساس ملی ہے جزئیات کو اصول کے ذریعہ ضبط میں لایا گیا ہے، صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف اور ان کے

دلائل بیان کر کے موضوع بحث بنایا گیا ہے ۱۔

علامہ لکھنوی نے ”النافع الکبیر“ میں لکھا ہے: میں نے اب تک باب الأذان سے فصل الجماعة اور کتاب الطهارة سے باب التیمم تک شرح لکھی ہے اور اجزاء ۱۰۰ کو پہنچ گئے ہیں ۲۔ اور شرح مکمل بھی نہیں ہوئی۔

اس شرح کا پہلا جزء مطبع مصطفائی میں ۱۳۰۸ھ میں طبع ہوا پھر مطبع دی کاروان پریس پاکستان میں ۱۹۷۶ء میں طبع ہوئی پھر دوسری مرتبہ ۱۹۸۷ء میں طبع ہوئی۔

(۴۱) السعي المشکور في رد المذهب المأثور یعنی واضح الحججة في إبطال إتمام الحججة :

آغاز اس طرح ہے: تمام تعریفات اس ذات کے لئے ہیں جس نے انسانوں کو پیدا کیا بیان سکھایا اور درود ہو اس رسول پر جو عاصیوں کی سفارش کرے گا اور اس کے آل و اصحاب پر جو بلند ہمت جلیل الشان ہیں۔

مولوی بشیر سہوانی جنہوں نے اپنی کتاب ”المذهب المأثور في زیارة سید القبور“ یعنی إتمام الحججة علی من أوجب زیارة مثل الحججة“ میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ علامہ لکھنوی کی کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حج کی طرح زیارت کو واجب قرار دیتے ہیں، علامہ نے اسی کے رد میں اردو میں یہ رسالہ تالیف کیا۔

اور لکھا کہ یہ محض دعویٰ ہے جس کی دلیل نہیں، میں نے اپنے سابقہ رسالہ میں قبر اطہر کی زیارت کا وجوب و استحباب دونوں ذکر کیا ہے اور دلائل سے واجب کے قریب قول کو راجح قرار دیا ہے اور حج کی طرح وجوب کا قائل نہیں جیسا کہ سہوانی کا دعویٰ ہے۔

علامہ لکھنوی نے اس کتاب میں مولوی بشیر احمد سہسوانی کا حدیث وفقہ و اصول کے مختلف گوشوں سے تعاقب کیا ہے اسی طرح کچھ نئے امور جو اس دوران واضح ہوئے، ذکر فرمائے ہیں۔

۲۴ شوال ۱۲۹۴ھ جمعرات کے روز اس تالیف سے فارغ ہوئے، ۱۲۹۹ء صفحات کی یہ ضخیم کتاب ۱۲۹۶ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوئی۔

(۴۲) ظفر الأنفال علی حواشی غایۃ المقال :

یہ علامہ کے رسالہ ”غایۃ المقال فیما یتعلق بالنعال“ کا حاشیہ ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔

علامہ نے اس کتاب میں دو باتوں پر خاص توجہ دی ہے، (۱) ”غایۃ المقال“ میں مذکور رجال کے حالات زندگی لکھے، (۲) بعض مسائل سے متعلق اشکالات و ابہام کا حل و ازالہ، اس تعلق سے ۱۳ رجب ۱۳۰۳ھ بروز دوشنبہ فارغ ہوئے۔

(۴۳) عمدۃ الرعاۃ فی حل شرح الوقایۃ :

علامہ لکھنوی نے شرح وقایہ کو بغیر بسملہ اور حمد باری کے شروع کیا ہے یا تو اس لئے کہ مقدمہ میں اس کا ذکر آچکا ہے یا اس بسملہ پر اکتفا کیا جو شرح الوقایہ کی ابتدا میں آیا ہے۔

سبب تالیف: ”حسن الولاۃ بحل شرح الوقایہ“ کے تعارف میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ علامہ لکھنوی نے طالب علمی کے زمانہ ہی میں شرح الوقایہ کے حواشی لکھے تھے، بعد میں انہوں نے محسوس کیا کہ یہ اس قدر مختصر ہے کہ تشنگی باقی رہتی ہے تو ”السعاۃ“ کے نام سے ایک بڑی مفصل شرح لکھنی شروع کی پھر یہ دیکھا کہ اس شرح کی تکمیل میں بڑا

وقت لگے گا تو مختصر شرح پر اکتفا فرمایا۔

علامہ لکھنوی نے اپنا منہج بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے حل متن کا التزام کیا ہے، کتاب و سنت، آثار صحابہؓ یا اصول سے فقہی احکام کے دلائل ذکر کئے ہیں، ائمہٴ احناف کے اختلاف کو تو ذکر کیا ہے لیکن دیگر ائمہ کے اختلاف کا کوئی اہتمام نہیں کیا ہے، شرح میں شرح و متن کے مطالب، ان سے متعلقہ سوالات و جوابات کی خوب توضیح کر دی ہے اور موقع محل کے لحاظ سے بعض وہ جزئیات جن کی اکثر ضرورت ہوتی ہے پیش کی ہیں اور مسائل احناف پر وارد شبہات کا اشارہ و صراحتہٴ جواب دیا ہے۔

جلد اول کی تالیف سے ۱۶ جمادی الآخرة ۱۳۰۰ھ بروز منگل اور جلد دوم سے ۲۸ شوال ۱۳۰۲ھ بروز دوشنبہ کو فارغ ہوئے، طباعت دو جلدوں پر باریک حروف میں پتھر پر شرح الوقایہ کے ساتھ ہوئی، کل ضخامت فل سائز کے ۶۴۵ صفحات ہے۔

(۴۴) عمدة النصائح في ترک القبائح:

اس کتاب کو علامہ لکھنوی نے اردو میں لکھا ہے، بسم اللہ اور حمد باری سے شروع کرنے کے بعد سبب تالیف ذکر کیا، فرماتے ہیں: جب میں نے انسان کی دنیا و آخرت تباہ کرنے والی بہت سی برائیاں لوگوں میں رائج دیکھیں جیسے غیبت، چغلی، خود پسندی اور بغض و عداوت، اور ان علماء کو جو منبروں پر لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں خود بھی ان گناہوں میں ملوث پایا کہ وہ دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہیں اور خود کو بھول جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں پر ان کی باتیں اثر نہیں کرتیں، اسی خیال سے میں نے اردو میں ایک رسالہ تالیف کرنے کا ارادہ کیا تاکہ عوام و خواص ان

۱۔ دیکھئے: عمدة الرعاية، لکھنوی، (ص ۵)۔

گناہوں کی قباحت و شاعت کو سمجھ سکیں۔

علامہ لکھنوی نے عربی زبان میں ایک رسالہ ”زجر الشبان و الشیبة عن ارتکاب الغیبة“ کے نام سے لکھا ہے لیکن اس میں گفتگو غیبت پر مرکوز رہتی ہے مگر اس رسالہ میں انہوں نے امت میں پائے جانے والے بہت سے اخلاقی نقائص پر گفتگو کی ہے، مقدمہ کے بعد علامہ نے ان برائیوں کی وضاحت کی ہے، سب سے پہلے شراب کا اور اس سے ڈرانے والی احادیث کا بیان ہے، پھر حسد، قطع رحمی، بخل و حرص، صلہ رحمی، غیبت، تکبر، غصہ، جھوٹ، بے حیائی اور شیطانی وساوس کو موضوع گفتگو بنایا ہے، رسالہ کو ۹ مواعظ پر تقسیم فرمایا اور ترغیب و ترہیب کی احادیث بیان کی ہیں، فل سائر کے ۹۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دومرتبہ مطبع یوسفی لکھنؤ سے طبع ہوئی۔

(۲۵) غایة المقال فیما یتعلق بالنعال:

بسم اللہ سے آغاز ہونے کے بعد اس طرح ہے: ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں اے وہ ذات جس نے ہمیں تمام اقوام و امم سے بہتر امت بنایا اور تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تو اپنے حبیب، پیغمبر جن و انس اور ان کے آل و اصحاب پر اس وقت تک درود و رحمت نازل فرما جب تک آفتاب و مہتاب گردش میں رہیں۔

رسالہ کا موضوع، سبب تالیف اور خطہ ذکر کر کے لکھا ہے ”یہ رسالہ ایک مقدمہ دو باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، میں نے اس شر و فساد کے زمانہ میں محسوس کیا کہ لوگ دھڑلے سے نعال پہننے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح بھی ہونعال پہننا مباح ہے اور اس کا استعمال ہر طرح درست ہے اس خیال سے میں نے یہ رسالہ

تالیف کیا، مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ رسالہ مسائل و فوائد کا جامع ہوگا،^{۱۔}
 علامہ لکھنوی نے مقدمہ میں لفظ ”نعل“ اور اس کے متعلقات کی تحقیق کی ہے
 معتمد کتابوں پر اعتماد کر کے ”نعل“ کے لغوی معنی، اشتقاق، تانیث و تذکیر وغیرہ کو بیان
 کیا ہے، باب اول میں ”نعل“ سے متعلق تمام مسائل کو بالاستیعاب جمع کر لیا ہے،
 باب کو کئی فصلوں میں منقسم کیا ہے، فصل اول میں وضو میں نعل کا مسئلہ اور اس کے
 متعلقات بیان کئے ہیں فصل ثانی میں یہ گفتگو ہے کہ نجاست اگر ”خف“ یا ”نعل“ میں
 لگ جائے تو کیسے پاک کی جائے گی؟ فصل ثالث میں نعل پہن کر نماز پڑھنے کا حکم اور
 متعلقہ مسائل تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں پھر چوتھی فصل میں نعل پہن کر حج
 کرنے کا حکم اور دیگر مسائل ہیں، فصل پنجم جہاد، فصل ششم حدود، فصل ہفتم بیع و شرا کے
 سلسلہ میں ہے یعنی نعل بنوانا، بیچنا درست ہے یا نہیں؟ اور دیگر متفرق مسائل، فصل
 ہشتم خطر و اباحت اور متعلقہ مسائل کے سلسلہ میں ہے۔

باب ثانی میں دو فصلیں ہیں فصل اول میں نعل سے متعلق عادات نبویہ کا
 بیان ہے اس فصل میں کتب حدیث و شمائل و سیر سے شمائل نبوی کی روایات جمع کی ہیں
 فصل ثانی میں ان شعراء، قصیدہ خانوں اور داستان گو یوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے
 بہت سی ایسی چیزیں از خود وضع کی ہیں جن کی معتبر کتابوں میں کوئی اصل نہیں ملتی، اسی
 فصل میں علامہ نے نعل رسول اللہ ﷺ کی تاریخ بھی بیان کی ہے۔

رسالہ کا اختتام کلام عرب کے ان امثال کے ساتھ ہوتا ہے جو نعل اور منعل
 (نعل پہننے والا) کے ارد گرد گھومتی ہیں غرض علامہ نے اس رسالہ میں نعل سے متعلق

۱۔ دیکھئے: غایۃ المقال فیما یتعلق بالنعال، لکھنوی، (ص ۹۷)۔

تمام احکامات و مسائل کو تحقیق و تدقیق کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ نعل رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی گفتگو فرمائی جو شامل نبوی کا موضوع تھا۔

علامہ اس تالیف سے بروز جمعرات ۲۷ شعبان ۱۲۸۶ھ شہر حیدرآباد میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ آٹھ رسائل کے مجموعے کے ساتھ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوا، ضخامت ۶۵ صفحات ہے اور اس کے ساتھ علامہ کا حاشیہ ”ظفر الأ نفال“ جس کے متعلق پہلے گفتگو ہو چکی ہے شامل ہے۔

(۴۶) غیث الغمام علی حواشی امام الکلام:

بسملہ اور حمد باری کے بعد علامہ نے سبب تالیف ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھ سے بعض مخلص احباب اور باکمال دوستوں نے کہا کہ میں ”امام الکلام“ کا حاشیہ لکھوں جس میں وہ متفرق حواشی شامل کروں جو میں نے پہلے لکھے ہیں اور نئے فوائد و نکات کا اضافہ کروں تا کہ متعصبین اور کوتاہ ہمت افراد کے اشکالات دور ہوں، کالمیلین کو شرح صدر حاصل ہو۔ اس تالیف کو علامہ نے ۲۸ جمادی الثانیہ ۱۳۰۳ھ میں مکمل کیا، پہلے اس کا نام ”الفوائد العظام علی حواشی امام الکلام“ رکھا تھا جیسا کہ ”عمدة الرعایة“ کے مقدمہ میں مذکور ہے۔ پھر غالباً نام بدل کر ”غیث الغمام“ رکھا۔

علامہ لکھنوی نے رسالہ ”امام الکلام“ میں بہت سے فقہی اور حدیثی فوائد کا اضافہ فرمایا ہے اسی طرح بہت سے رجال و روایات کے حالات لکھے ہیں اور اس مسئلہ سے متعلق بہت سی احادیث و آثار اور اقوال علماء بیان کئے ہیں، اسی طرح بعض

۱۔ دیکھئے: غیث الغمام مع امام الکلام، لکھنوی، (ص ۲)۔

۲۔ دیکھئے: مقدمہ عمدة الرعایة فی حل شرح الوقایہ، لکھنوی، (ص ۴۰)، غیث الغمام، (ص ۲۳۸)۔

غلطیوں پر تنبیہ بھی کی ہے جس کے نواب صدیق حسن خان کے شکار ہوئے، یہ حاشیہ امام الکلام کے ساتھ مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوا ہے۔

(۴۷) الفلک الدوار فی رؤیة الهلال بالنهار:

بسملہ کے بعد ابتدائی عبارت اس طرح ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو رات اور دن کا بنانے والا، گردش کرنے والے فلک کا پیدا کرنے والا ہے، جس نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا اور اس سے شیاطین کو مارا..... راجح۔

علامہ لکھنوی نے اس کتاب کی تالیف کا سبب ذکر فرمایا کہ اسی سال یا اس سے پہلے ایک واقعہ رونما ہوا جس نے ہمیں یہ رسالہ لکھنے پر آمادہ کیا وہ واقعہ یہ ہوا کہ ۱۲۹۴ھ میں رمضان کا چاند دوشنبہ کی رات میں دیکھا گیا اور دوشنبہ کے دن میں لوگوں نے روزہ رکھا پھر اس مہینہ کی ۲۹ تاریخ دوشنبہ کے روز لوگوں نے چاند دیکھا لیکن ہمارے شہر لکھنؤ میں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے رویت ہلال نہ ہوئی تو لوگوں نے تیس کا خیال کر کے منگل کے روز روزہ رکھا پھر کانپور اور دوسرے قریبی شہروں سے خبر موصول ہوئی کہ گزشتہ رات کو چاند دیکھا گیا ہے تو اس وقت افطار کا فتویٰ دیا گیا، شیعہ حضرات کے استثناء کے ساتھ ہم نے اور تمام لوگوں نے عین دوپہر میں روزہ توڑ دیا لیکن بعض جاہلوں نے یہ سمجھا کہ ہم نے دن میں چاند دیکھ کر روزہ افطار کیا ہے۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں کہ یہ رسالہ اس وقت تالیف فرمایا جب ایک مرتبہ عوام و خواص نے دن میں چاند دیکھا تو کچھ لوگوں نے افطار کیا اور کچھ افطار کی تیاری میں لگ گئے تو انہیں منع کر دیا گیا، اس رسالہ میں یہ واضح کیا کہ دن میں قطعاً افطار جائز

نہیں ہے چاہے چاند کو زوال سے پہلے دیکھے یا زوال کے بعد، اس مسئلہ کو احادیث نبویہ سے مستدل کرتے ہوئے فقہائے احناف کے اقوال سے ثابت کیا ہے ۱۔

علامہ لکھنوی اس رسالہ کی تالیف سے بروز اتوار ۸ شوال ۱۲۹۵ھ میں فارغ ہوئے، جسے کچھ معمولی سے نشستوں میں مکمل کر لیا یہ رسالہ ۱۲۹۹ھ میں مطبع مصطفائی سے سات رسائل کے مجموعہ کے ساتھ فل سائز کے آٹھ صفحات پر شائع ہوا، اس کا ایک قلمی نسخہ مولف کے خط میں لکھا ہوا مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں نمبر ۳۱۱/۵۹ سے موجود ہے، اس کی کل ضخامت فل سائز کے ۱۱ صفحات ہے۔

(۲۸) الفلک المشحون فیما يتعلق بانتفاع المرتھن

بالمرھون:

بسملہ کے بعد اس طرح ابتداء ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے ہمارے لئے حلال و حرام کو واضح فرمایا، مشتبہ احکامات کو بیان کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں..... الخ۔

علامہ نے سبب تالیف اور خطہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے میں نے یہ رسالہ اپنے بعض مخلص احباب کی تعمیل حکم میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس امید میں لکھا ہے کہ وہ اس سے کالمیلین کو ہدایت دے اور جہال کی رہنمائی کرے، اس رسالہ میں دو فصلیں ہیں اور ایک خاتمہ ۲۔

فصل اول میں علامہ اس مسئلہ میں اختلاف ائمہ کو ذکر کرنے کے بعد ہر

۱۔ حسرة الخول، محمد عبد الباقی، (ص ۲۹)

۲۔ الفلک المشحون فیما يتعلق بانقطاع المرتھن بالمرھون، لکھنوی، (ص ۲)۔

مسک کی احادیث و آثار پر مشتمل بہت سی دلیلیں لائے ہیں، فصل ثانی میں اقوال احناف ذکر کر کے موضوع بحث بنایا ہے، خاتمہ میں راہن کی اجازت کے ساتھ اور اجازت کے بغیر مرتہن کے انتفاع سے متعلق مختلف فروعی مسائل ذکر کئے ہیں۔

بروز جمعرات ۴ ذی القعدہ ۱۲۹۵ھ میں اس رسالہ سے فارغ ہوئے، یہ رسالہ فل سائز کے آٹھ صفحات پر مطبع مصفائی سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا، اس کا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ منخطوطات فرنگی محل میں نمبر ۳۴۹/۵ سے موجود ہے جس کی ضخامت فل سائز کے ۹ صفحات ہے۔

(۴۹) قوت المغتذین بفتح المقتدین:

بسملہ کے بعد ابتدائی عبارت ہے: اے وہ ذات جس نے مجھے شرع تویم کے متبعین میں شامل کیا، میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو اپنے اس رسول پر سلام و رحمت نازل فرما جس پر قرآن اتارا گیا اور اس کے ارباب فضل و کمال آل و اصحاب پر سلام و رحمت نازل فرما..... الخ۔

علامہ لکھنوی رسالہ کا موضوع اور خطہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”یہ رسالہ مقتدی کا امام کو لقمہ دینے سے متعلق مسائل پر مشتمل ہے جس میں ایک مقدمہ کچھ مسائل اور ایک خاتمہ ہے، مقدمہ میں علامہ نے یہ فقہی مسئلہ بیان کیا ہے کہ امام کو لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں؟“۔

علامہ لکھنوی نے جواز کے دلائل پیش کیے ہیں اور اس موضوع سے متعلق بہت سے مسائل معتبر فقہی کتابوں سے لیے ہیں، خاتمہ میں امام کو لقمہ دینے کی تاریخ کا ذکر ہے۔

اس رسالہ سے علامہ جمعہ کی رات ۲۸ شعبان ۱۲۸۶ھ میں فارغ ہوئے، یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ علامہ نے فتح المتقدين کے مسئلہ پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا جس کا نام ”القول الأشرف في الفتح من المصحف“ رکھا تھا، یہ رسالہ سات رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۹۹ھ میں شائع ہوا جو فل سائز کے ۶ صفحات پر مشتمل تھا۔

(۵۰) القول الأشرف في الفتح من المصحف: علامہ نے بسملة اور حمد باری کے بعد سبب تالیف لکھا ہے کہ جب وہ حیدرآباد پہنچے تو ایک عجیب و غریب چیز دیکھی، وہ یہ کہ مقتدی اپنے سامنے قرآن پاک کھلا رکھتا جب امام پڑھنے میں غلطی کرتا یا بھول جاتا تو مقتدی اپنے سامنے کھلے قرآن سے لقمہ دیتا، لوگوں نے علامہ سے اس کا حکم معلوم کیا تو جواب دیا کہ اگر مقتدی نے اپنے سامنے کھلے قرآن سے امام کو لقمہ دیا جسے امام نے قبول کر لیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی ۱، ۲، رمضان ۱۲۸۴ھ میں اس رسالہ سے فارغ ہوئے یہ رسالہ مطبع علوی سے ۱۲۸۶ھ میں فل سائز کے پانچ صفحات پر شائع ہوا۔

(۵۱) القول الجازم في سقوط الحد بنكاح المحارم:

حمد وثنا کے بعد علامہ نے تالیف کا سبب اور موضوع لکھا ہے کہ ایک شیعہ ان کے پاس آیا اور اس نے محارم سے نکاح حلال ہونے کی یہ دلیل دی کہ مسلک احناف میں محارم سے نکاح کر لینے سے حد ساقط ہو جاتی ہے، علامہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ

۱۔ اصل میں (عن) ہے۔

۲۔ دیکھئے: حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۴۰) اور دیکھئے: ہدایہ، مرغینانی، (۱۳۶/۱)۔

مسئلہ ہماری کتابوں میں موجود ہے اور امام اعظمؒ کی طرف اس کی نسبت صحیح بھی ہے لیکن حد کے سقوط سے اباحت لازم نہیں آتی اور فرمایا کہ حد مطلق سزا ہی سے عبارت نہیں ہے بلکہ مقدر شرعی سزا بھی اس میں داخل ہے اس طرح علامہ نے اس اشکال کو زائل فرمایا اور واضح کیا کہ سقوط حد اور حلت کے درمیان تلازم نہیں ہے کیونکہ سزا کا میدان شرعی لحاظ سے متعینہ حدود پر منحصر نہیں ہے، نتیجہً امام وقت اس گناہ کے مرتکب کو اس کی سزائش اور تعذیر کے لئے جو مناسب سمجھے گا سزا دے گا۔

۲۶ رجب ۱۲۹۸ھ میں اس رسالہ سے فارغ ہوئے، مؤلف کے خط کا ایک نسخہ نمبر ۵۶/۳۴۸ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے جو بڑے سائز کے ۳۱ صفحات پر محیط ہے، یہ رسالہ مطبع یوسفی لکھنؤ سے ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوا اس پر علامہ کا ۴۰ صفحات کا حاشیہ بھی ہے۔

(۵۲) القول المنشور علی القول المنشور:

یہ رسالہ ”القول المنشور فی ہلال خیر الشہور“ پر علامہ کا حاشیہ ہے: اس میں علامہ نے دو باتوں پر خاص توجہ دی ہے، (۱) ”القول المنشور“ میں جن رجال ورواات کے نام آئے ہیں ان کے حالات زندگی لکھے ہیں، (۲) بعض مسائل سے متعلق اشکالات اور غموض و ابہام دور کیا ہے۔

شعبان ۱۲۹۲ھ میں اس سے فارغ ہوئے، مؤلف کے قلم سے لکھا ایک نسخہ نمبر ۶۰/۳۵۲ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل ”القول المنشور“ کے حاشیہ کے ساتھ ملحق ہے۔

۱۔ دیکھئے: القول الحازم فی سقوط الحد بنکاح المحارم، لکھنؤی (ص ۲)۔

(۵۳) القول المنشور في هلال خير الشهور:

بسملہ کے بعد ابتدا یوں ہے: تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اے وہ ذات جس نے چاند کو لوگوں کے فائدہ کے لئے اور حج و روزہ کے لئے وقت بتانے والا بنایا اور حلال و حرام کو ہمارے لئے واضح کیا، کیسے میں اس ذات کی تعریف کروں اور کیوں کر اس کی حمد و ثناء بیان کروں جب کہ وہ عظمت و جلال اور شوکت و رفعت والا ہے..... الخ۔

حمد باری اور بسملہ کے بعد علامہ نے اپنے دستور کے مطابق سبب تالیف لکھا ہے کہ اس زمانہ میں میں نے دیکھا کہ لوگ ستاروں کے حساب پر اعتماد کرتے ہیں، نجومیوں کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں، رمضان کا چاند دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور کچھ لوگ سابقہ تجربہ پر بھروسہ کرتے ہیں، یہ سب شریعت کے خلاف ہے لہذا میں نے اس موضوع کی تحقیق کر کے اس میں تفصیلی رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا۔

علامہ نے اس رسالہ میں ہر مسئلہ سے متعلق احادیث و آثار اور کلام فقہاء کو بحث و تحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے اور روایتِ ہلال کے مسئلہ اور اس پر مرتب ہونے والے فقہی مسائل کی تحقیق فرمائی ہے۔

۴/ رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ منگل کے دن اس تالیف سے فارغ ہوئے، اس کا ایک قلمی نسخہ نمبر ۳۵۲۶۰ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل موجود ہے جس پر ”القول المنشور“ کے نام سے حاشیہ بھی ہے۔

یہ رسالہ مطبع مصطفائی سے سات رسائل کے مجموعہ کے ساتھ ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوا جو بڑے سائز کے تین صفحات پر مشتمل ہے۔

(۵۴) الکلام الجلیل فیما یتعلق بالمندیل :

بسملہ کے بعد عبارت اس طرح ہے: تمام تعریفیں جلیل المرتبت، رفیع الشان اللہ کے لئے ہیں، گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں، ان کا منکر ذلیل ہے، اے اللہ تو اپنے حبیب احمد مصطفیٰ اور پیغمبر محمد مجتبیٰ اور ان کے آل و اصحاب پر جو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں پر رحمت و سلام نازل فرما..... الخ۔

بسملہ اور حمد باری کے بعد رسالہ کا موضوع اور خطہ ذکر ہوا ہے، رسالہ ایک مقدمہ، چند مسائل اور ایک خاتمہ پر محیط ہے، مقدمہ میں کلمہ ”مندیل“ کے معنی اور اس کے مشتقات کی ادب و لغات کی کتابوں سے تحقیق پیش کی گئی ہے، پھر ”مندیل“ کے متعلق مسائل کا بیان ہے، مولوی محمد عبدالباقی کہتے ہیں اس رسالہ کے مندرجات کا مغز اور خلاصہ یہ ہے کہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد رومال سے اعضاء پوچھنا جائز ہے، احادیث و آثار سے اس مسئلہ پر استدلال فرمایا ہے، مزید لکھا ہے کہ وضو کے رومال پر نماز نہیں پڑھے گا اور کھانے کے لئے ہاتھ دھونے کے بعد رومال سے نہیں پوچھ جائے گا اور کھانے سے فراغت کے بعد ہاتھ دھو کر پوچھنا مباح ہے۔

اس رسالہ سے علامہ لکھنوی ۱۲۸۶ھ میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ سات رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوا، کل ضخامت بڑے سائز کے ۶ صفحات تھی، اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے جس کا نمبر ۶۶/۳۵۸ ہے۔

(۵۵) الکلام المبرم في نقض القول المحقق المحکم:

یہ رسالہ اردو زبان میں ہے جسے علامہ نے شیخ سہسوانی کے رد میں لکھا، آئندہ صفحات میں ہم اس پر گفتگو کریں گے ۱، اس کی تالیف سے جمادی الآخرہ ۱۲۸۹ھ میں فارغ ہوئے، اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں ۱۸۱۱ نمبر سے موجود ہے یہ رسالہ اوسط سائز کے ۲۶ صفحات پر محیط ہے۔
یہ رسالہ ۱۲۹۰ھ میں مطبع یوسفی لکھنؤ میں علامہ کے شاگرد مولوی عبدالجبار خان کے نام سے شائع ہوا۔

(۵۶) الکلام المبرور في رد القول المنصور:

یہ رسالہ بھی اردو زبان میں مولوی بشیر سہسوانی کے رد میں لکھا گیا آئندہ صفحات میں ہم اس گفتگو کریں گے ۲۔

علامہ اس رسالہ سے منگل کے روز ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۰ھ میں فارغ ہوئے۔
اوسط سائز کے ۸۶ صفحات پر مشتمل اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں ۱۸۲۱ نمبر سے موجود ہے، یہ رسالہ ۱۲۹۱ھ میں مطبع علوی لکھنؤ میں ان کے شاگرد مولوی عبدالعزیز قنوجی کے نام سے شائع ہوا۔

(۵۷) مجموعۃ الفتاوی:

علامہ عبدالحی ایک محدث ہی نہ تھے بلکہ آپ بلند پایہ فقیہ بھی تھے جس کی بدولت وہ پورے ہندوستان میں عموماً اور خصوصاً شہر لکھنؤ میں منصب افتاء کی نشین پر

فائز ہوئے۔

علماء اور عوام؛ زندگی کے بیش تر فقہی اور عقائدی مسائل میں ان سے استفقتا کرتے اور وہ مختلف فیہ مسائل میں قول راجح پر فتویٰ دیتے اس سلسلہ میں ان کا اعتماد معتبر و متداول مصادر و مراجع پر ہوتا تھا۔

علامہ؛ عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں آئے استفقتات کے جواب دیتے جن سے استفادہ عام قاری کے لئے دشوار تھا، مفتی برکت اللہ فرنگی محلی نے آسان اسلوب میں اردو زبان میں سوالات و جوابات کا ترجمہ کر کے مختلف عناوین کے تحت مضامین کو ترتیب دیا اور مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی نے فہرست تیار کی، اس طرح ہر قاری کے لئے اب ان سے استفادہ آسان ہو گیا۔

یہ فتاویٰ ۱۳۱۴ھ میں مطبع یوسفی لکھنؤ میں طبع ہوئے، اخیر میں تین جلدوں پر مشتمل نئی فہرست اور جدید ترتیب و تبویب کے ساتھ یہ فتاویٰ ۱۳۳۳ھ میں مطبع ایجوکیشنل پریس پاکستان سے طبع ہوئے ہیں۔

(۵۸) نخبة الأنظار علی تحفة الأخیار:

یہ رسالہ ”تحفة الأخیار“ پر علامہ کے مختصر حواشی ہیں جس میں انہوں نے ان بعض رجال و روایات کی سوانح لکھی ہے جن کے نام ”تحفة“ میں آئے ہیں اسی طرح بعض احادیث کی تحقیق اور کچھ کتابوں کا تعارف کرایا ہے۔

ان حواشی سے یکم رجب المرجب ۱۲۹۲ھ میں فارغ ہوئے، ”تحفة الأخیار“ کے ساتھ یہ حواشی مطبع چشمہ فیض لکھنؤ میں طبع ہوئے پھر شیخ عبدالفتاح ابوعدہ کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۱۲ھ میں ”تحفة الأخیار“ کے ساتھ شائع ہوئے۔

(۵۹) نزهة الفكر في سبحة الذكر: لقب: هدية الأبرار في سبحة الأذكار:

بسملہ کے بعد اس طرح آغاز ہوتا ہے: تمام تعریفیں اس گردنوں کے مالک اور اسباب و وسائل بہم پہنچانے والے کے لئے ہیں جس کی پاکی بیان کرتی ہیں تمام وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں درخت، پیڑ پودے، پتھر، مچھلیاں اور ہر طرح کے چوپائے اور جاندار، میں اس کی ایسی حمد بیان کرتا ہوں جیسی ایک غلام اپنے آقا اور مخلوق اپنے خالق کی بیان کرتی ہے..... الخ۔

حمد و ثنا کے بعد علامہ نے رسالہ کا موضوع اور سبب تالیف ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ”مجھ سے اس تسبیح کے بارے میں جسے ذکر و اذکار میں صلحاء اکثر استعمال کرتے ہیں بارہا پوچھا گیا کہ حدیث میں اس کی کوئی اصل ہے یا یہ بدعت ہے؟ ہر دفعہ میرا جواب یہی تھا کہ اس کی اصل موجود ہے، پھر میں نے اس موضوع کے تمام پہلوؤں کو جامع و محیط ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا اور حافظ جلال الدین سیوطی شافعی کا رسالہ ”المنحة بالسبحة“ میرے ہاتھ لگا غایت درجہ مختصر، دو ورق میں سمٹا ہوا، میں نے اسے بھی اپنے اس رسالہ کا جزء بنایا“۔

وہ لکھتے ہیں اس رسالہ میں ایک مقدمہ، دس فصل اور ایک خاتمہ ہے، مقدمہ میں ”السبحة“ (تسبیح) کی حقیقت اور اس کا لغوی معنی واضح کیا ہے۔
فصل اول میں وہ احادیث ہیں جو انگلیوں کی پوروں، کنکریوں اور گٹھلیوں وغیرہ سے تسبیح شمار کرنے کی اباحت میں وارد ہوئی ہیں۔

۱۔ دیکھئے: نزهة الفكر في سبحة الذكر، لکھنؤی، (۳۵)۔

فصل دوم میں تسبیح رکھنے کے جواز کو واضح دلیل سے ثابت کیا گیا ہے۔
 فصل سوم میں تسبیح کے جواز میں ایک مرفوع حدیث پیش کی گئی ہے۔
 فصل چہارم میں یہ ثابت کیا ہے کہ تسبیح عہد صحابہؓ میں مقبول و رائج تھی۔
 فصل پنجم میں تسبیح کے جواز پر علماء کی عبارتوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔
 فصل ششم میں اس شبہ کا ازالہ ہے جو تسبیح کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔
 فصل ہفتم تسبیح اختیار کرنے کے فوائد پر مشتمل ہے۔
 فصل ہشتم میں تسبیح کے ناموں کی تفصیل ہے۔
 فصل نہم میں نماز میں آیات و تسبیحات وغیرہ کے عدد کا حکم مذکور ہے۔
 فصل دہم میں نماز کے علاوہ اوراد و اذکار کی تعداد کے سلسلہ میں بہت سے اقوال بیان فرمائے ہیں۔

خاتمہ میں تسبیح سے متعلق متفرق فوائد ذکر کئے گئے ہیں۔

علامہ لکھنویؒ اس رسالہ کی تالیف سے تین ہلکی نشستوں میں بدھ کے دن

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ میں فارغ ہوئے۔

یہ رسالہ مجموعہ ”تحفة الطلبة“ کے ساتھ مطبع یوسفی لکھنؤ سے ۱۳۳۷ھ میں طبع ہوا، قبل ازیں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا یہ اوسط سائز کے ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا، اسی طرح مذکورہ رسالہ مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۹۹ھ میں چھپا، اخیر میں پروفیسر حسین مخلوف سابق مفتی مصر کی تحقیق کے ساتھ ۱۳۸۰ھ میں مصر سے طبع ہوا۔

(۶۰) النفاحة بتحشية النزهة:

یہ ”نزہة الفكر في سبحة الذكر“ کا حاشیہ ہے، جس میں ان بعض رجال

کے حالات لکھے گئے ہیں جن کا تذکرہ ”النزہة“ میں اجمالاً آیا ہے، کہیں کہیں غیر واضح امور کی وضاحت کی گئی ہے اسی طرح بعض احادیث و آثار کی تخریج کی ہے، مصنف اس حاشیہ سے ۲۷ رجب ۱۲۹۲ھ میں فارغ ہوئے، ”نزہة الفکر فی سبحة الذکر“ کے ساتھ یہ حاشیہ ۱۳۳۷ھ میں مطبع یوسفی سے طبع ہوا۔

(۶۱) نفع المفتي والسائل بجميع متفرقات المسائل:

بسملہ کے بعد حمد و ثنا سے اس طرح آغاز ہوتا ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے مخصوص ہیں جس نے حاملین شرع متین کے درجات بلند کئے اور وہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کا فہم عطا کرتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں..... الخ۔

حمد و ثنا کے بعد کتاب کا موضوع اور باعث تصنیف لکھا ہے ”یہ متفرق مسائل پر جو کچھ نماز سے متعلق ہیں اور کچھ خطر و اباحت کے تحت آتے ہیں مشتمل ایک مفید کتاب ہے، یہ وہ مسائل ہیں جو قیام حیدرآباد دکن کے زمانہ میں، اللہ سے بدعات اور فتن سے محفوظ رکھے، مجھ سے پوچھے گئے۔“

علامہ نے اس کتاب کو کتاب الطہارۃ اور مسائل وضو سے شروع کیا ہے اور عقلی و نقلی دلائل سے گفتگو کی ہے اور اس قول کو راجح قرار دیا ہے جس کی صحت ان کے نزدیک محقق ہوئی یا وہ صحت و سنت کے زیادہ قریب تھا اور نماز سے متعلق مسائل زیر بحث لائے ہیں، اخیر میں کتاب الآداب، جنازہ اور صید وغیرہ کے مسائل بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کی تالیف سے ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ میں فارغ ہوئے۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: یہ ایک عمدہ کتاب ہے جس کا طرز و طریق لطیف و دلکش ہے، مشکل فقہی مسائل احادیث نبویہ سے محقق کر کے پیش کئے گئے ہیں میرے علم میں اس جیسی کتاب ابھی تک نہیں لکھی گئی۔

یہ مفید کتاب فل سائز پر مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوئی ہے، کتاب کے اخیر میں علامہ لکھنوی کی وفات پر محمد عبدالعلی آسی مدرسی کا مرثیہ بھی شامل ہے، اس کی ضخامت کل ۶۰ صفحات ہے۔

(۶۲) ہدایۃ المعتدین الی فتح المقتدین:

علامہ نے یہ رسالہ اردو زبان میں عوام کے فائدے کے لئے قلم بند فرمایا، اس سے قبل یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اسی موضوع پر عربی زبان میں دو رسالے ”القول الأشرف فی الفتح عن المصحف“ اور ”قوت المغتدین بفتح المقتدین“ تالیف فرمائے گئے تھے۔

اوسط سائز کے ۱۵ صفحات پر مشتمل مؤلف کے خط کا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں ۱۸۴۱ نمبر سے موجود ہے۔

(۶۳) الہسہسۃ بنقض الوضوء بالقہقہۃ:

بسملہ کے بعد اس طرح آغاز ہوتا ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ٹھیک ٹھیک پیدا کیا اور اندازہ کیا اور راستہ دکھایا اور سوجھ بوجھ دی، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہنساتا اور رلاتا ہے اور درود و سلام ہو اس کے رسول مختار پر اور ان کے آل و اصحاب پر جو ہدایت کے امام ہیں۔

بسملہ و حمد باری کے بعد سبب تالیف، موضوع اور لائحہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے سامنے ایک مرتبہ دوران تدریس اس مسئلہ میں گفتگو ہوئی کہ احناف فقہہ کو مفسد صلوات اور ناقض وضو سمجھتے ہیں، کسی نے کہا کہ اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اثر صریح موجود ہے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ میں جو حدیث وارد ہوئی وہ خبر واحد ہے اور ضعیف السند بھی جس پر عمل کرنا اصول احناف کے خلاف ہے، تو میں نے ایک مستقل رسالہ جو تمام دلائل و مسائل کو حاوی ہو لکھنے کا ارادہ کیا۔

اس رسالہ کی ترتیب ایک مقدمہ، دو مقصد اور ایک فاتحہ پر رکھی گئی ہے، مقدمہ میں ضحک کی انواع و اقسام کا ذکر کیا ہے۔

مقصد اول میں فقہہ سے وضو ٹوٹنے کے سلسلہ میں اختلاف مذاہب کے ساتھ ہر مسلک کے دلائل اور اس کے تمام پہلوؤں کو تحقیق کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بیشتر روایات و آثار بیان کئے، ان کے درجہ کا تعین کیا اور مسلک احناف کو قطعی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

مقصد ثانی میں احناف کے یہاں نماز میں فقہہ سے وضو ٹوٹنے کی تفصیلات ہیں اور خاتمہ میں تبسم، ضحک اور فقہہ کے احکام، مرفوع احادیث، شمائل نبوی اور آثار صحابہ کے استدلال کر کے درج کئے ہیں۔

علامہ اس تالیف سے بروز سہ شنبہ ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۴۸۸ھ میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ چھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع دبدبہ احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۳ھ میں ۳۴ صفحات کی ضخامت کے ساتھ طبع ہوا۔

☆ الفرائض

(۶۴) شرح شریفیہ شرح السراجیۃ:

محمد بن عبدالرشید سجاوندی^۱ نے علم فرائض کے موضوع میں ”السراجیۃ“ لکھی جس کی شرح سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے ”شریفیہ“ کے نام سے قلمبند کی، علامہ عبدالحی لکھنوی نے اسی شریفیہ کا حاشیہ لکھا ہے۔

علامہ لکھنوی لکھتے ہیں: علم فرائض ایک ایسا علم ہے جس کی بیش تر ضرورت پڑتی ہے اس علم کی اشاعت اور ترویج لازماً ہونی چاہئے، جب سید شریف جرجانی نے مولانا سراج المملت عبدالرشید سجاوندی کی مایہ ناز، معروف و مشہور شاہکار تصنیف ”الفرائض السراجیۃ“ کی شرح لکھی تو علماء کو اس کی شرح و توضیح کے اہتمام کا احساس ہوا لہذا میں نے اسے حواشی سے آراستہ کرنے اور اشکالات دور کرنے کی طرف توجہ کی^۲۔

علامہ لکھنوی نے اس حاشیہ میں علم فرائض کے بہت سے مشکل مسائل کی وضاحت تو فرمائی ہی ہے ساتھ ہی بہت سے صحابہؓ، تابعینؓ، فقہاءؓ، مفسرینؓ اور محدثینؓ کی سوانح بھی لکھی ہے اور بعض جگہوں کا تعارف بھی پیش کیا اور مسائل مذکورہ میں روایات و آثار سے مزید دلائل بھی نقل کئے ہیں۔

یہ شرح ”الشریفیہ“ کے ساتھ مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۲۸۳ھ میں طبع ہوا۔

^۱ محمد بن محمد عبدالرشید سجاوندی حنفی، سراج الدین ابوطاہر، مفسر، فقیہ، ماہر علم الفرائض، تقریباً ۶۰۰ھ میں وفات ہوئی، دیکھئے: ان کے حالات زندگی، تاج التراجم ابن قطلوبغا (ص ۴۲)، اور الجواہر المصنیۃ، قرشی، (۱۹/۱)۔
^۲ شرح الشریفیہ، لکھنوی (ص ۱۴۲)۔

☆ الرقائق

(۶۵) اللطائف المستحسنة بجمع خطب شہور

السنة: دوسرا نام ”إزالة الغفلة والسنة بتأليف خطب السنة“۔

رسالہ کا آغاز حمد و ثنا سے ہوتا ہے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے رسولوں کو بھیج کر اور بلند مرتبہ کتابیں اتار کر ہمیں سیدھی راہ دکھائی، حلال و حرام کو واضح کیا، اپنی خوشنودی کے راستے بتلائے..... إلخ۔

حمد و باری کے بعد علامہ نے سبب تالیف بیان کیا، لکھتے ہیں: جب میں نے جمعہ کے دن اکثر خطیبوں کو جاہل اور عربی الفاظ و کلمات کے سامنے بے بس پایا، دیکھا کہ کچھ خطیب فارسی اور ہندی زبانوں میں خطبہ دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو عجمی زبان کے ساتھ عربی کو شامل رکھتے ہیں انہیں شاید پتہ نہیں کہ یہ احادیث سے ثابت نہیں اور بعض خطبہ کا حال یہ ہے کہ وہ ہر جمعہ کو ایک ہی خطبہ دیتے نظر آتے ہیں اس بات سے بے خبر کہ خطبہ جمعہ کی اصل غایت تذکیر ہے تو میں نے معاملہ کو آسان کرنے کی غرض سے سال کے ہر مہینہ کے پانچ جمعوں کے لئے پانچ خطبے لکھ دئے ہیں۔^۱

پھر علامہ لکھنوی نے اس طرز و طریق کا ذکر کیا ہے جسے ان خطبات کے جمع و تالیف میں ملحوظ رکھا ہے، لکھتے ہیں: نصح و مواعظ کے زیادہ سے زیادہ جملے لانے کا اہتمام رکھا ہے تاکہ واعظ و سامع مستفیض ہوں، قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کثرت سے آگئے ہیں، مسجع و مقفی عبارت لکھنے سے گریز کیا گیا ہے، غریب لائیکل کلمات سے حتی الامکان بچنے کی سعی کی ہے تاکہ باسانی مفہم و مطالب سمجھے جائیں، اسی طرح

۱۔ اللطائف المستحسنة۔ لکھنوی (ص ۲)۔

ہر خطبہ میں متعلقہ مہینہ کے مناسب احکام و فضائل درج کئے ہیں ۱۔
یہ تمام خطبات بروز چہار شنبہ ۳ جمادی الآخرة ۱۳۰۳ھ میں کتابی شکل میں
سامنے آئے اور مطبع یوسفی سے ۱۳۱ھ میں طبع ہوئے۔

☆ تاریخ و تراجم

(۶۶) تبصرة البصائر في معرفة الأواخر:

علامہ لکھنوی ۲ اور محمد عبدالباقی انصاری نے اسی نام سے ذکر کیا ہے ۳۔
مولانا حفیظ بندوی کہتے ہیں: یہ نہایت عمدہ تصنیف ہے جو شرمندہ تکمیل نہ
ہوئی، علامہ نے اس میں ہر اس لفظ کو جمع فرما دیا جس میں ”آخر“ کا لفظ شامل ہے جس
طرح علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ ”الأوائل“ میں ان تمام کلمات کو شمار کرایا ہے جن
میں ”الاول“ کا لفظ ہے، اس کتاب کے ”کتاب الصلاة“ کا یہ جملہ دیکھیں: آخر
المساجد مسجد النبی ﷺ، كما ورد في صحيح مسلم: إني آخر الأنبياء
ومسجدي آخر المساجد، نور الدین سمہودی کہتے ہیں اس سے مراد انبیاء کی
آخری مسجد ہے ورنہ مسجد نبوی اس امت کی پہلی مسجد ہے، اسی طرح لکھتے ہیں: آخر
ماکان من أمر القبلة هو التحويل إلى الكعبة، قبلہ کا سب سے آخری معاملہ یہ تھا
کہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، اور لکھتے ہیں ”آخر من صلی خلفہ
النبي ﷺ أبو بكر الصديق“ سب سے آخری شخص جس کے پیچھے نبی ﷺ نے نماز

۱۔ اللطائف المستحسنة۔ لکھنوی (ص ۳)۔

۲۔ دیکھئے: النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير، لکھنوی، (ص ۱۵۲)، ظفر الامانی، لکھنوی، (ص ۳۱۰)۔

۳۔ دیکھئے: حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، محمد عبدالباقی، (ص ۴۱)۔

پڑھی وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔^۱

علامہ نے محض واقعات بیان کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ احادیث و آثار اور اقوال صحابہ و علماء سے استدلال بھی کیا ہے اور ابواب و عناوین قائم کئے ہیں۔
مؤلف کے خط کا مرقومہ ایک نسخہ بشکل مسودہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل نمبر ۵۱۱/۳۳ موجود ہے، جس کا نام ”کتاب الأواخر في أخبار الأنبياء والحكماء“ ہے۔

ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ کسی ایک کتاب کے متعدد نام ہونے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ علامہ اکثر کتاب کا ایک نام ذکر فرماتے ہیں پھر تکمیل کے بعد دوسرا نام تجویز کر دیتے ہیں جو ان کے نزدیک پہلے سے بہتر ہوتا ہے لہذا ایک کتاب کے کئی نام ہو جاتے ہیں اور یہ معاملہ علامہ کی دوسری کتابوں کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔

(۶۷) التعليقات السنّية على الفوائد البهية:

یہ مؤلف کی کتاب ”الفوائد البهية“ کا تشریحی اضافہ ہے جس میں بعض اسماء سے ابہام و غموض کا ازالہ اور ان بعض علماء کے حالات زندگی کا اضافہ ہے جو اصل کتاب میں شامل نہیں ہیں ایسے ہی بہت سی کتابوں اور ان کے مصنفین کا تعارف، اسماء اور کنتیوں کے سلسلہ میں بعض علماء کی لغزشوں پر تنبیہ اور سب سے اخیر میں خود علامہ کے مختصر حالات زندگی شامل ہیں۔

بروز یک شنبہ جمادی الآخرہ ۱۲۹۳ھ اس کام سے فارغ ہوئے، یہ حاشیہ ہندو بیرون ہند ”الفوائد البهية“ کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

^۱ دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ اللہ ہندوی، (ص ۲۵، ۲۶)۔

(۶۸) تحفة الأمجاد بذكر خير الأعداد:

مولانا محمد قیام الدین نے ”آثار الأول“ ۱ اور الطاف الرحمن نے ”احوال علماء فرنگی محل“ ۲ میں اس کا تذکرہ کیا ہے، محمد حفیظ اللہ کہتے ہیں کہ یہ رسالہ مکمل نہیں ہوا۔ ۳۔

(۶۹) خیر العمل بذكر تراجم علماء فرنگی محل:

مقدمہ عمدۃ الرعاۃ میں علامہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے یہ آپ کے موسوعہ ”إنباء الخلان“ کا ایک جز ہے، یہ کتاب پائے تکمیل کو نہیں پہنچی ہے۔

(۷۰) دفع الغواية عن يطالع شرح الوقایة: یعنی: مقدمة السعایة:

محمد عبدالباقی لکھنوی نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور اسے علامہ لکھنوی کی ایک مستقل تصنیف قرار دیا ہے۔

حمد و ثنائے باری سے آغاز ہوتا ہے پھر مقصد تالیف کا ذکر ہے۔ علامہ نے اسے چھ افادات پر تقسیم کیا ہے، افادہ اول میں الوقایہ کے مصنف، شارح وقایہ صدر الشریعہ اور مصنف و شارح دونوں کے آباء و اجداد کے حالات زندگی اور نسب و خاندان کا تذکرہ ہے اس سلسلہ میں مختلف اقوال بھی جمع کر دئے ہیں، افادہ دوم میں وقایہ کے دیگر بہت سے شارحین و محققین وغیرہ کے حالات ہیں، افادہ سوم میں

۱ دیکھئے: آثار الأول من علماء فرنگی محل، (ص ۲۴)۔

۲ دیکھئے: أحوال علماء فرنگی محل، الطاف الرحمن (ص ۶۴)۔

۳ دیکھئے: کنز البرکات، محمد حفیظ اللہ بندوی، (ص ۲۳)۔

۴ مقدمہ عمدۃ الرعاۃ، لکھنوی، (ص ۳۰)۔ ۵ حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۲۷)۔

صدر الشریعہ کی شرح وقایہ کے محشی حضرات کے حالات ہیں، افادہ چہارم میں ان کتابوں کا ذکر ہے جس کا نام شرح وقایہ میں آیا ہے گویا علامہ تمام اہم مصادر کو ان کے مصنفین کے حالات و سوانح کے ساتھ جمع کر دینا چاہتے ہیں، افادہ پنجم میں شرح وقایہ میں مذکور رجال کے تراجم اور انساب کو حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کیا ہے، افادہ ششم میں صدر الشریعہ کی النقایہ مختصر الوقایہ کے شارحین و محشین کا تذکرہ ہے۔

خاتمہ میں خود اپنے حالات زندگی رقم کئے ہیں، وہ اس تالیف سے شب پنجشنبہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۹۷ھ میں فارغ ہوئے، سعایہ کے ساتھ یہ مقدمہ ایک جلد میں مطبع مصطفائی سے ۱۳۰۷ھ میں طبع ہوا، پھر ۱۹۷۶ء اور ۱۹۸۱ء میں مطبع دی کاروان پریس پاکستان سے چھپا۔

(۷۱) ایک رسالہ متقدم ہندوستانی علماء کے حالات زندگی میں:

”مقدمہ عمدۃ الرعاۃ“ میں اس کا ذکر ہے یہ ان کے موسوعہ ”إنباء الخلان بأبناء علماء ہندوستان“ کا جزء ہے یہ رسالہ بھی مکمل نہیں ہوا، علامہ لکھنوی نے ”التعلیق الممجد“ کے مقدمہ میں رسالہ فی تراجم فضلاء الہند“ کے نام سے ذکر کیا ہے ۲۔
محمد عبد الباقی نے اس رسالہ کو تین رسائل کے مجموعہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے اور اس رسالہ میں فضلاء ہند کے حالات زندگی درج ہیں، کتاب کا بڑا حصہ تیرہویں صدی کے علماء کے سوانح پر مشتمل ہے اور علماء فرنگی محل کے حالات تحریر ہیں پھر آگے لکھا ہے کہ یہ مجموعہ مکمل نہیں ہوا ۳۔

۱۔ مقدمہ عمدۃ الرعاۃ، لکھنوی (ص ۳۰)۔ ۲۔ مقدمہ التعلیق الممجد، لکھنوی، (ص ۲۹)۔
۳۔ تکملة خیر العمل بذکر تراجم علماء فرنگی محل، محمد عبد الباقی، (ص ۴۷)۔

مندرجہ بالا معروضات سے واضح ہوا کہ اس رسالہ کے دو نام ہیں، (۱) رسالۃ آخری فی تراجم السابقین من علماء الہند، (۲) رسالۃ فی تراجم فضلاء الہند۔

(۷۲) رسالۃ فی معرفۃ الأوائل:

مولانا محمد عبدالباقی انصاری نے اس کا ذکر کیا ہے۔^۱

(۷۳) طرب الأمائل بتراجم الأفاضل: بسم اللہ اور حمد باری

کے بعد سبب تالیف ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ رسالہ ”الفوائد البہیة فی تراجم الحنفیة“ اور ”التعلیقات السنیة“ کے بعد قید تحریر میں لایا گیا ہے۔

علامہ نے خطہ ذکر کیا ہے جو دو سفر (کتاب) پر منقسم ہے، سفر اول: مختلف مذاہب کے علماء کی سوانح اور ان کی تالیفات کے تذکرہ پر مشتمل ہے، ان میں علماء احناف کی تعداد زیادہ ہے۔

سفر دوم: مشہور مؤلفات کے طریق و اسلوب اور ان کے مصنفین کے حالات زندگی پر حاوی ہے، دونوں سفر میں تکرار معلومات ہے لیکن وہ کسی نئے فائدہ سے خالی نہیں، علامہ نے سفر اول کو مستقل کتاب کی شکل میں ”طرب الأمائل“ کے نام سے شائع کیا اور سفر دوم کو ”فرحة المدرسین“ کا عنوان دیا،^۲ اس کتاب میں مذکور علماء کی تعداد ۳۹۹ کے قریب پہنچ گئی ہے جن میں احناف و دیگر شامل ہیں۔

اس تالیف سے بروز چہار شنبہ ۳ صفر ۱۲۰۳ھ میں فارغ ہوئے یہ رسالہ جس

^۱ دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۴۱)۔

^۲ دیکھئے: طرب الأمائل، لکھنوی، (ص ۱۷۷)، (مجموعہ چھ رسائل)۔

کی ضخامت ۱۳۹ صفحات ہے چھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ مطبع دبدبہ احمدی میں ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوا۔

(۷۴) فرحة المدرسين بذكر المؤلفات والمؤلفين:

مقدمہ ”طرب الأمائل“ ۱۔ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے، محمد عبدالباقی اس کتاب کے پہلے صفحہ میں کہتے ہیں: جب علامہ ”الفوائد البهية في تراجم الحنفية“ اور ”التعليقات السنية“ کی تالیف سے فارغ ہو کر علماء کے تراجم اور معتبر و معتمد تالیفات کے احوال جمع کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، تو مؤلف اس کا مقدمہ بھی نہیں لکھ سکے طباعت اور نشر و اشاعت تو بعد میں ہونی تھی اور حاشیہ میں لکھا کہ علامہ اس تالیف سے یکم ربیع الاول بروز چہار شنبہ ۱۳۰۳ھ میں فارغ ہوئے ۲۔

علامہ نے اس کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب ملحوظ رکھی ہے، حرف ہاء تک پہنچے ہی تھے کہ قضا آگئی، وہ موضوع اور مؤلفات کے تعلق سے ایک فکر دیتے تھے، میں نے اس کتاب کو دیکھا تو مجھے ان کی وسعت علمی کا اندازہ ہوا کہ وہ کثرت سے کتابوں سے عبارت نقل کرتے ہیں۔

مؤلف کے خط کا ایک نسخہ نمبر نمبر ۱۷۱/۵۴۹ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں رکھا ہے۔

(۷۵) الفوائد البهية في تراجم الحنفية:

حمد و ثنائے باری کے بعد علامہ نے فن رجال کی اہمیت اور ان کتابوں کا ذکر

۱۔ دیکھئے: مقدمہ طرب الأمائل في تراجم الأفاضل، لکھنوی، (ص ۱۷۶)۔

۲۔ فرحة المدرسين بذكر المؤلفات والمؤلفين، لکھنوی، (ص ۱، مخطوطہ)۔

کیا جو وہ پہلے اس موضوع میں لکھ چکے ہیں، یہ کتاب علماء احناف کے تراجم پر مشتمل ہے درحقیقت یہ کتاب محمود بن سلیمان کفوی^۱ کی ”طبقات الحنفیہ“ کی تلخیص ہے جس میں علامہ نے اضافہ کیا ہے لکھتے ہیں کہ میں نے تراجم فقہاء کو کسی متعلق بات کو حذف کئے بغیر تلخیص کیا ہے غیر متعلقہ فوائد اور اولیاء و صلحاء کا تذکرہ جن پر تصنیفات کی کمی نہیں حذف کردئے ہیں، تلخیص کے بعد اس موضوع کی دیگر کتابوں سے عمدہ فوائد و نکات کا ”قال الجامع“ کہہ کر اضافہ کیا اور جس ترجمہ میں ”قال الجامع“ نہیں لکھا گیا ہے اسے اصل سمجھا جائے گا اور جس ترجمہ میں ”قال الجامع“ مذکور ہے تو اس سے پہلے اصل اور اس کے بعد اس جامع و مرتب کی طرف سے سمجھا جائے اور تراجم کی ترتیب حروف معجم پر رکھی گئی ہے تاکہ استفادہ میں سہولت ہو اور تسہیل کامل ہو۔^۲

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: علامہ نے حق کا احقاق، باطل کا ابطال اور تصنیفات کی نسبت سے کفوی کی لغزشات اور موالیہ و وفيات میں اختلاف ائمہ اور کتب انساب سے نسب کا ضبط فرمایا ہے، قدیم فقہاء کی توثیق و تضعیف کو واضح کیا ہے اور اس مسائل کو خوب محقق کیا اور دلائل و براہین قائم کئے ہیں۔^۳

علامہ نے ایک مقدمہ سے بات شروع کی ہے جس میں اختصاراً تقلید ائمہ اور طبقہ مقلدین کا جائزہ لیا ہے پھر اصل کتاب کی طرف متوجہ ہوئے ہیں، ۵۸۰ فقہاء و علماء کے حالات لکھے ہیں جن میں اکثر احناف اور کچھ شوافع و مالکیہ ہیں۔^۴

۱۔ محمود بن سلیمان الکفوی، حنفی، فقیہ و قاضی، وفات ۹۹۰ھ، تصنیفات میں: أعلام الأخیار من فقہاء مذهب النعمان المختار، قابل ذکر ہیں، دیکھئے: معجم المؤلفین ۱۲/۲۶۷۔

۲۔ الفوائد البہیة، لکھنوی، (ص ۴)۔
۳۔ حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۲۲)۔

۴۔ الفوائد البہیة، لکھنوی، (ص ۲۳۳)۔

خاتمہ دو فصلوں پر منقسم ہے فصل اول ان علماء کے تعارف میں ہے جن کے نام کتب احناف میں مبہم اور غیر واضح طور سے آئے ہیں۔
فصل دوم میں اسماء، کنیت اور القاب و انساب سے متعلق متفرق فوائد جمع کر دئے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف بروز شنبہ ۱۱ صفر ۱۲۹۲ھ میں مکمل ہوئی، یہ کتاب ”التعلیقات السنیة“ کے ساتھ کئی بار ہندوستان سے طبع ہو چکی ہے، ۱۳۲۴ھ میں مصر کے مطبعة السعادة سے طبع ہوئی یہ ۲۴۹ صفحات پر مشتمل ہے پھر دارالمعارف بیروت میں اس کا عکسی ایڈیشن شائع ہوا۔

(۷۶) مذیلة الدراية لمقدمة الهداية:

بسملة اور حمد باری کے بعد لکھتے ہیں: اس رسالہ کا نام ”مذیلة الدراية لمقدمة الهداية“ ہے جس میں کچھ ہدایات ہیں جو ایک طالب علم کے لئے کافی و شافی ہیں میں نے اس رسالہ کو اپنی سابقہ کتابوں کا ضمیمہ اور تتمہ کے طور پر لکھا ہے ۱۔
علامہ نے اس مقدمہ کو چند ہدایات پر تقسیم کیا ہے، ہدایت اول ان علماء کے تراجم پر مشتمل ہے جن کا تذکرہ ہدایہ اولین میں مذکور ہے اس سلسلہ میں التہذیب، تہذیب التہذیب، الإصابة، تہذیب الأسماء، اللغات نووی اور شروحات ہدایہ سے استفادہ کیا ہے ۲۔

اس مقدمہ میں بہت سے صحابہ کرامؓ اور علماء کے حالات زندگی حروف تہجی کی

۱۔ مذیلة الدراية، لکھنوی (ص ۳)۔

۲۔ مذیلة الدراية لمقدمة الهداية، لکھنوی (ص ۳)۔

ترتیب سے ناموں اور نسبتوں میں واقع اختلاف کی تصریح کے ساتھ مختصراً جمع فرمادئے ہیں۔

ہدایت دوم میں ان بعض مبہم، پیچیدہ مقامات کی تشریح ہے جو ہدایہ کے نصف اول میں آئے ہیں جیسے ”فصل البئر“ میں لکھا ہے: ”أنه عليه الصلاة والسلام أمر العرنيين بشرب أبوال الإبل وألبانها“^۱۔

علامہ لکھنوی کہتے ہیں ”میرا کہنا ہے کہ کتاب الجہاد میں بخاری کی روایت میں واقع ہے کہ ”عُكَل“ جو تیم رباب کی ایک شاخ ہے کی ایک جماعت اور ایک دوسری روایت کے مطابق عربینہ کے کچھ لوگ اور ایک تیسری روایت میں عُكَل اور عربینہ دونوں کے لوگوں کا تذکرہ ہے، حافظ ابن حجر نے اس کی شرح میں لکھا ہے یہی آخر الذکر قول درست ہے^۲، اس کی تائید ابو عوانہ اور طبری کی روایت سے ہوتی ہے، جو بروایت سعید بن قتادہ ہے وہ کہتے ہیں یہ عربینہ کے چار اور عُكَل کے تین آدمی تھے، اگر تم اعتراض کرو کہ یہ بخاری کی جہاد والی روایت کے مخالف ہے جس میں عُكَل سے ۸ آدمیوں کا ہونا مذکور ہے، تو میں کہوں گا ممکن ہے کہ آٹھواں شخص کسی تیسرے قبیلے سے تعلق رکھتا ہو جو ان کے ساتھ ساتھ آیا اور ابن اسحاق کے بقول یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمادی الاولیٰ ۶ھ میں آئے“^۳۔

یہاں علامہ نے حدیث کی تمام روایت کو جمع کر کے ان اشکالات کا ازالہ فرمایا جو بعض روایات کے تعلق سے پیدا ہوتے ہیں، یہی ماہرین علم و فن کا طرز و طریق

^۱ الهدایة للمرغینانی، (۴۲/۱) مطبوعہ پاکستان۔

^۲ فتح الباری شرح صحیح البخاری، (۳۳۷/۱) کتاب الوضوء، (۲۵۸/۸)، کتاب المغازی۔

^۳ مذیلة الدرایة لمقدمة الهدایة، لکھنوی (ص ۸)۔

ہوتا ہے اسی طرح ہدایہ میں وارد بعض غیر واضح ناموں کی وضاحت کے ساتھ ان کا تعارف بھی کرایا ہے۔

ہدایت سوم میں ہدایہ میں مذکور قبائل جیسے بنو حنیفہ، بنو ہاشم اور بنو طالب وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ قبیلے ان شخصیات سے نسبت رکھتے ہیں۔

ہدایت چہارم میں ہدایہ میں پیش آمدہ جگہوں اور شہروں کا تعارف کرایا ہے۔

ہدایت پنجم ہدایہ نصف اول میں واقع مصنف کے تسامحات کے بیان کے لئے

مختص ہے، جیسے باب صلاة الجنائز میں صاحب ہدایہ کہتے ہیں: اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا یعنی ”بسم اللہ علی ملۃ رسول اللہ“ کہا جب ابودجانہ کو قبر میں اتارا۔

علامہ لکھنوی کہتے ہیں: یہ غلط ہے کیونکہ ابودجانہ کی وفات وصال رسول ﷺ

کے بعد جنگ یمامہ کے موقع پر عہد خلافت صدیقیہ میں ۱۲ھ میں ہوئی جیسا کہ

واقدی کتاب الردۃ میں بیان کیا ہے، یہی زیلعی کا بھی قول ہے، اس طرح علامہ عینی

فرماتے ہیں: یہ نہایت غلط وہم ہے، کیونکہ ابودجانہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ہیں،

جیسا کہ طبرانی نے معجم میں محمد بن اسحاق سے اس واقعہ کی سند بیان کی ہے، اور اس

واہمہ کا سبب اندھی تقلید ہے، کیونکہ شیخ الاسلام سرحسی نے مبسوط میں اور صاحب

البدائع نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے اور جس صحابی کو اللہ کے رسول نے قبر میں اتارا تھا

وہ عبداللہ ذوالسجادین ہیں جن کی وفات غزوہ تبوک میں ہوئی۔

پھر علامہ لکھنوی عینی کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علامہ عینی کی یہ بات صحیح

۱۔ الهدایة، مرغینانی، (۱۸۲/۱)۔ ۲۔ مذیلة الدرایة، لکھنوی (ص ۱۳) اور دیکھئے:

الدرایة فی تخریج أحادیث الهدایة لابن حجر علی حاشیة الهدایة، (۱۸۶/۱، ۱۸۷)۔

ہے کہ اس واہمہ کا سبب تقلید ہے، لیکن عینی نے خود بھی ”منحة السلوك شرح تحفة الملوک“ میں صاحب ہدایہ کی تقلید کرتے ہوئے ان کا قول ذکر کیا ہے اور ان سے چوک ہوئی ہے اور ذوالبجادیں کی تدفین کا واقعہ ”حلیۃ الأولیاء“ وغیرہ میں منقول ہے۔^۱ اسی طرح علامہ لکھنوی ایسی لغزشوں اور اوہام کا تعاقب کرتے ہیں، اور صحیح بات واضح کرتے ہیں، علمائے احناف اور دیگر کی کتابوں کے ساتھ یہی معاملہ روا رکھتے ہیں۔

اس رسالہ کو بروز شنبہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۲۸ھ کو مکمل کیا۔

یہ رسالہ جو بڑے اور چوڑے سائز کے گیارہ صفحات پر مشتمل ہے ہدایہ کے تمام ہندوستانی نسخوں کے شروع میں شامل ہے۔

اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ جو مؤلف کا تحریر کردہ ہے اور فل سائز کے ۳۳ صفحات پر مشتمل ہے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات فرنگی میں ۳۷۱/۷۹ نمبر سے محفوظ ہے۔

(۷۷) مقدمة التعليق الممجد:

یہ ایک گراں قدر علمی مقدمہ ہے جو بہت سے علوم کا امین ہے، مقدمہ کا آغاز بسم اللہ اور حمد باری سے ہوتا ہے، پھر شرح موطأ محمد کے سبب کا بیان ہے علامہ کہتے ہیں: ”موجودہ زمانہ میں ہمارے ملک میں یحییٰ اندلسی اور محمد بن حسن شیبانی کے دو نسخے بہت مشہور و مقبول ہیں آخر الذکر نسخہ کی شرح بہت سے متقدمین و متاخرین علماء نے کی ہے، جب کہ محمد کے نسخہ کی شرح پیری زادہ اور علی قاری صرف دو فاضلین نے لکھی ہے، اور میں

۱۔ مذیلة الدرایة، لکھنوی (ص ۱۳)، اور دیکھئے: الإصابة في تمييز الصحابة، ابن حجر عسقلانی (۹۱۲)۔

ایک تیسرا ٹھہرا اور دوسری وجہ بیچنی کے موطاً پر نسخہ محمد کا کئی وجوہ سے راجح ہونا رہا ہے۔^۱ علامہ نے اس مقدمہ میں اپنا طریقہ کار تو ذکر کیا ہی ہے، تدوین حدیث پر گفتگو کے ساتھ فضائل موطاً، امام مالک کے حالات، موطاً کے نسخے اور ان کے شارحین نیز امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ کے حالات زندگی بھی شامل کیے ہیں اور امام ابو حنیفہ کا دفاع بھی کیا ہے پھر موطاً محمد، موطاً یحییٰ کے درمیان موازنہ کرتے ہیں اور کئی وجوہ سے امام محمد کی روایت کو راجح قرار دیتے ہیں، اسی طرح موطاً محمد میں درج احادیث اور آثار کی تعداد بلحاظ ابواب و کتب اور موطاً میں امام محمد کا طریقہ کار بھی ذکر کیا ہے۔

فل سائر کے ۴۱ صفحات پر مشتمل یہ مقدمہ ”التعلیق الممجد“ کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

(۷۸) مقدمة عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية:

بسم اللہ اور حمد باری کے بعد وقایہ کی شرح کا سبب بیان کیا ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آچکا، یہ مقدمہ بھی بیش قیمت اہم فوائد پر مشتمل ہے جسے علامہ لکھنوی نے چند دراسات پر تقسیم کیا ہے، دراسہ اول میں علم فقہ کے رواج و شیوع کی تاریخ اور ائمہ مجتہدین کے مذاہب خصوصاً مذہب ابو حنیفہ پر گفتگو کی ہے، دراسہ دوم میں اختصار کے ساتھ علماء احناف کے پانچ طبقات کا ذکر ہے، دراسہ سوم میں مذہب امام ابو حنیفہ کے متعلق مسائل کے تین طبقات بیان فرمائے ہیں۔

طبقہ اول میں مسائل اصول ہیں اور ظاہر الروایہ کے مسائل ہیں جو امام محمد کی کتابوں جیسے ”المبسوط“ اور ”الجامع الكبير والصغير“ وغیرہ میں آئے ہیں،

^۱ تفصیل کے لئے دیکھئے: التعلیق الممجد، (ص ۴۶)۔

طبقہ دوم میں مسائل غیر ظاہریہ الروایہ ہیں یہ وہ مسائل ہیں جو امام محمد کی دیگر کتابوں جیسے ”الکلیسیات“ وغیرہ یا حسن بن زیاد وغیرہ کی کتابوں میں آئے ہیں، طبقہ سوم میں فتاویٰ ہیں جنہیں ”الواقعات“ کا نام دیا گیا ہے، یہ وہ مسائل ہیں جنہیں امام محمد کے متاخرین اصحاب و تلامذہ اور دیگر علماء نے ان واقعات کے سلسلہ میں مستنبط فرمایا جن میں ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد سے کوئی روایت نہیں پائی جاتی، دراسہ چہارم میں علامہ نے ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جن پر مفتی اور مصنف کا اعتماد ہوتا ہے اور ان کتابوں کا ذکر جن پر اعتماد کرنا غیر مناسب ہے، یہ سب فقہ حنفی سے متعلق ہے، دراسہ پنجم میں بعض اصول احناف کا ذکر ہے، جو احناف کی بعض کتابوں میں آئے ہیں، اور کچھ فقہی اصطلاحات کی توضیح بھی ہے، دراسہ ششم میں مصنف الوقایہ اور شارح وقایہ اور ان کے آباء و اجداد کے حالات و انساب کا تذکرہ ہے، علامہ نے یہ چیزیں سعایہ کے مقدمہ میں بھی ذکر کی ہیں، دراسہ ہفتم میں شارحین وقایہ کے حالات ہیں، دراسہ ہشتم میں علامہ لکھنوی نے شرح وقایہ پر حواشی لکھنے والوں کا ذکر کیا ہے، اور خود کو شرح وقایہ کے محشین میں رکھا ہے، دراسہ نہم ”وقایہ“ اور شرح وقایہ میں مذکور علماء اعلام کے سوانح کے لئے مخصوص ہے۔

یہ مقدمہ فل سائز کے ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، جو ”عمدة الرعاية في

حل شرح الوقایة“ کے ساتھ بارہا ہندوستان سے طبع ہوا ہے۔

(۷۹) مقدمة الهدایة:

بسم اللہ کے بعد اس طرح آغاز ہوتا ہے: حامداً ومصلياً! عرض کرتا ہوں کہ یہ

رسالہ مسائل ہدایہ کے فہم و ادراک میں بصیرت عطا کرتا ہے، پھر علامہ نے مقدمہ کا اور

موضوعات ذکر کئے ہیں، جنہیں ۶ ہدایات پر تقسیم کیا ہے۔

ہدایت اول میں مولف ہدایہ کے حالات زندگی اور تصنیفات کا ذکر ہے، ہدایت دوم میں صاحب ہدایہ کے طریقہ کار کا تذکرہ ہے، اس میں وہ اہم باتیں ہیں جن کا جاننا ہر اس طالب علم کے لئے نہایت ضروری ہے جو اس کتاب سے مستفید ہونا چاہتا ہے۔ انہیں باتوں میں علامہ لکھنوی نے یہ بات لکھی ہے کہ جب صاحب ہدایہ ”قال رضی اللہ عنہ“ فرماتے ہیں تو خود کو مراد لیتے ہیں اور جب ”قال مشائخنا“ کہتے ہیں تو علماء و اراء انہر، بخارا و سمرقند مراد ہوتے ہیں، ”عند فلان“ فلاں کا مسلک بتاتے ہیں اور ”عن فلان“ کہہ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ فلاں سے روایت ہے، اس طرح علامہ لکھنوی نے ہدایہ کے بہت سے مشکل مقامات حل کر دیے ہیں۔

ہدایت سوم کو ہدایہ کے نصف اخیر میں واقع بعض تسامحات کے بیان کے لئے مخصوص کیا ہے، جیسے صاحب ہدایہ نے خرید و فروخت میں ذمیوں کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنے کے مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے، ”فأعلمهم أن لهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين“ تو یہ بتایا کہ ان کے حقوق وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور ان کے فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں۔

علامہ لکھنوی کہتے ہیں: یہ اشارہ کاتب کے قلم کا سہو ہے، علامہ زیلعی کا بیان ہے میں اس حدیث کو نہیں جانتا جس کی طرف مصنف علیہ الرحمہ نے اشارہ کیا ہے،

۱۔ دیکھئے: مقدمة هداية، لکھنوی، (ص ۳۰۲)۔ ۲۔ الهداية، مرغینانی (۱۰۲/۳)، کتاب البیوع۔

۳۔ مقدمة هداية، لکھنوی، (ص ۳)۔ دیکھئے: نصب الراية، زیلعی (۵۵/۴)، دوسرا ایڈیشن المکتب

ابن حجر کہتے ہیں میں نے حدیث کو اس طرح نہیں پایا، علامہ لکھنوی نے اس ہدایت میں صاحب ہدایہ کے حدیثی فقہی اور دیگر ۸ رسامحات کی نشاندہی کی ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے علماء سابقین کے اقوال پر اعتماد کیا ہے۔

ہدایت چہارم میں علامہ نے کتب احناف کی بعض مستعمل مشہور فقہی اصطلاحات کی مراد و منشا معین کی ہے۔

ہدایت پنجم میں ہدایہ کے نصف اخیر میں مذکور علماء کی سوانح لکھی ہے۔
 ہدایت ششم میں علامہ نے اپنے استاذ سید احمد بن زینی دحلان مکہ مکرمہ سے حاصل شدہ ہدایہ کی سند اجازت کا ذکر کیا ہے جو انہیں ذی القعدہ ۹ ۱۲۷۹ھ میں حاصل ہوئی تھی، اور اپنے استاذ سے صاحب ہدایہ تک کا سلسلہ لکھا ہے۔

اس تالیف سے علامہ لکھنوی ماہ ربیع الاول ۱۲۸۱ھ میں فارغ ہوئے، یہ مقدمہ جو فل سائز کے ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے ہدایہ اخیرین کی ابتداء میں شامل ہے۔

(۸۰) النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير :

بسم اللہ اور حمد کے بعد علامہ نے موضوع کی اہمیت اور سبب تالیف بیان کیا ہے کہ ”بعض احباب نے امام محمد کی کتاب جامع صغیر پر ایک مقدمہ لکھنے کی درخواست کی جو اساتذہ و طلبہ دونوں کے لئے یکساں مفید ہو، جس میں اس کے مؤلف، ان کے دونوں استاذ و فقہاء اور تصانیف کے طبقات کے ذکر کے ساتھ ان کی کتابوں کے امتیازات اور ان کے عظیم المرتبت شارحین کے حالات زندگی بھی درج کئے گئے ہوں، میں نے اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے اس مقدمہ میں ان تمام امور کو چند فصلوں

میں جمع کر دیا ہے“ ۱۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: یہ عمدہ نکات اور فقہی حواشی پر مشتمل ایک قابل قدر

رسالہ ہے ۲۔

علامہ نے اس مقدمہ کو چار فصلوں پر تقسیم کیا ہے، فصل اول میں طبقات فقہاء اور کتب احناف کے ساتھ علم و فن کے شیوع و رواج، بعض معتمد اور غیر معتمد فقہاء کے تذکرے کے ساتھ فقہ حنفی کی معتمد کتابوں پر گفتگو شامل کی ہے۔

فصل دوم میں جامع صغیر کی اہمیت و خصوصیات مذکور ہیں۔

فصل سوم میں ائمہ ثلاثہ محمدؐ، ابو یوسفؒ اور ابو حنیفہؒ کے مناقب و فضائل درج ہیں۔

فصل چہارم شرح جامع صغیر اور اس کے مرتبین کے تذکرے کے لئے خاص ہے۔

اور خاتمہ میں علامہ نے خود اپنے مختصر حالات زندگی لکھے ہیں اور خود کو جامع

صغیر کے شارحین کی فہرست میں رکھا ہے۔

یہ مقدمہ بروز شنبہ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۱ھ میں مکمل ہوا۔

اوسط سائز کے صفحات کا یہ رسالہ چھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ ۱۳۰۳ھ میں

مطبع دبدبہ احمدی سے طبع ہوا، پھر ۱۳۲۳ھ میں مطبع یوسفی لکھنؤ سے چھپا۔

(۸۱) النصیب الأوفر في تراجم علماء المائة الثالثة عشر:

اس کا تذکرہ علامہ نے عمدۃ الرعاۃ ۳ کے مقدمہ میں کیا ہے، یہ ان کی تصنیف

”إنباء الخلان“ کا ایک جزء ہے جو منزل تکمیل تک نہیں پہنچا ۳۔

۱۔ النافع الكبير، لکھنوی (ص ۹۴)، مجموعہ چھ رسائل۔ ۲۔ حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص ۲۴)۔

۳۔ عمدۃ الرعاۃ في شرح الوقایة، لکھنوی (ص ۳۰)۔ ۴۔ حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص ۲۷)۔

☆ سیر و سوانح

(۸۲) حسرة العالم بوفاة مرجع العالم:

بسملہ کے بعد اس طرح آغاز کیا گیا ہے: اے وہ ذات جس نے خود کو بقا سے موصوف کیا اور مخلوق کے لئے فنا مقدر کیا، اپنے حبیب ﷺ پر رحمت و سلام نازل فرما جو تمام برگزیدہ لوگوں کے سردار ہیں، اور آپ کے آل و اصحاب پر رحمت نازل فرما جو ہدایت و راہ یابی کے نجوم و کواکب ہیں۔

علامہ نے اس رسالہ میں اپنے والد عبدالحلیم انصاری کے حالات زندگی اور مناقب و فضائل قلمبند کئے ہیں، نام، نسب، خاندان، نسبت، ولادت، نشوونما، اساتذہ، اسفار اور وہ عہدے جو ان کو حاصل ہوئے، اسی طرح وہ اجازتیں جو معقولات و منقولات میں جلیل المرتبت علماء سے ان کو ملیں؛ سب کا تذکرہ ہے، پھر وفات، اور علامہ کی کتب و رسائل کا بیان ہے۔

بروز دوشنبہ ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ اس سوانح سے فارغ ہوئے۔

یہ رسالہ مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے آٹھ رسائل کے مجموعہ کے ساتھ ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوا، اس سے پہلے مطبع یوسفی سے طبع ہو چکا تھا، کل ضخامت ۲۶ صفحات ہے۔

(۸۳) درک المآرب فی شأن ابي طالب:

اس رسالہ کا تذکرہ مولانا محمد قیام الدین نے ”آثار الأول“ ۱ اور مولانا الطاف الرحمن نے ”أحوال علماء فرنگی محل“ ۲ میں کیا ہے، بندوی کا بیان ہے کہ یہ رسالہ مکمل نہ ہو سکا۔ ۳

۱۔ دیکھئے: آثار الأول من علماء فرنگی محل، محمد قیام الدین، (ص ۲۴)۔ ۲۔ دیکھئے: أحوال علماء فرنگی محل، الطاف الرحمن، (ص ۶۴)۔ ۳۔ دیکھئے: کنز البرکات، بندوی، (ص ۲۳)۔

☆ موالید و وفيات

(۸۴) إبراز الغي الواقع في شفاء العي: دوسرا نام ”حفظ أهل الإنصاف عن مسامحات الحطة و الإتحاف“۔

اس رسالہ میں حمد باری تعالیٰ کے بعد علامہ لکھنوی نے سید صدیق حسن خان سے اپنے مناظرہ اور اس جیسے علمی مناظروں کے فوائد کا تذکرہ کیا ہے، پھر نواب صدیق حسن خان اور ان کے مؤیدین کی طرف سے ہونے والے تعاقبات و تردیدات اور ان اسباب و عوامل کا ذکر کیا ہے، جو اس کتاب کے لکھنے کا محرک بنے، آئندہ صفحات میں ہم صدیق حسن خان کے ساتھ علامہ لکھنوی کے مناظروں کا احوال لکھیں گے۔

محمد عبدالباقی کہتے ہیں: اس رسالہ میں علامہ نے عالم فطین نواب صدیق حسن خاں کے تسامحات پر گرفت کی ہے جو ان کے متفرق رسائل میں مذکور سوانحات میں ان کے خامہ سرزد ہوئی ہیں ۱۔

علامہ نے ایک نشست میں بروز یکشنبہ ۹ شعبان ۱۲۹۷ھ کو یہ رسالہ مکمل کر لیا، جو مطبع انوار محمدی میں ۶۴ صفحات پر ۱۳۰ھ میں طبع ہوا۔

(۸۵) تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد: یعنی ظفر المنية بذكر أغلاط صاحب الحطة:

یہ رسالہ بھی علامہ نے نواب صدیق حسن خان کے رد میں قلمبند کیا، مندرجہ ذیل اشعار سے آغاز فرمایا ہے:

ببسم الله والرحمن فزنا قديماً والرحيم به قهرنا

۱۔ دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص ۲۷)۔

وہل تُغني جلادة ذى حفاظٍ إذا يوماً لمعركة نزلنا
 ”اللہ اور رحمن کے نام کی برکت ہے جو ہمیں سابق میں کامیابی ملی اور اسی کی
 مدد سے ہم نے حریف کو زیر کیا، کیا غصہ ورتیز مزاج کی سختی و تندگی سے بات بنے گی اگر
 ہم کسی دن معرکہ آراء ہوں؟“۔

پھر بسملہ اور حمد باری کے بعد مصنف نے اپنی ان تصنیفات کا ذکر کیا ہے جو
 اس منظر نامہ میں پہلے لکھ چکے ہیں، اور ان امور کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے جن پر
 اپنے سابقہ رسائل میں تنبیہ فرما چکے ہیں، پھر ان تعلیقات اور علمی مناظروں کا اصل
 مقصد بیان کیا ہے، پھر صراحتاً لکھا ہے کہ یہ رسالہ انہوں نے ”تبصرة الناقد برد
 كيد الحاسد“ کے جواب میں تالیف کیا ہے جس کو مولوی سہوانی نے اپنے ایک
 شاگرد ابوالفتح عبدالنصیر کے نام سے ”اتحاف النبلاء“ اور ”الحطّة“ کے مؤلف
 نواب صدیق حسن خاں کی جانب سے مرتب کیا ہے، اس میں علامہ نے نواب صدیق
 حسن خاں اور ان کے مؤیدین کی کتابوں میں واقع بہت سی علمی اور طباعتی غلطیوں پر
 تنبیہ تو کی ہی ہے، مزید نئے اعتراضات بھی پیش کئے ہیں۔

علامہ اس تالیف سے شبِ سہ شنبہ ۹ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ میں فارغ ہوئے،
 ۴۴۴ صفحات کی یہ کتاب ۱۳۰۱ھ میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے چھپی۔

(۸۶) تنبیہ أرباب الخبرة علی مسامحات مؤلف الحطّة:

”غیث الغمام علی حواشی امام الکلام“ ۱۔ میں اس کا تذکرہ موجود
 ہے جسے علامہ نے نواب قنوجی اور ان کے موافقین کے نقد میں تالیف فرمایا اور علامہ

۱۔ غیث الغمام علی حواشی امام الکلام، لکھنؤی، (ص ۸۲)۔

قنوجی کی کتابوں کی سوغاٹیوں کی نشان دہی کی، یہ کتاب تذکرۃ الراشد کے ساتھ ۱۷۳/ صفحات پر محیط ۱۳۰ھ میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے طبع ہوئی۔

منطق و حکمت

(۸۷) الإفادة الخطيرة في مبحث نسبة سبع عرض شعيرة:

اس رسالہ میں علامہ نے منطق کی ایک پیچیدہ بحث پر گفتگو کی ہے، محمد عبدالباقی کہتے ہیں: علامہ نے فاضل رومیؒ کی کتاب شرح الجغمینیؒ میں واقع اس بحث کو کہ بڑے سے بڑے پہاڑ کی بلندی کی نسبت ایک شعیرہ کے عرض کے ساتویں حصہ کی نسبت کے بقدر ہے، محقق کیا ہے۔

اور سچی بات یہ ہے کہ اگر علامہ نے یہ رسالہ تصنیف نہ کیا ہوتا تو کوئی شخص اس پیچیدہ مسئلہ اور بحث سے واقف نہ ہوتا۔

۲۳ صفر ۱۲۹۰ھ بروز دوشنبہ یہ تالیف مکمل ہوئی اور مطبع مجتہائی دہلی میں

۱۳۲۶ھ میں چھپی، اس کی ضخامت فل سائز کے بیس صفحات ہے۔

(۸۸) تعليق الحمائل على تعليق السيد الزاهد المتعلق

بشرح الهياكل:

۱۔ احمد بن عبداللہ رومی، حنفی، قاضی زادہ کے نام سے مشہور ہیں، وفات ۱۱۹ھ، دیکھئے: مفارح السعادة، طاش کبری زادہ، (۲۸۸/۱)۔

۲۔ جغمینی سے مراد محمود بن عمر بن عمر ابو جغمینی، ماہر فلکیات ہیں، ۶۱۸ھ، دیکھئے: کشف الظنون، حاجی خلیفہ، (ص ۱۸۱۹)۔

۳۔ دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۱۹)۔

شہاب سہروردی ۱ نے حکمت میں ”ہیا کل النور“ ایک کتاب لکھی ہے جس کی شرح محقق جلال الدین دوانی ۲ کی ہے پھر میرزا ہد ہروی ۳ وغیرہ بہت سے علماء نے اس پر حاشیہ لکھا ہے، علامہ لکھنوی نے شرح میرزا ہد پر ”تعلیق الحمائل“ کے نام سے حواشی لکھے۔

یہ تعلیق رسائل اربعہ کے ساتھ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض سے طبع ہوئی۔

(۸۹) **التعلیق العجیب لحل حاشیة الجلال لمنطق التهذیب:**

یہ حاشیہ جلال الدین پر تعلیق ہے جیسا کہ کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہے، یہ تعلیق ۱۲۸۴ھ میں مکمل ہوئی ۴۔

مؤلف کے خط میں ایک نسخہ جو فل سائز کے ایک سو اکیس صفحات پر مشتمل ہے، شعبہ مخطوطات فرنگی محل مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں نمبر ۱۱۸۶/۱۷۲ موجود ہے۔

(۹۰) **تعلیق علی حاشیة الزاهد شرح التهذیب للدوانی:**

علامہ نے اس کا تذکرہ ”النافع الكبير“ ۵ میں کیا ہے، اور یہ حاشیہ مطبع

۱ شہاب الدین ابوالفتوح یحییٰ بن حبش بن امیرک سہروردی، وفات ۵۸۷ھ، حکیم، صوفی، متکلم، فقیہ، اصولی، دیکھئے: وفیات الأعمیان، ابن خلکان، (۳۴۵/۲)، معجم الأديباء، جموی، (۳۱۴/۱۹)، شذرات الذهب، (ابن عماد ۲۹۰/۴)۔

۲ جلال الدین محمد بن أسعد الدوانی الشافعی، وفات ۹۲۸ھ، حکیم، منطقی، مفسر، دیکھئے: الضوء الملامح، سخاوی، (۱۳۳/۷)، شذرات الذهب، ابن عماد (۱۶۰/۸)۔

۳ محمد میرزا ہد ہروی، منطقی، وفات، کابل ۱۱۰۰ھ، دیکھئے: معجم المؤلفین، عمر رضا کمال، (۷۰/۱۲)۔

۴ دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص ۲۱)۔ ۵ النافع الكبير لکھنوی، (ص ۱۵۲)۔

نجم العلوم لکھنؤ سے ۱۲۹۵ھ میں طبع ہوا ہے۔

(۹۱) تعلیق علی حواشی الزاهد علی شرح المواقف:

”النافع الكبير“ میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے ۱۔

(۹۲) حاشیہ حواشی الزاهد رسالہ قطبیہ: اس کا تذکرہ بھی ”النافع الكبير“ میں

ہے ۲۔

(۹۳) التعلیق النفیس علی خطبة شرح الموجز للنفیس:

محمد عبدالباقی نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور یہ مکمل نہ ہو سکی ۳۔

(۹۴) شرح هداية الحكمة، صدر شیرازی ۴ کے حواشی:

محمد عبدالباقی لکھنوی ۵ اور عنایت اللہ انصاری ۶ اور خود علامہ لکھنوی نے

”النافع الكبير“ کے میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۹۵) تکملة حل النفیس:

علامہ عبدالجلیم انصاری نے ابن النفیس ۷ کی کتاب ”موجز القانون“ کی

شرح لکھنی شروع کی تھی لیکن اس کی تکمیل سے پہلے انتقال فرما گئے، اس شرح کو علامہ

۲۔ ایضاً

۱۔ النافع الكبير لکھنوی، (ص ۱۵۲)۔

۳۔ حسرة الفحول، محمد عبدالباقی (ص ۲۲)۔

۴۔ صدر الدین محمد بن ابراہیم شیرازی وفات، ۱۰۵۰ھ، دیکھئے: ہدایۃ العارفین، بغدادی، (۲۷۹/۲)۔

۵۔ دیکھئے: تکملة خیر العمل، محمد عبدالباقی، (ص ۴۷)۔

۶۔ دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۳)۔

۷۔ النافع الكبير لکھنوی، (ص ۱۵۲)۔

۸۔ برہان الدین نفیس بن عوض بن حکیم کرمانی، دیکھئے: معجم المطبوعات، سرکیس، (ص ۱۸۶۴)۔

عبداللہی نے پایہ تکمیل تک پہنچایا، ۱۲۸۸ھ میں مکمل کیا، مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ایک نسخہ جو فل سائز کے ۱۳ صفحات کو شامل ہے، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ۶۰۷/۵ نمبر سے موجود ہے۔

(۹۶) حاشیة بدیع المیزان:

علامہ نے اس کا تذکرہ مقدمہ عمدۃ الرعاۃ ۱ میں کیا ہے، مولانا محمد عبدالباقی لکھنوی کا کہنا ہے کہ یہ حاشیہ منزل تکمیل سے آشنا نہ ہوا ۱۔

(۹۷) حاشیہ شرح التہذیب عبداللہ یزدی:

مولوی محمد عنایت اللہ انصاری نے اس کا تذکرہ کیا ہے ۳۔

(۹۸) حاشیہ شرح ملا جلال تہذیب المنطق:

یہ جلال الدین دوانی کی شرح تہذیب المنطق کا حاشیہ ہے، یہ حاشیہ شرح ملا جلال کے ساتھ افضل المطابع دہلی میں ۱۲۸۱ھ میں طبع ہوا۔

(۹۹) حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ میڈی ۳:

علامہ نے ”النافع الكبير“ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱۰۰) حاشیہ الشمس البازغۃ ۵:

۱۔ دیکھئے: مقدمہ عمدۃ الرعاۃ، لکھنوی، (ص ۳۰)، اور مقدمہ التعلیق الممجّد، لکھنوی، (ص ۲۹)۔
 ۲۔ دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۲۲)۔ ۳۔ تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۳)۔
 ۴۔ حسین بن معین المہیزی، حکیم، صوفی، نحوی، وفات ۸۷۰ھ، دیکھئے: معجم المؤلفین، کمالہ، (۶۳/۴)۔
 ۵۔ تالیف ملا محمود بن محمود فاروقی جو پوری، وفات ۱۰۶۲ھ، صاحب تاج العروس زبیدی ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ہندوستان میں دو فاروقیوں کی مثال نہیں ملتی، ایک شیخ احمد سرہندی اور دوسرے ملا محمود، دیکھئے: سبحة المرجان فی آثار ہندوستان (ص ۵۳)۔

مولوی محمد عنایت اللہ انصاری نے ۱۔ اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱۰۱) حل المغلق في بحث المجهول المطلق:

علامہ محبت اللہ بہاری ۲ نے ”سلم العلوم“ نامی منطق میں ایک کتاب لکھی، جس میں مجہول مطلق کی دشوار اور ژولیدہ بحث شامل کی، علامہ لکھنوی نے محسوس کیا کہ یہ بحث مزید شرح و توضیح کی طالب ہے، تاکہ قاری کا حقہ مستفید ہو، لہذا یہ کافی شافی شرح لکھی ۳۔

یہ کتاب ۱۳۰۸ھ میں مطبع نظامی کانپور سے چھپی ہے، مؤلف کے دست مبارک کا لکھا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے، جس کا نمبر ۱۱۰۸/۹۴ ہے۔

(۱۰۲) دفع الكلال عن طلاب تعليقات الكمال على الحواشی الزاهدية المتعلقة بحاشية التهذيب للجلال:

یہ حواشی تہذیب جلالیہ پر حواشی زاہدیہ سے متعلق حاشیہ مولوی کمال الدین لکھنوی کی شرح و تعلق ہے۔

مؤلف کے خط کا ایک نامکمل نسخہ ۴۷۷/۹ مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے جو فل سائز کے ۸۳ صفحات پر مشتمل ہے، یہ حاشیہ

۱۔ دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۳)۔

۲۔ محبت اللہ بن عبدالشکور بہاری، حنفی، فقیہ، اصولی، منطقی لکھنؤ اور حیدرآباد میں قضا کے عہدہ پر فائز رہے، ان کی تصنیفات میں، ”مسلم الثبوت فی أصول الفقہ، اور سلم العلوم فی المنطق“ وغیرہ ہیں، وفات، ۱۱۱۹ھ، دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی، (۲۵۰/۷)، ہدیۃ العارفین، اسماعیل پاشا، (۵/۱)۔

۳۔ دیکھئے: حسرة الخول، محمد عبدالباقی لکھنوی، (ص ۲۱)۔

مجموعہ رسائل اربعہ کے ساتھ ۱۳۰۲ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوا ہے۔

(۱۰۳) علم الہدی علی حواشی نور الہدی:

یہ علامہ عبدالحق خیر آبادی کی تردید میں تیسرا رسالہ ہے جس سے آپ ماہ صفر ۱۳۰۲ھ میں فارغ ہوئے اور یہ رسالہ ۱۳۰۲ھ میں ہی مطبع نجم العلوم لکھنؤ سے طبع ہوا۔

(۱۰۴) الکلام المتین فی تحریر البراہین:

علامہ نے اس رسالہ میں مسئلہ ”تناہی“ کو لیا ہے اور لانا ہی کے ابطال کے دلائل دئے ہیں، علامہ اس تالیف سے ربیع الاول ۱۲۸۸ھ میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ بڑے سائز کے ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے جس کا ایک نسخہ نمبر ۲۰۸/۹۰۷ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں رکھا ہوا ہے۔

(۱۰۵) الکلام الوہبی فی حل بعض عبارات القطبی:

یہ معمولی ضخامت کا ایک رسالہ ہے جس کے بارے میں علامہ لکھنؤی رقمطراز ہیں کہ میرے پاس مدرسہ عالیہ کلکتہ سے علامہ قطب الدین رازی کی بعض عبارتوں سے متعلق کچھ سوالات آئے جو ”شرح الشمسیہ معروف بہ قطبی“ کی تھیں، جن کے جواب میں ایک نشست میں یہ رسالہ مرتب کیا۔

مؤلف کے خط کا ایک نسخہ فل سائز کے ۳ صفحات پر مشتمل مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل نمبر ۲۷۷/۹ موجود ہے، یہ رسالہ مجموعہ رسائل اربعہ کے ساتھ ۱۳۰۲ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوا۔

(۱۰۶) مصباح الدجی فی لواء الہدی:

یہ حاشیہ غلام یحییٰ بہاری کا دوسرا حاشیہ ہے جس میں علامہ نے بہت سے

پہچیدہ اور غیر واضح مسائل کی شرح و توضیح کا اضافہ کیا ہے۔

بروز دوشنبہ ۷/شوال ۱۲۸۸ھ اس تالیف سے فارغ ہوئے، فل سائز کے ۴۶۵ صفحات پر مشتمل ایک نسخہ فرنگی محل نمبر ۱۱۰۹/۹۵ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں موجود ہے۔

(۱۰۷) المعارف بما فی حواشی شرح المواقف:

علامہ نے لکھا ہے کہ شرح المواقف کی عام باتوں سے متعلق حواشی زاہد یہ پر یہ میرے کچھ نوٹس ہیں لیکن یہ کام مکمل نہیں ہوا۔

مجموعہ رسائل اربعہ کے ساتھ یہ حاشیہ ۱۳۰۴ھ میں مطبع چشمہ فیض لکھنؤ سے طبع ہوا ہے علامہ کے خط کا لکھا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں نمبر ۷۷/۹ سے موجود ہے جس کی کل ضخامت فل سائز کے ۱۶۶ صفحات ہے۔

(۱۰۸) مفید الخائضین فی جواب من رد علی معین

الغائضین:

علامہ لکھنوی نے اس کتاب میں ان اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں جو بعض علماء نے ان کے والد کی کتاب ”معین الغائضین فی رد المغالطین“ پر کئے ہیں۔

(۱۰۹) مُیسر العَسیر فی مبحث المثناة بالتکریر:

۱۔ دیکھئے: المعارف بما فی حواشی شرح المواقف، لکھنوی، (ص ۲)۔

۲۔ دیکھئے: حسرة القول، محمد عبدالباقی، (ص ۲۲)۔

علامہ نے اس کتاب کا ذکر مقدمہ ”التعلیق الممجد“ اور مقدمہ ”عمدة الرعاية“ میں کیا ہے۔^۱

(۱۱۰) نور الهدی لحملة لواء الهدی:

اس رسالہ میں علامہ نے ان اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں جو علامہ عبدالحق خیرآبادی نے کئے تھے، نیز موصوف پر کچھ نئی تنقیدیں اور علمی گرفتیں بھی فرمائی ہیں۔
علامہ اس تالیف سے بروز شنبہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۸ھ میں فارغ ہوئے، یہ رسالہ مطبع نجم العلوم لکھنؤ میں ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا۔

(۱۱۱) ہدایة الوری الی لواء الهدی : یہ رسالہ قطبیہ کے حواشی زاهد یہ پر غلام یحییٰ بہاری کے حواشی کا قدیم نوٹ اور حاشیہ ہے، مولانا محمد عبدالباقی نے لکھا ہے کہ علامہ نے یہ حاشیہ زمانہ طالب علمی ۲ میں تصنیف کیا تھا، علامہ نے اس میں بعض علماء خصوصاً مولانا عبدالحق خیرآبادی پر تنقید کی ہے، ۱۲۸۰ھ میں اس سے فارغ ہوئے اور ۱۲۸۱ھ میں یہ حاشیہ مطبع نجم العلوم لکھنؤ سے شائع ہوا۔

☆ علم مناظرہ

(۱۱۲) تعلق حاشیة الرشیدیہ شرح الشریفیة:

سید شریف جرجانی نے علم مناظرہ میں ”الشریفیة“ نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے یہ علم الفرائض کے موضوع پر اس شریفیہ سے جدا الگ کتاب ہے جس کے متعلق میں نے گزشتہ صفحات میں گفتگو کی ہے، اس کی شرح ”رشیدیہ“ کے نام سے مولوی

۱۔ دیکھئے: مقدمہ التعلیق المجد لکھنوی، (ص ۲۹)، اور مقدمہ عمدة الرعاية لکھنوی، (ص ۳۰)۔

۲۔ دیکھئے: حسرة الخول، محمد عبدالباقی، (ص ۳۰)، اور مقدمہ الرعاية لکھنوی، (ص ۳۰)۔

عبدالرشید جو نیوری نے لکھی ہے، علامہ نے اسی شرح پر حواشی قلم بند فرمائے ہیں۔
۱۳۶۶ھ میں یہ حاشیہ رشید یہ کے ساتھ مطبع یوسفی سے طبع ہوا۔

(۱۱۳) الهدایة المختاریة شرح الرسالة العضدیة:

یہ علم مناظرہ میں رسالہ قاضی عضد الدین^۱ کا حاشیہ ہے، سرکیس نے اسے
”الهدایة الندیة شرح علی العضدیة“^۲ کے نام سے ذکر کیا ہے اور زکی مجاہد^۳
نے اتفاق کیا ہے۔

علامہ اس تالیف سے صفر ۱۲۸۲ھ میں فارغ ہوئے۔

۱۰۳ صفحات پر مشتمل مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
کی مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں نمبر ۸۲۶/۱۰۰۷ موجود ہے۔

☆ علم نحو

(۱۱۴) إزالة الجمد عن إعراب أكمل الحمد:

علامہ نے اس رسالہ کا تذکرہ ”الرعاية“^۱ کے مقدمہ میں کیا ہے، اس میں
”الحمد لله أكمل الحمد“ کے وجوہ اعراب بتائے ہیں، اور یہ ثابت کیا ہے کہ
رفع، نصب، جر، تینوں ہی اعراب جائز ہیں لیکن نصب اولیٰ ہے۔

فل سائز کے دو صفحات کے اس رسالہ کا مؤلف کی تحریر میں لکھا ایک نسخہ علی گڑھ

^۱ عضد الدین عبدالرحمن بن أحمد بن عبدالغفار الجبلی، شیرازی، وفات ۵۶۷ھ، دیکھئے: مقفاح السعادة،

طاش کبریٰ زادہ، (۲۱۱/۱)، شذرات الذهب، ابن عماد حنبلی، (۱۷۴/۱)۔

^۲ معجم المطبوعات العربیة، سرکیس، (ص ۱۵۹)۔ ^۳ الأعلام الشرقیة، زکی مجاہد، (۱۶۹/۲)۔

^۴ دیکھئے: مقدمة عمدة الرعاية، لکھنوی، (ص ۳۰)۔

مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں ۱۶۰/۱۵ نمبر سے موجود ہے۔
 (۱۱۵) خیر الکلام فی تصحیح کلام الملوک ملوک الکلام:
 علامہ نے یہ رسالہ حیدرآباد میں ۱۲۸۴ھ میں لکھا، اس میں ”کلام الملوک
 ملوک الکلام“ کے وجوہ اعراب سے بحث کی ہے، اس کا ایک مخطوطہ ”إزالة
 الحمد“ کے آخر میں شامل ہے۔

☆ علم صرف

(۱۱۶) امتحان الطلبة في الصيغ المشكلة:

علامہ نے اس رسالہ کو فارسی میں لکھا جس میں مشکل صیغوں کی تصریفات و
 تعلیلات کی وضاحت کی ہے، ۱۲۷۶ھ میں اس سے فارغ ہوئے اس وقت ان کی عمر
 قریب ۱۲ سال تھی اور یہ ان کی سب سے پہلی تصنیف ہے، اس امر کی صراحت خود
 علامہ لکھنوی نے کی ہے ۲۔

چھوٹے سائز کے ۷۵ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ
 مسلم یونیورسٹی مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے جس کا
 نمبر ۱۶۳/۱۶ ہے۔

(۱۱۷) التبيان في شرح الميزان:

یہ ”میزان الصرف“ فارسی کی شرح ہے علامہ نے یہ تالیف جمادی الثانیہ
 ۱۲۷۶ھ میں مکمل کی، اس وقت ان کی عمر کم و بیش ۱۲ سال تھی اور وہ جون پور کے مدرسہ
 امامیہ میں پڑھ رہے تھے، یہ کتاب کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے میرے سامنے چھٹا ایڈیشن

۱۔ حسرة الفحول، محمد عبدالباقی، (ص ۱۹)۔
 ۲۔ دیکھئے: النافع الکبیر، لکھنوی، (ص ۱۵۱)۔

ہے، جو مطبع یوسفی سے طبع ہوا جس کی کل ضخامت اوسط سائز کے ۷۵ صفحات ہے۔

(۱۱۸) تکملة الميزان:

یہ ”التبيين في شرح الميزان“ کا تتمہ ہے جو اس کے ساتھ طبع ہوا ہے، ۱۲ صفحات کا یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے۔

(۱۱۹) چہارگل:

علامہ نے اس کا تذکرہ مقدمہ ”عمدة الرعاية“^۱ میں کیا ہے، فارسی زبان میں انہوں نے یہ رسالہ زمانہ طالب علمی میں لکھا، اس میں عربی زبان کے بعض افعال کی گردانیں بیان کی ہیں مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مولانا آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات فرنگی محل میں موجود ہے جس کا نمبر ۳۳۷/۵ ہے، یہ رسالہ بڑے سائز کے ۳۸ صفحات پر محیط ہے۔

(۱۲۰) شرح تکملة الميزان:

محمد عنایت اللہ انصاری نے اس کا تذکرہ کیا ہے^۲۔

^۱ دیکھئے: مقدمہ عمدة الكهنوى، (ص ۳۰)۔

^۲ دیکھئے: تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ، (ص ۱۳۳)۔

معاصرین کے ساتھ علامہ عبدالحی لکھنوی کے علمی مباحثے

علامہ لکھنوی کے اپنے معاصرین کے ساتھ وسیع تعلقات و مراسم تھے، ان کی زندگی کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بعض معاصرین کے ساتھ یہ روابط کامل اتفاق و یگانگت سے متسم تھے، اور دیگر معاصرین علماء کے ساتھ اختلاف پر قائم تھے، یگانگت اور کامل ہم آہنگی ان معاصرین کے ساتھ تھی جن کے ساتھ ان کے مباحثے اور مناظرے نہیں ہوئے اس قسم کے مراسم محبت و اخوت اور آپسی احترام سے متصف تھے، محدث نذیر حسین دہلوی ۱۔ ان مشہور علماء میں ہیں جن سے ان کے تعلقات اسی قسم کے تھے، علامہ لکھنوی نے دہلی میں ان سے ملاقات کی انہوں نے شایان شان خیر مقدم کیا اور اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا، ان کے حق میں تعریفی کلمات کہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں ہم کہہ چکے ہیں ۲، اسی طرح علامہ لکھنوی، امام ربانی مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی کی

۱۔ علامہ محدث نذیر حسین بن جوادی بن عظمت اللہ حسینی دہلوی، آپ کا عز و شرف اور حدیث میں جلالت شان متفق علیہ ہے، ولادت ۱۲۲۰ھ یا ۱۲۲۵ھ میں ہوئی، شیخ عبدالعزیز کے پوتے شیخ اسحاق بن محمد افضل عمری دہلوی سے حدیث پڑھی اور دہلی میں ایک زمانے تک تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں محدث شمس الحق دیانوی مؤلف عون المعبود شرح سنن ابی داؤد بہت مشہور و معروف ہیں، دہلی میں ۱۳۲۰ھ میں وفات پائی، دیکھئے: نزہۃ الخواطر، عبدالحی حسنی (۴۹۷/۸)۔ ۲۔ تذکرہ علماء فرنگی محل، محمد عنایت اللہ انصاری، (ص ۱۳۶)۔

خدمت میں بھی حاضری دیتے جو علوم فقہ و حدیث میں کامل دستگاہ کے ثنا خواں تھے، اسی طرح بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ان کے اچھے دوستانہ مراسم تھے، وہ علامہ کی خدمت میں تحائف بھیجتے تھے ۱۔

جن معاصرین سے علامہ کے تعلقات اختلاف کی بنیاد پر تھے، ان میں وہ علماء آتے ہیں جن کی بعض غلطیوں پر جو ان کی کتابوں میں پیش آئی تھیں علامہ لکھنوی مطلع ہوئے اور تنبیہ کرنا ضروری سمجھا، اس سلسلے میں علماء احناف و دیگر کے درمیان امتیاز کرنا ان کا طریق نہ تھا، اس کا محرک ان کا علمی اشتیاق تو تھا ہی ان کتابوں کے قارئین کی ذہنی تربیت بھی پیش نگاہ تھی، لیکن علامہ کی نکتہ چینیاں اور تنقید ان کتابوں کے مصنفین کو اس نہ آئی اور انہوں نے اسے حسد جیسے معانی پہنائے اور علامہ لکھنوی کی تردید پر کمر بستہ ہوئے لیکن علامہ لکھنوی نے ان کے جوابوں کا جواب لکھا اور یہ سلسلہ چلتا رہا اور مناظروں کا ایک انبار لگ گیا۔

میرے خیال میں یہ مناظرے اپنے منفی پہلوؤں کے باوصف زیر بحث مسائل کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں، ہم یہاں ان علماء کے حالات زندگی رقم کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن کے ساتھ یہ علمی مباحثے پیش آئے۔

(۱) علامہ زماں ابوالطیب صدیق بن حسن بن علی حسینی قنوجی بخاری:

ان کا نسب حضرت زین العابدین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے ۲، ۱۳۲۹ھ اپنے نانہال ”بانس بریلی“ میں پیدا ہوئے اور

۱۔ دیکھئے: سوانح قاسمی، مناظر حسن گیلانی، (۵۹۲)۔

۲۔ أبجد العلوم الوشی المرقوم فی بیان أحوال العلوم، قنوجی، (۲۷۱/۳)۔

اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اپنے دادیہال ”قنوج“ آئے، چھ سال کی عمر میں والد کے انتقال کے بعد یتیمی اور کسمپرسی کی زندگی اپنی والدہ کی زیر تربیت گزار کر بھائی احمد حسن قنوجی سے صرف و نحو اور بلاغت و منطق پڑھی، فرخ آباد اور کانپور میں چند مہینے قیام کر کے وہاں کے علماء سے کسب فیض کیا، پھر ۱۳۶۹ھ میں دہلی کا سفر کیا اور مفتی صدر الدین خان سے پڑھا اور دیگر علماء دہلی سے استفادہ کیا۔

تلاش معاش میں شہر بھوپال کا رخ کیا، جہاں وزیر جمال الدین صدیقی دہلوی نے اپنے پوتوں کا تالیق مقرر کیا، اس زمانے میں قاضی زین العابدین انصاری یمانی قاضی بھوپال تھے، انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان سے کتب حدیث پڑھی اور ان کے بڑے بھائی شیخ حسین بن حسن انصاری یمانی ۱ سے سند اجازت حاصل کی۔

حریم شریفین کا سفر کر کے حج و زیارت سے شرف یاب ہوئے، علماء سے استفادہ کیا اور نادر و بیش قیمت کتابیں قید قرطاس کر لیں، پھر یمن تشریف لے گئے جہاں قاضی شوکانی کے تلامذہ اور محدثین یمن سے حدیث اور سند اجازت حاصل کی پھر بھوپال واپس لوٹے اور حکومت بھوپال میں اعلیٰ مراتب و مناصب پر فائز ہوئے۔

۱۳۸۷ھ میں ان کی شریف النسبی، وسعت علم اور پاکیزہ سیرت سے متاثر ہو کر ملکہ بھوپال نواب شاہ جہاں بیگم نے ان سے نکاح کر لیا، ہندوستان پر حکمراں برطانوی حکومت نے ۱۳۸۹ھ میں ”نواب والا جاہ“ کا لقب دیا اور دوسرے درجے کے تمنغے سے سرفراز کیا، علامہ قنوجی تالیف و تصنیف کے دلدادہ اور علمی و عملی

۱۔ دیکھئے: أبجد العلوم، الوشی المرقوم فی بیان أحوال العلوم، قنوجی، (۲۷۱/۳)۔

خصوصیات کے جامع تھے ۱۔

علامہ عبدالحی حسنیؒ نے ان الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے، ”علامہ زماں، ترجمان حدیث و قرآن، عربی زبان و ادب کا گلستاں اور ماہتاب ہندوستان شیریں کلام، غایت درجہ تیز خاطر، صاف ذہن، خوش تحریر، شریف الطبع اور بلند اخلاق تھے“ ۲۔

علامہ صدیق حسن خان قنوجی نے بہت سی مفید کتابیں قید قرطاس کیں، جن کی تعداد ۲۲۲ تک پہنچتی ہے، جن میں مشہور یہ ہیں: أبجد العلوم، عون الباری شرح صحیح البخاری، التاج المکمل اور رسالۃ الناسخ و المنسوخ، إتحاف النبلاء، الحطّٰة فی ذکر الصحاح الستة وغيره۔

۱۲۳۷ھ کو علم فن کا یروشن ترین ستارہ بھوپال میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ ۳۔

علامہ عبدالحی لکھنوی اور نواب صدیق حسن خان صاحب قنوجی

کے درمیان علمی اختلاف:

علامہ لکھنوی اور نواب صدیق حسن خان قنوجی کے درمیان علمی اختلاف اس وقت شروع ہوا جب علامہ لکھنوی نے ”النافع الكبير“ کے حاشیہ اور ”التعلیقات السنیة“ میں علماء کی ولادت و وفات کے تعلق سے نواب صدیق حسن خان قنوجی کی کتابوں میں درآئیں غلطیوں پر تنبیہ کی، چنانچہ ”النافع الكبير“ میں لکھا: ”ہمارے

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنیؒ، (۱۹۰۸)، تراجم علماء الحدیث باللہند، ابویحییٰ امام، (ص ۲۳۲)۔

۲۔ نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنیؒ، (۱۹۲۸)۔

۳۔ دیکھئے: آثار صدیقی، موسوم بہ سیرت والا جاہلی، ابوسید محمد حسن خان، (۲۲۵/۳)۔

ایک معاصر عالم اپنی کتاب ”إتحاف النبلاء“^۱ وغیرہ میں رقم کرتے ہیں کہ علامہ ابن الہمام تشدد متعصب حنفی ہیں، یہ صریح جھوٹ اور بہتان ہے، کیونکہ وہ محقق علماء میں سے ہیں، بہت سے مسائل کو بغیر کسی مسلکی تعصب کے صرف اس لئے رد فرمادیتے ہیں کہ وہ احادیث سے متعارض ہیں، اور یہ امر علامہ ابن الہمام کی کتابوں سے مراجعت کرنے والے پر مخفی نہیں ہے“^۲۔

دوسری جگہ علامہ قنوجی پر اس طرح گرفت کرتے ہیں کہ ہمارے معاصر اپنے رسالہ ”الجنة بالأسوة الحسنة بالسنة“^۳ میں لکھتے ہیں کہ سیوطی ابن حجر کے شاگرد ہیں یہ ان کے رسالہ ”الأصول“ میں مذکور ہے، یہ صریح لغزش قلم ہے، کیونکہ ”حسن المحاضرة“ میں سیوطی کے بیان کے مطابق ابن حجر کی وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی جبکہ سیوطی کی پیدائش ۸۴۹ھ ہے، تو سیوطی کے لئے ابن حجر کا تلمذ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟^۴۔

”التعليقات السننية“ میں اس طرح نقد فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ہمارے ایک ہم عصر اپنے رسالہ ”الإكسير في أصول التفسير“ میں جو یہ لکھتے ہیں کہ علاء الدین قوشچی کی نسبت موضع ”قوشنج“ کی طرف ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، پھر علاء الدین علی بن محمد قوشچی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کے والد حاکم ماوراء النہر امیر الغ بیگ کے خداموں میں سے تھے، اور یہ بازوں کے ماہر تھے، یہی ان کی زبان میں ”قوشنجی“ کے معنی ہیں^۵۔

^۱ إتحاف النبلاء، قنوجی (ص ۳۶۴)۔

^۲ حاشیة النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۰۴)۔

^۳ الجنة بالأسوة الحسنة بالسنة، قنوجی، (ص ۲۳)۔

^۴ حاشیة النافع الكبير، لکھنوی، (ص ۱۳۴)، اور دیکھئے: حسن المحاضرة، سیوطی، (۱۸۸/۱)۔

^۵ التعليقات السننية، لکھنوی (۲۱۴، ۸۸)، دیکھئے: شفاء العی عما أورده عبدالحی، عبدالنصیر (ص ۴۵)، الإكسير في أصول التفسير، قنوجی، (ص ۱۱۳)۔

”التعليقات السنية“ میں ایک جگہ اور ان پر تنقید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ہمارے ایک معاصر عالم نے اپنی کتاب ”الحطة بذكر الصحاح الستة“ میں علی بن محمد بن عبدالکریم بن موسیٰ بزدوی کا سنہ وفات ۸۸۴ھ ذکر کیا ہے، یہ فاش غلطی مصنف ”كشف الظنون“^۱ کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہے، صحیح یہ ہے کہ علی بزدوی کی وفات ۴۸۲ھ میں ہوئی۔^۲

ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ ہمارے کچھ ہمعصر فضلاء کو رسالہ ”مختصر الجرجانی فی أصول الحدیث“ کے سید شریف کی تصنیف ہونے میں اختلاف ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ ابن ابی شریف کی تصنیف ہے، لیکن وہ اس امر پر کوئی اطمینان بخش دلیل دینے سے عاجز ہیں۔^۳

اسی طرح لکھا کہ قدم بھی کہاں کہاں لغزش کھاتا ہے قلم بھی کتنی خود سری دکھاتا ہے، اس کا نمونہ ہمارے ایک فاضل معاصر کی کتاب ”الحطة في ذكر الصحاح الستة“ میں جامع مسلم اور اس کی شروحات کے ذکر کے وقت دیکھنے کو آیا ہے، مسلم پر محمد بن احمد بن عباد خلاطی حنفی متوفی ۲۷۹ھ کی کتاب ہے۔^۴

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ”الإكسير في أصول التفسير“ میں ہمارے ایک معاصر عالم نے امام فخر الدین رازی کا سنہ وفات ۶۶۰ھ لکھا ہے، یہ صریح لغزش خامہ ہے، کیونکہ یہ ثقافت کے اقوال سے مختلف ہے، اسی طرح حیرت ہوتی ہے

^۱التعليقات السنية، لکھنؤی، (ص ۱۲۴)، اور دیکھئے: شفاء العی، عبدالنصیر (ص ۴۶)۔

^۲الجواهر المضیئة، قرشی، (۳۷۲)۔

^۳التعليقات السنية، لکھنؤی، (ص ۱۳۵)، شفاء العی، عبدالنصیر (ص ۴۷)۔

^۴ ایضاً۔

کہ خود فاضل مصنف نے ”الاکسیر“ اور ”إتحاف النبلاء“ میں سنہ وفات ۶۰۶ھ لکھا ہے، یہ اس کے بھی خلاف ہے۔

یہ کچھ مثالیں ہیں جو علامہ قنوجی کی کتابوں پر علامہ لکھنوی کی تنقید و گرفت کو بیان کرتی ہیں، یہ تمام تنقیدیں علامہ قنوجی تک پہنچتی تھیں وہ ان سے مطلع ہوتے اور تعصب و عناد پر محمول کرتے تھے، اس کی صراحت خود علامہ لکھنوی نے کی ہے، یہی سبب تھا کہ بعد میں انہوں نے یہ علمی تنقیدیں بند کر دی تھیں۔

علامہ قنوجی کے ایک شاگرد وہمنوانے علامہ لکھنوی کے رد میں ایک کتاب ”شفاء العی عما أوردہ الشیخ عبدالحی“ لکھی اور اسے ایک گمنام شخص ابوالفتح عبدالنصیر کی طرف منسوب کر کے پیش کیا، اس سلسلے میں علامہ لکھنوی لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے شروع میں میں نے اس کے مؤلف کا نام ابوالفتح عبدالنصیر پایا، ظاہر بات ہے کہ یہ ایک نام ہے جسکے مسمیٰ کا شہر بھوپال میں کوئی وجود نہیں اور اگر مان بھی لیں تو یہ فضل و کمال میں شہرت نہیں رکھتے، شاید یہ کوئی طالب علم ہے جو اساتذہ فن اور ارباب علم و معارف کو مخاطب کرنے کا اہل نہیں، میرا خیال ہے جیسا کہ میں نے بعض ثقہ حضرات سے سنا ہے کہ اس کتاب کو شیخ محمد بشیر سہوانی نے تالیف کیا ہے۔

علامہ لکھنوی نے اپنے انتقادات کے اس رد کا ایک مستقل رسالہ میں جواب لکھا، جس کا نام ”إبراز الغی الواقع فی شفاء العی“ رکھا جو ”حفظ اہل الإنصاف عن مسامحات مؤلف الحطة و الإتحاف“ کے نام سے مشہور

۱۔ التعليقات السنیة، لکھنوی، (ص ۱۳۵)، شفاء العی، عبدالنصیر (ص ۴۷)۔

۲۔ إبراز الغی الواقع فی شفاء العی، لکھنوی، (ص ۷)۔

۳۔ إبراز الغی الواقع فی شفاء العی، لکھنوی، (ص ۷)۔

ہے، اس کتاب میں آپ نے علامہ قنوجی کی کتابوں ”إتحاف النبلاء، الحطة في ذكر الصحاح الستة، الإكسير في أصول التفسير“ پر مزید گرفتیں فرمائیں۔

تھوڑے ہی دنوں بعد نواب صدیق حسن خاں کی جانب سے ”تبصرة الناقد برد كيد الحاسد“ کے نام سے ایک کتاب آئی جس کے مؤلف أبو الفتح عبدالنصير نے علامہ لکھنوی کے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے جو انہوں نے اپنی کتاب ”إبراز الغي“ میں کئے تھے لکھا کہ نواب قنوجی کی کتابوں میں جو غلطیاں آئی ہیں ان میں ان کا سبب نسخ و طباعت اور عدم مراجعت ہے، کیونکہ نواب صدیق حسن قنوجی ائمہ عظام کی کتابوں سے نقل فرماتے ہیں تو غلطی مکرر ہوتی ہے لہذا درائمہ عظام پر ہونا چاہئے نہ کہ نواب قنوجی پر، کیونکہ یہ محض ناقل ہیں۔

علامہ لکھنوی نے اس کتاب کی تردید ایک ضخیم کتاب میں فرمائی جس کا نام ”تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد“ رکھا، اور مزید اعتراضات و ایرادات فرمائے، اور ان اشکالات کے سبب کی صراحت فرمائی اور اس بات کی نفی کی کہ یہ علمی بحثیں کسی حسد اور کینہ کا ثمرہ ہیں، لکھا کہ یہ اعتراضات دو مقصد کے تحت کیے گئے ہیں۔

(۱) مؤلف کو تنبیہ ہو اور وہ ان کا ازالہ فرمادے کیونکہ کتابوں میں غلطیوں کی

کثرت مصنف اور اس کے خوشہ چیں طلبہ دونوں ہی کے حق میں نقصان دہ ہے۔

(۲) خواص و عوام بے بنیاد باتوں سے محفوظ رہیں تاکہ ان کا شمار جانوروں اور

بہائم میں نہ کیا جائے، اور میں اپنے اس مقصد میں منفرد اور تنہا نہیں ہوں، ہمیشہ بلند پایہ عالی مرتبت علماء و فضلاء نے ان مصنفین و مؤلفین پر نکیر اور گرفت کی جن سے تسامحات،

مغالطے اور لغزشیں صادر ہوئیں، اور ان کے سینوں میں کینہ، حسد اور بغض و نفرت کا شائبہ بھی نہ تھا، ان کی زبانی نازیبا کلمات اور بے ہودہ گوئی سے پاک تھیں۔^۱

اس طرح علامہ لکھنوی نے اس شبہ کی جڑ کاٹ دی جو ان اعتراضات کے سبب کو لے کر اٹھایا جاتا تھا، کہ ان کا محرک و عامل حسد و بغض ہے، جیسا کہ ”تبصرة الناقد برد کید الحاسد“ کے مؤلف نے اس کی صراحت کی اور خود کتاب کے نام سے عیاں ہے، یہ بات واضح اور صاف ہوگئی کہ علامہ لکھنوی کا مقصد محض غلطیوں پر تنبیہ فرمانا تھا تا کہ مؤلف ان کی تصحیح کر دے اور قارئین و مستفیدین گمراہ نہ ہوں۔
یہ علمی مباحثہ یہاں آ کر ختم گیا، اور علامہ لکھنوی نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔

(۲) بلند پایہ محدث محمد بشیر الدین بن صدر الدین عمری سہسوانی:

شہر ”سہسوان“ میں تقریباً ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے، اپنے شہر کے علماء سے علم حاصل کیا، پھر لکھنؤ آ گئے اور بعض علمائے فرنگی محل اور دیگر علماء سے کسب فیض کیا پھر دہلی کا سفر کیا اور محدث نذیر حسین دہلوی سے علم حدیث میں ہمہ جہت استفادہ کیا، سہسرام، بھوپال، اور دہلی کے مدارس میں خدمت تدریس انجام دی۔

شروع شروع میں مسلک احناف کے مقلد تھے پھر غیر مقلدیت اختیار کر لی، حج کے لئے مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور شیخ محمد عبدالرحمن سہارنپوری^۲ اور شیخ عیسیٰ

۱۔ دیکھئے: تذکرۃ الرشید بہ تبصرة الناقد، لکھنوی، (ص ۵)۔

۲۔ شیخ محدث محمد بن عبدالرحمن انصاری سہارنپوری، سہارنپور میں پیدا ہوئے، یہیں نشوونما ہوئی، شیخ نصیر الدین مجاہد اور شیخ اسحاق دہلوی سے بہت استفادہ کیا، علماء نجد و یمن و شام سے علم حاصل کیا، حدیث پر عمل کرتے اور کسی امام کی تقلید نہ کرتے، ۷۰ سال حدیث پڑھائی، مکہ میں ۱۳۰۸ھ میں وفات پائی، دیکھئے: زہبۃ الخواطر، (۳۹۵/۸)۔

احمد بن عیسیٰ شرقی سے اجازت حدیث حاصل کی۔

۱۳۹۵ھ میں بھوپال آئے تو نواب صدیق حسن خان نے ان کا اکرام کیا اور سلطنت بھوپال کے مدارس کانگراں مقرر کیا، مورخ عبداللہ حسنیٰ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ بڑے عالم تھے، پرہیزگار، نیک، بلا کے ذہین، باغ و بہار طبیعت کے مالک اور اصول فقہ میں یدِ طولی رکھتے تھے، سید صدیق حسن خان قنوجی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔^۱

ان کے استاذ حسین بن محسن یمانی نے اپنے بعض خطوط میں جو شیخ شمس الحق مصنف ”عون المعبود“ کے نام لکھے ان کے علم و فضل کو سراہتے ہوئے لکھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے برادر علامہ محمد بشیر پر اپنا خاص کرم رحم فرمائے، وہ عالم، محقق اور کتاب و سنت کے سخت تابع تھے۔

دہلی میں ۱۳۲۳ھ میں انتقال ہوا۔^۲

ان کی مشہور علمی یادگاروں میں ”صيانة الإنسان في الرد على الشيخ أحمد بن زيني دحلان، القول المحكم، القول المنصور، اور السعي المشكور“ اہم ہیں۔

علامہ لکھنوی اور شیخ محمد بشیر سہسوانی کا علمی اختلاف:

یہ علمی اختلاف اس وقت شروع ہوا جب علامہ سہسوانی نے ۱۲۸۸ھ میں حج

^۱ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبداللہ حسنیٰ، (۴۱۵/۸)۔

^۲ دیکھئے: تطیب الإخوان، مولوی اورلیس گرامی، (ص ۷۵)، تراجم علماء الہند، البیوٹیجی امام (۲۳۹/۱)۔

(۲۵۶)، قاموس المشاہیر، بدایونی، (۱۸۳/۲)، معجم المؤلفین، عمر رضا کمالہ، (۱۰۳/۹)۔

کیا اور روضہ اقدس پر حاضری نہ دی، ان کے خیال میں روضہ اطہر کی زیارت واجبات دینی میں سے نہ تھی، بلکہ مستحب کے درجے میں تھی، چنانچہ بعض علماء اور عوام الناس نے ان پر نکتہ چینیوں کیس تو انہوں نے اس موضوع پر ”القول المحقق المحکم فی زیارة قبر الحبيب الأکرم ﷺ“ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جس میں اس مسئلہ کو ثابت و محقق کیا کہ قبر نبویؐ کی زیارت مستحب ہے نہ کہ واجب، اور یہی جمہور احناف کا قول ہے، علامہ لکھنوی کے علم میں جب یہ بات آئی تو انہوں نے اس کے رد میں ”الکلام المبرم فی نقض القول المحقق المحکم“ کے نام سے ایک رسالہ اپنے شاگرد مولوی عبدالجبار خاں کی نسبت سے لکھا جس میں قطعی دلائل سے یہ ثابت کیا کہ روضہ اقدس ﷺ کی زیارت واجب ہے۔

کچھ ہی دنوں بعد علامہ سہوانی کی جانب سے علامہ لکھنوی کے رد میں ایک نئی کتاب منظر عام پر آئی، نام تھا ”القول المنصور فی زیارة سید القبور“ اس کتاب میں علامہ سہوانی نے استحباب پر فقہاء کا اجماع نقل فرمایا اور احادیث سے وجوب کے ضعف کو واضح کیا، علامہ لکھنوی نے اس کی تردید میں ایک دوسرا رسالہ ”الکلام المبرور فی رد القول المنصور“ کے نام سے لکھا اور اس کی نسبت اپنے شاگرد عبدالعزیز قنوجی کی طرف کی۔

پھر کچھ عرصے تک خاموشی رہی جسے مولوی سہوانی نے اس موضوع پر تیسرا رسالہ لکھ کر توڑا اس تیسرے رسالے کا نام تھا ”المذهب المأثور فی زیارة سید القبور“ جو ”إتمام الحجة علی من أوجب زیارة مثل الحجة“ سے مشہور ہوئی، اس رسالہ کا مقصد بھی علامہ لکھنوی کا رد اور نئے دلائل سے اپنے مسلک کا اثبات

ہی تھا، لیکن علامہ لکھنوی نے بھی علامہ سہسوانی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے انکار کرتے ہوئے رسالہ ”السعي المشكور في رد المذهب المأثور“ جس کا لقب ”واضح الحجة في إبطال إتمام الحجة“ ہے، تالیف کیا اور علامہ سہسوانی کے تمام اشکالات و دلائل کی قلعی کھول دی۔^۱

ایک طرف تو یہ علمی مباحثے اور قلمی معرکے تھے، دوسری طرف جب علامہ سہسوانی لکھنؤ آئے تو علامہ عبدالحی لکھنوی^۲ ہی کے مہمان ہوئے، علامہ نے خوش دلی اور جذبہ احترام و اکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا، اور مزید ٹھہرنے کے لئے اصرار کیا اور علامہ سہسوانی ادب و عظمت کے احساس کے ساتھ علامہ لکھنوی کے درس و وعظ میں شریک ہوئے۔^۲

مذکورہ بالا واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علمی مباحثے دونوں کے تعلقات میں کشیدگی اور تلخی کا سبب قطعاً نہ بنے، اسی طرح یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ علامہ لکھنوی کس قدر شریف النفس اور بلند اخلاق تھے۔

(۳) بلند پایہ امام المعقولات عبدالحق بن فضل امام عمری خیر آبادی:

یہ ”خیر آباد“ یا ”دہلی“ میں ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے درسی کتابیں والد سے پڑھیں، اور ایک لمبی مدت تک ان سے کسب فیض کیا اور والد ہی کی شاگردی میں باکمال ہوئے، نواب کلب علی خاں رامپوری نے انہیں اپنا مقرب بنایا، پھر اپنے شہر لوٹے اور ایک زمانے تک وطن ہی میں مقیم رہ کر حیدرآباد کا سفر اختیار کیا، جہاں نواب حیدرآباد نے ان کا اکرام کیا اور منصب پرفائز کیا، نواب کلب علی خاں کے پوتے حامد

^۱ دیکھئے: کنز البرکات فی سیرة ابي الحسنات، محمد حفیظ بندوی، (ص ۲۴)، حیرة الفحول، (ص ۲۰)۔

^۲ دیکھئے: تراجم علماء الحدیث بالہند، ابو یحییٰ امام، (۵۴۱)۔

علی خاں نے تخت نشینی کے بعد اپنے یہاں بلایا اور خصوصی اکرام کا معاملہ کیا، چنانچہ وہ رامپور ہی میں ۱۳۱۸ھ میں وفات تک رہے۔^۱

مؤرخ علامہ عبدالحی حسنی ان کے بارے میں رقم طراز ہیں: یہ منطق و حکمت کے امام، نحو و لغت کے نکتہ داں تھے، باوقار شخصیت کے مالک، بڑے ذہین اور خوش بیان عالم تھے۔^۲

ان کی مشہور علمی یادگاروں میں ”شرح الکافیة للسید شریف، حاشیة

علی حاشیة غلام یحییٰ علی میر زاہد، حاشیة علی شرح السلم اور شرح علی مسلم الثبوت“ وغیرہ شامل ہیں۔

علامہ لکھنوی سے علمی اختلاف:

علامہ لکھنوی نے حاشیہ رسالہ میرزا ہد مصنفہ غلام یحییٰ بہاری کا حاشیہ لکھا جس کا نام ”هدایة الوری الی لواء الہدی“ رکھا، اس رسالہ میں بعض علماء اور خاص طور سے علامہ عبدالحق خیر آبادی کی علمی غلطیوں پر گرفت کی، پھر تھوڑے دنوں بعد ایک دوسرا حاشیہ ”مصباح الدجی فی لواء الہدی“ کے نام سے رقم فرمایا، جس میں منطق کے پیچیدہ مسائل کی شرح و توضیح فرمائی اور علامہ خیر آبادی پر مزید کچھ علمی تنقیدیں کیں، جس کے جواب میں علامہ عبدالحق خیر آبادی نے اپنے ایک شاگرد کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور علامہ کے اعتراضات و تنقیدات کا جواب دیا، لیکن یہ رد غیر اطمینان بخش رہا،

^۱ دیکھئے: ان کے حالات زندگی: تذکرہ: علماء الہند، رحمن علی، (ص ۱۱۰)، حکماء الإسلام،

عبدالسلام ندوی (۳۳۵/۲)، تطیب الإخوان، مولوی اور لیس نگرامی، (ص ۳۸)۔

^۲ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی، (۲۲۳/۸)۔

چنانچہ علامہ نے ”نور الہدیٰ لحملة لواء الہدیٰ“ کے نام سے ایک تیسرا رسالہ سپردِ قریطاس فرمایا، جس میں علامہ خیر آبادی کے جوابات کا جواب تو لکھا ہی مزید کچھ اعتراضات اور بھی کئے، دس سال کے بعد علامہ خیر آبادی نے پھر ایک رسالہ علامہ لکھنویؒ کے جواب میں لکھا، جب یہ رسالہ علامہ لکھنویؒ کے یہاں پہنچا تو وہ اس سے غیر مطمئن ہی رہے، اور ایک چوتھا رسالہ ”علم الہدیٰ علی حواشی نور الہدیٰ“ کے نام سے لکھ کر علامہ عبدالحق خیر آبادی کی خدمت میں روانہ کیا، معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عبدالحق خیر آبادی نے اس علمی مباحثے میں آخر کار خاموشی کو ترجیح دی، اور پھر علامہ لکھنویؒ کا رد نہیں کیا۔

علامہ عبدالحق حسنی کہتے ہیں: شیخ عبدالحق، علامہ لکھنوی سے مناظرہ پسند نہ کرتے تھے اور اپنی تردید کی شہرت نہ چاہتے تھے ۲۔

(۴) مولوی احمد علی احراری:

رام پور میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے، اساتذہ رام پور سے علم حاصل کرنے کے بعد یہیں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر دہلی آ کر بعض علماء سے پڑھا، مختار الملک امیر حیدرآباد نے انہیں حیدرآباد کے ایک مدرسہ میں استاذی سپرد کی پھر دونوں کے درمیان کچھ غلط فہمیاں راہ پا گئیں، نتیجہً مولوی احمد کو ۱۳۸ھ میں رام پور لوٹنا پڑا، تھوڑی مدت بعد پھر حکومت حیدرآباد کی درخواست پر حیدرآباد تشریف لے گئے اور ناظم عدالت مقرر ہوئے، یہیں ۱۲۹۴ھ میں وفات پائی ۳۔

۱۔ دیکھئے: حسرة الفحول، محمد عبدالباقی لکھنوی، (ص ۲۰، ۲۱)، کنز البرکات فی سیرة ابي الحسنات،

محمد حفیظ اللہ، (ص ۲۴، ۲۵)۔ ۲۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحق حسنی، (۲۳۶/۸)۔

۳۔ دیکھئے: تذکرہ کاملان رامپور، احمد علی خان شوق، (ص ۲۲، ۲۳)۔

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ اختلاف تب شروع ہوا جب علامہ لکھنوی کے والد علامہ عبدالحلیم لکھنوی نے معجزہ شق القمر کے تعلق سے ایک رسالہ تحریر کیا تھا جس میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب سے ایک عبارت نقل فرمائی جس کی ظاہری عبارت سے علامہ دہلوی کا معجزہ کا انکار متبادر ہوتا تھا، مولوی احمد نے ایک مستقل رسالہ میں علامہ عبدالحلیم پر نقد کرتے ہوئے لکھا کہ انہیں فہم عبارت میں غلطی ہوئی، رسالہ کا نام ”نثر الدر“ رکھا، علامہ لکھنوی نے بحکم والد اس رسالہ کا رد لکھا، ”جمع الغرر فی نثر الدر“ نام رکھا، اور مولوی احمد کے اعتراض کا نہ صرف جواب لکھا بلکہ علامہ عبدالحلیم کی عبارت نہ سمجھنے پر تنقید کی۔

(۵) ابوسعید محمد حسین بن رحیم بخش بن ذوق محمد بطالوی:

۱۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے، طلب علم کی راہ میں دہلی، علی گڑھ اور لکھنؤ وغیرہ کے اسفار کئے، مفتی صدر الدین دہلوی سے پڑھا، حدیث محدث سید نذیر حسین دہلوی سے حاصل کی، پھر اپنے شہر لوٹے اور تصنیف و تدریس اور وعظ و تذکیر میں مشغول ہوئے۔ ایک ماہنامہ مجلہ ”اشاعت السنۃ“ جاری کیا، جس میں اہل بدعت، سید احمد بن متقی ہندی معروف بہ سید احمد خان اور غلام احمد قادیانی کے خلاف مضامین لکھتے تھے۔

یہ ائمہ اربعہ خصوصاً احناف کے شدید نکتہ چیں تھے، پیرانہ سالی یہ میں خیال راسخ ہو گیا تھا کہ یہ اختلافات اسلام کو کمزور کرنے کا سبب ہوئے تھے، لہذا اس قسم کے اختلافات کو ہوانہ دینا ان کی ترجیحات میں شامل ہو گیا تھا، بعض کتب حدیث پر ان کے حواشی ہیں، کئی کتابیں بھی تصنیف کیں، جیسے البرہان الساطع، المشروع فی

۱۔ جمع الغرر فی رد نثر الدر (ص ۳۱)، (مجموعہ آٹھ رسائل)۔

ذكر الاقتداء بالمخالفين في الفروع، منح الباري في ترجيح صحيح البخاري اور الاقتصاد في بيان الاعتقاد وغيره^۱۔

۱۳۳۸ھ میں انتقال ہوا۔

شیخ محمد حسین نے علوم حدیث سے متعلق کچھ سوالات علامہ لکھنویؒ کے سامنے رکھے تھے، جن کا انہوں نے ایک مستقل تصنیف ”الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة“^۲ میں علمی جواب دیا۔

۱۔ دیکھئے: نزہۃ الخواطر، علامہ عبدالحی حسنی، (۸/۲۲۷)۔

۲۔ الأجوبة الفاضلة، لکھنوی، (ص ۱۹)۔

خاتمة البحث

اس تحقیقی مقالے کے ذریعہ میں مندرجہ ذیل چھ اہم نکات و نتائج پر پہنچ

سکا ہوں:

(۱) علامہ لکھنویؒ کا زمانہ سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی پہلوؤں سے نہایت پر آشوب دور شمار کیا جاتا ہے، اسلامی حکومت کا تختہ پلٹ ہو چکا تھا اور ہندوستان سرکاری سطح پر برٹش امپائر کے زیر اقتدار آ گیا تھا، مسلمان زندگی کے مختلف شعبوں میں انحطاط اور پستی و تنزل کا شکار تھے، دشمنان اسلام کے لئے فضا سازگار تھی، وہ اسلامی عقائد و قوانین کو تختہ مشق بنائے ہوئے تھے، عیسائی مشنری سرگرم عمل تھی، گاؤں گاؤں، شہر شہر عیسائی مبلغین پھر رہے تھے اور کھلے عام صریح لفظوں میں مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دے رہے تھے، ایسے میں مسلم علماء دین اسلام کے دفاع میں مسلمانوں میں بیداری کی روح پھونکنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، مقالے میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آ گئی کہ اس وقت جن دینی مدارس کی بنیاد رکھی گئی ان سے مسلمانوں کی زندگی پر نمایاں اثرات مرتب ہوئے، راقم نے اس امر کو واضح کیا کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں علامہ لکھنویؒ کا بڑا کردار اور واضح نمائندگی رہی ہے۔

(۲) علامہ لکھنویؒ کا صحیح نام عبداللحی بن محمد عبدالحلیم ہے، دوسرا قول محمد کے اضافے کے ساتھ جو تبرکاً ہے محمد عبداللحی بن محمد عبدالحلیم کا ہے، نسب حضرت ابویوب

انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، اور یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض عرب مؤرخین نے اہل ہند کے مرکب ناموں کے طریقہ استعمال سے عدم واقفیت کی بناء پر علامہ کا نام بیان کرنے میں غلطی کی ہے۔

نیز علامہ لکھنویؒ کو تمام حلقوں کا اعتماد حاصل تھا، ان کے اساتذہ، معاصرین اور موافقین و مخالفین سب نے بالاتفاق ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔

(۳) علامہ لکھنویؒ کے اساتذہ کی تعداد اگرچہ بہت محدود ہے لیکن یہ چیز ان کے مقام و مرتبہ پر اثر انداز نہیں ہوئی اور ان کے والد کا ان کی تعلیم و تربیت میں سب سے نمایاں کردار رہا ہے۔

دوسری طرف علامہ لکھنویؒ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے، علامہ انہیں مختلف علوم کا درس دیتے تھے، تلامذہ کو بحث و مباحثہ کی اجازت ہوتی تھی۔

(۴) علامہ لکھنویؒ کی علمی جہتیں نوع بنوع ہیں، اور ان کا سرچشمہ ان کے اساتذہ اور علم کی وسعت و گیرائی ہے، یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ علامہ مسلک احناف کے تابع تھے، لیکن دلائل کی بنا پر بعض مسائل میں مسلک احناف سے کبھی اختلاف بھی کرتے تھے۔

(۵) علامہ تالیف و تصنیف کے اس قدر دلدادہ تھے کہ محض بارہ سال کی عمر میں لکھنا شروع کر دیا، اثناء سفر میں بھی تالیف کا عمل جاری رکھتے، مختلف علوم و فنون میں ان کی (۱۲۰) گراں قدر مؤلفات ہیں، بعض علماء نے ان کی بعض تصنیفات کو دوسروں سے منسوب کیا ہے، اسی طرح ان کے والد کی بعض تصنیفات کی نسبت ان کی طرف کردی گئی ہیں، اس ضمن میں قول صحیح کی وضاحت کی ہے۔

(۶) علامہ لکھنوی کے معاصر علماء سے جو علمی مناظرے اور مباحثے ہوئے انہیں بغور دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ علامہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر گفتگو فرماتے تھے اور متنوع مراجع و مصادر سے استفادہ کرتے، ان کی بیشتر تحقیقات و جوابات صحیح رخ پر جاتے ہیں، احادیث زیارت کے متعلق علامہ سہوانی سے اور حدیث اُودم کے تعلق سے علامہ قنوجی سے جو علمی مناظرے ہوئے وہ اس دعوے کی واضح دلیل ہیں۔



مصادر و مراجع

☆ اسماعیل پاشا بغدادی:

(۱) ہدیۃ العارفين أسماء المؤلفين وآثار المصنفين، طباعت استنبول ۱۹۵۱ء۔

☆ اطہر مبارکپوری ابوالمعالی:

(۲) العقد الثمين في فتوح الهند ومن ورد فيها من الصحابة والتابعين، دار

الانصار، قاہرہ ۱۹۸۰ء۔

☆ (ڈاکٹر) اکرم ضیاء عمری:

(۳) بحوث في تاريخ السنة المشرفة، مؤسسة الرسالة، تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۵ء۔

☆ بخاری محمد بن اسماعیل، متوفی ۲۵۶ھ:

(۴) الجامع الصحيح، دار الشعب ودار الفكر۔

☆ بروکلمان: کارل بروکلمان۔

(۵) تاريخ الأدب العربي (عربی ترجمہ) دار المعارف قاہرہ، ۱۹۷۷ء۔

☆ بنوری: محمد بن یوسف حسینی بنوری:

(۶) معارف السنن شرح سنن الترمذی، کراچی، پاکستان۔

☆ ترمذی: محمد بن یحییٰ:

(۷) الیانس الجنی فی أسانید عبد الغنی، جید پریس دلی، انڈیا، ۱۳۴۹ھ۔

☆ تھانوی: ظفر احمد عثمانی:

(۸) قواعد في علوم الحديث، محققہ: عبدالفتاح ابو غدہ، مکتب المطبوعات

الاسلامیہ حلب، تیسرا ایڈیشن، ۱۳۹۲ھ۔

- ☆ ابن الجزري: ابوالخير محمد بن محمد دمشقي، وفات ٨٣٣هـ -
- (٩) الحصن الحصين مع شرح لكهنؤي، مطبع نجم العلوم، لكهنؤ، ١٣٠٦هـ -
- ☆ حاجي خليفة، وفات ١٠٦٤هـ -
- (١٠) كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، دار الفكر، ١٢٠٢هـ -
- ☆ ابن حجر عسقلاني: احمد بن علي بن حجر، وفات ٨٥٢هـ -
- (١١) الإصابة في تمييز الصحابة، تحقيق: علي البجاوي، دار نهضة مصر للطبع والنشر، قاهرة ١٩٤٢هـ -
- (١٢) تهذيب التهذيب، دائرة المعارف، هند، ١٣٢٥هـ -
- (١٣) فتح الباري شرح صحيح البخاري، ادارة البحوث العلمية والافتاء، سعودية -
- ☆ حسني: عبدالحى حسني لكهنؤي، وفات ١٣٢١هـ -
- (١٤) الثقافة الإسلامية بالهند، مجمع العلمي دمشق، ١٣٤٤هـ -
- (١٥) نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، دائرة المعارف، پہلاڈيشن، ١٣٩٠هـ -
- ☆ ابن خلكان، ابوالعباس احمد بن محمد بن ابوبكر، وفات ٦٨١هـ -
- (١٦) وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، تحقيق: ڈاكتر احسان عباس، دار صادر، بيروت ١٣٩٨هـ -
- ☆ ابوداود: سليمان بن الأشعث، وفات ٢٤٥هـ -
- (١٧) السنن، تحقيق: محي الدين عبدالحميد، إحياء التراث العربي -
- ☆ ذهبى: شمس الدين محمد بن احمد بن عثمان، وفات ٤٢٨هـ -

- (١٨) تذكرة الحفاظ، دار التراث العربي، بيروت -
- (١٩) سير أعلام النبلاء، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، حسين الأسد، مؤسسة الرسالة، تيسر الإذنين ١٩٨٢هـ -
- ☆ ابن رجب جنبي: عبدالرحمن بن أحمد بن رجب، وفات ٩٥٥هـ -
- (٢٠) لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف، دار الجيل، بيروت، ١٩٤٥هـ -
- ☆ زبيدي: محمد تقي حسين بلكرامى، وفات، ٣٢٢هـ -
- (٢١) تاج العروس من جواهر القاموس، مطبعة الخيرية ١٣٠٦هـ -
- (٢٢) سبحة المرجان في آثار هندوستان، طباعت على كُرّه، انديا -
- ☆ زكى محمد مجاهد:
- (٢٣) الأعلام الشرقية في المائة الرابعة عشرة الهجرية، دار الطباعة المصرية الحديثة، ١٣٦٩هـ -
- ☆ زيلعي: يوسف بن عبداللهد بن يونس، وفات ٦٢هـ -
- (٢٤) نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية، دار المأمون، ١٣٥٤هـ -
- ☆ سر كيس: يوسف رليان سر كيس:
- (٢٥) معجم المطبوعات العربية، مطبعة سر كيس، مصر، ١٣٣٦هـ -
- ☆ سهارنپورى: خليل احمد سهارنپورى، وفات ١٣٣٦هـ -
- (٢٦) بذل المجهود في حل أبي داود، مطبعة ندوة العلماء، الهند، ١٩٤٢هـ، اور مطبعة السعادة قاهره ١٩٤٣هـ -

(۲۷) تدریب الراوی، تخشیه: شیخ عبدالوہاب عبداللطیف، دار احیاء السنۃ النبویۃ،
طبع دوم، ۱۳۹۹ھ۔

☆ شوکانی: محمد بن علی شوکانی، وفات ۱۲۵۰ھ۔

(۲۸) البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، مکتبۃ ابن تیمیۃ قاہرہ۔

☆ طاش کبری زادہ: عصام الدین ابوالخیر احمد بن مصطفیٰ، وفات ۹۶۸ھ۔

(۲۹) مفتاح السعادة ومصباح السيادة، تحقیق: کامل بکری، مطبعة

الاستقلال الكبرى، قاہرہ ۱۹۶۸ء۔

☆ ابن عبدالبر: ابو عمر یوسف بن عبداللہ اندلسی، وفات ۲۶۳ھ۔

(۳۰) الاستيعاب في معرفة الأصحاب، تحقیق: محمد بجاوی، مکتبۃ

النهضة، قاہرہ۔

☆ علی القاری: ملا علی بن سلطان محمد القاری، وفات ۱۰۱۴ھ۔

(۳۱) الحرز الثمين للحصن الحصين، مطبع نولکشور لکھنؤ، ۱۸۷۷ء۔

(۳۲) شرح الموطأ برواية الإمام محمد، مخطوط عارف حکمت ۷۰/۷ حدیث۔

☆ (ڈاکٹر) گوسٹاف لوبون:

(۳۳) حضرات الهند، ترجمہ: عادل زعیتتر، مطبع عیسیٰ بابی حلبي قاہرہ،

پہلا ایڈیشن، ۱۳۶۷ھ۔

☆ ابوالفتح عبدالنصیر:

(۳۴) شفاء العی عما أورده عبدالحی، مطبعہ فاروقیہ دہلی، ۱۲۹۷ھ۔

(۳۵) تبصرة الناقد برد كيد الحاسد، فاروقیہ دہلی، ۱۲۹۹ھ۔

- ☆ پٹنی: محمد بن طاہر ہندی، وفات ۹۸۶ھ۔
- (۳۶) مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار، دائرة المعارف ہند، ۱۳۸۷ھ۔
- ☆ قاسمی: محمد جمال الدین ابوالفرج: وفات ۱۳۳۲ھ۔
- (۳۷) قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث، دار إحياء السنة النبوية، پہلا ڈیشن ۱۳۹۹ھ۔
- ☆ قرشی: ابو محمد عبدالقادر ابوالوفا: وفات ۷۷۵ھ۔
- (۳۸) الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية، دائرة المعارف حيدرآباد، ۱۳۳۲ھ۔
- ☆ قنوجی: صدیق بن حسن خان، وفات ۱۳۰۷ھ۔
- (۳۹) أبجد العلوم، دار الكتب العلمية، بيروت۔
- (۴۰) الحطة في ذكر صحاح الستة، اسلامي اکادمي، لاہور، پہلا ڈیشن ۱۳۹۷ھ۔
- (۴۱) الجنة بالأسوة بالحسنة بالسنة، مطبع اسکندري، بھوپال، الہند، ۱۲۹۰ھ۔
- ☆ کاندہلوی: شیخ محمد زکریا۔
- (۴۲) أوجز المسالك إلى موطأ الإمام مالك، ائڈیشن دارالفکر، بيروت۔
- ☆ کتانی: محمد بن جعفر، وفات ۱۳۴۵ھ۔
- (۴۳) الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة، صح المطابع، کراچی، پاکستان۔
- ☆ کتانی: محمد عبداللحی، وفات ۱۳۴۵ھ۔
- (۴۴) فہرس الفہارس والإثبات، دار الغرب الاسلامی، پہلا ڈیشن ۱۹۸۵ء۔

☆ كحاله: عمر رضا-

(٢٥) معجم المؤلفين، دار إحياء التراث العربي-

☆ كوثرى: محمد زاهد كوثرى-

(٢٦) مقالات: ناشر: ابيج، ايم سعيد كمينى، پاكستان-

☆ لكهنوى: محمد عبد الحكيم لكهنوى وفات ١٣٠٢ھ-

(٢٧) إبراز الغي الواقع في شفاء العي، مطبع انوار محمدى لكهنؤ، ١٣٠١ھ-

(٢٨) الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، دار الكتب العلمية، بيروت ١٣٠٥ھ-

(٢٩) الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة، تحقيق: شيخ عبدالفتاح ابو غدة،

مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب-

(٥٠) تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد، مطبع انوار محمدى لكهنؤ، ١٣٠١ھ-

(٥١) التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد، مطبع مجتبائى، لكهنؤ، ١٢٩٧ھ-

(٥٢) حسرة العالم بوفاة مرجع العالم، مطبع يوسفى، لكهنؤ ١٣٢٥ھ-

(٥٣) خير الخبر في أذان خير البشر، مطبع دبدبه احمدى: لكهنؤ، ١٣٠٣ھ-

(٥٤) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل، تحقيق عبدالفتاح ابو غدة، مكتب

المطبوعات الإسلامية، حلب طبع سوم ١٣٠٧ھ-

(٥٥) زجر الناس على إنكار أثر ابن عباس، مطبع مصطفىائى، لكهنؤ، ١٣٠٣ھ-

(٥٦) شرح الحصن الحصين، مطبع نجم العلوم، لكهنؤ، ١٣٠٦ھ-

(٥٧) طرب الأمثال، دبدبه احمدى لكهنؤ-

(٥٨) ظفر الأمانى في مختصر الجرجاني، مطبع چشمه فيض، لكهنؤ، ١٣٠٢ھ-

- (٥٩) الفوائد البهية في تراجم الحنفية مع التعليقات السنية، دارالمعرفة، بيروت -
 (٦٠) النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير، مطبع دبدبه احمدى، لكهنؤ، ١٣٠٣هـ -
 (٦١) مقدمة "السعاية في كشف ما في شرح الوقاية"، مطبع مصطفى، لكهنؤ،

١٣٠٤هـ -

- (٦٢) مقدمة "عمدة الرعاية"، مطبع يوسفى، لكهنؤ، ١٣٢٢هـ -
 (٦٣) مقدمه "الهداية"، مطبع فاروقى، دبلې، ١٣٣٢هـ -
 ☆ مالك: عبدالله بن انس الاصحى، وفات ١٤٩هـ -
 (٦٤) الموطأ برواية محمد بن حسن الشيباني، تعليق: شيخ عبدالوهاب، دار
 القلم، بيروت، پهلا ايڊيشن، نيز ديڪيٽي: التعليق للمجد -
 ☆ محي: محمد المنجى -

- (٦٥) خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر، بيروت، دارصادر -
 ☆ محمد حفيظ الله بندوى -

- (٦٦) كنز البركات لمولانا أبي الحسنات، مطبع علوى، لكهنؤ، ١٣٠٥هـ -
 ☆ محمد عبدالباقي لكهنؤى -

- (٦٧) حسرة الفحول بوفاة نائب الرسول، مطبع انوار محمدى، ١٣٠٥هـ -
 (٦٨) الإسعاف في الإسناد، مطبعه القدسى قاهره، ١٣٥٦هـ -

☆ محمد قيام الدين عبدالبارى:

- (٦٩) آثار الأول من تراجم علماء فرنكى محل، مطبع مجتنبائى، لكهنؤ -
 ☆ مسعود عالم ندوى -

- (٤٠) تاريخ الدعوة الإسلامية بالهند، دار العربية للنشر والتوزيع، قاهره-
 ☆ مسلم: ابوالحسن بن الحجاج قشيري، وفات ٢٦١هـ-
 (٤١) الصحيح، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء التراث العربي-
 ☆ ندوى: سيد ابوالحسن على حسنى ندوى-
 (٤٢) الإمام ولي الله الدهلوي، دار القلم، كويت-
 (٤٣) الدعوة الإسلامية وتطوراتها في الهند، مجلس تحقيقات ونشريات، ندوة
 العلماء، لكهنؤ-
 (٤٤) الصراع بين الفكرة الإسلامية والفكرة الغربية، كويت - ١٩٨٣ء-
 (٤٥) ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين، مكتبة دار التراث، قاهره، ٢٠٠٢هـ-
 (٤٦) المسلمون في الهند، ندوى پريس لكهنؤ، تيسراڈيشن ١٤٠٤هـ-
 ☆ نيوى: ظهير احسن نيوى-
 (٤٧) آثار السنن، احسن المطابع، عظيم آباد، الهند-

اردو اور فارسی مراجع

☆ اسلم پرویز:

(۱) بہادر شاہ ظفر، انجمن ترقی اردو، دہلی، ۱۹۷۶ء۔

☆ احمد علی خان شوق:

(۲) تذکرہ کمالان رامپور، ہمدرد پریس دہلی، پہلا ایڈیشن، ۱۹۲۹ء۔

☆ الطاف الرحمن قدوائی:

(۳) احوال علماء فرنگی محل، مجتہبائی پریس، لکھنؤ، ۱۹۱۷ء۔

☆ پنڈت سنہر لال:

(۴) ۱۸۷۵ء، مطبع قومی پریس لکھنؤ۔ ۱۹۵۷ء۔

☆ بی بی، جوشی:

(۵) انقلاب ۱۸۵۷ء۔ ترقی اردو بیورو، دہلی۔

☆ حبیب الرحمن قاسمی:

(۶) تذکرہ علماء اعظم گڑھ، جامعہ اسلامیہ بنارس، ۱۹۷۶ء۔

☆ دہلوی: عبدالعزیز بن ولی اللہ محدث دہلوی: وفات ۱۲۳۹ھ۔

(۷) بستان الحدیث، سعید کمپنی، کراچی، پاکستان۔

☆ رحمان علی ناروی:

(۸) تذکرہ علماء ہند، مطبع نولکشور، لکھنؤ، ۱۹۱۴ء، اور پہلا ایڈیشن، کراچی، ۱۹۶۱ء۔

☆ رامپوری: حکیم محمد نجم الغنی خان:

(۹) تاریخ اودھ، مطبع مطالع العلوم، مراد آباد، پہلا ایڈیشن، ۱۹۱۳ء۔

☆ سر سید احمد خان:

- (۱۰) اسباب بغاوت ہند، محبوب پریس، دہلی، دوسرا ڈیشن ۱۹۷۱ء۔
☆ سید اقبال احمد:
- (۱۱) تاریخ شیراز ہند جو پور، ادارہ شیراز ہند جو پور ہند، ۱۹۶۳ء۔
☆ سید سلیمان ندوی:
- (۱۲) یاد رفتگان، معارف پریس، اعظم گڑھ، دوسرا ڈیشن ۱۹۸۶ء۔
☆ سید محمد علی حسن خان ابونصر:
- (۱۳) آثار صدیقی ”سیرت والا جاہی“، مطبع نولکشور لکھنؤ، ۱۳۴۲ء۔
☆ ظہیر احمد دہلوی:
- (۱۴) داستان غدر، مطبع کریمی، لاہور، پاکستان۔
☆ عبدالسلام ندوی:
- (۱۵) حکماء اسلام، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۵۶ء۔
☆ عبدالاول جو پوری:
- (۱۶) وفيات المشاہیر، جادو پریس، جو پور، ۱۳۲۳ھ۔
☆ فقیر محمد جہلمی:
- (۱۷) حدائق الحفییہ، مطبع نولکشور لکھنؤ، ۱۳۲۴ھ۔
☆ قاضی علی احمد حنفی:
- (۱۸) عین الانسان، وکٹوریہ پریس، بدایوں، ۱۳۱۲ھ۔
☆ قنوجی: نواب صدیق حسن خان۔
- (۱۹) اتحاد النبلاء المتقین با حیاء آثار الفقہاء والمحدثین، مطبع نظامی، کانپور، ۱۳۱۳ھ۔
☆ کرنل بسم اللہ بیگ:

(۲۰) تذکرہ قراء ہند، اعجاز پریس، حیدرآباد۔

☆ کلیم سید شاہ محمد شعیب:

(۲۱) اعیان الوطن (آثار پھلواری شریف) دارالاشاعت، پٹنہ ۱۹۴۷ء۔

☆ لکھنوی: محمد عبدالحی ۱۳۰۲ھ۔

(۲۲) السعی المشکور فی رد المذہب المأثور، چشمہ فیض، لکھنؤ، ۱۲۹۶ھ۔

(۲۳) الکلام المبرور فی رد القول المنصور، علوی پریس، لکھنؤ، ۱۲۹۱ھ۔

(۲۴) مجموعہ فتاویٰ، ایجوکیشنل پریس، پاکستان، ۱۳۷۳ھ۔

☆ محمد ادریس نگرانی:

(۲۵) تطیب الاخوان بذکر علماء الزمان، مطبع نولکشور، لکھنؤ، ۱۸۹۷ء۔

☆ محمد بشیر سہوانی:

(۲۶) إتمام الحجہ علی من أوجب زیارة مثل الحجہ، معروف بہ

المذہب المأثور، مطبع گنج، آگرہ، ۱۲۹۲ھ۔

(۲۷) القول المنصور فی زیارة سید القبور، نظامی پریس، کانپور، ۱۲۸۹ھ۔

☆ محمد حسین مراد آبادی:

(۲۸) أنوار العارفين، صدیقی پریس، بریلی، ۱۲۹۰ھ۔

☆ محمد رضا انصاری:

(۲۹) بانی درس نظامی، نامی پریس، لکھنؤ، ۱۳۹۳ھ۔

☆ محمد عبدالحلیم چشتی:

(۳۰) حیات وحید الزمان، اصح المطابع، کراچی، پاکستان۔

☆ محمد عنایت اللہ انصاری:

(۳۱) تذکرہ علماء فرنگی محل، برقی پریس، لکھنؤ، ۱۳۴۹ھ۔

☆ محمد میاں:

(۳۲) علماء ہند کا شاندار ماضی، جمعیتہ بکڈ پو، دہلی، ۱۹۵۷ء۔

☆ مناظر احسن گیلانی:

(۳۳) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، ندوۃ المصنفین، دہلی، دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۶ء۔

☆ مرزا حیرت دہلوی:

(۳۴) چراغ دہلی، اردو اکیڈمی، دہلی، ۱۹۸۷ء۔

☆ نجم الدین اصلاحی:

(۳۵) یادگار سلف، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۳۸ء۔

☆ ندوی: سید ابوالحسن علی۔

(۳۶) تذکرہ شیخ فضل الرحمن گنج مراد آبادی، مکتبہ دار عرفات، رائے بریلی۔

☆ نظامی بدایونی:

(۳۷) قاموس المشاہیر، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۲۶ء۔

☆ نوشہری: ابوبکی امام خان۔

(۳۸) ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، برقی پریس، دہلی۔

(۳۹) تراجم علماء الحدیث فی الہند، برقی پریس، دہلی، ۱۹۳۸ء۔

☆ ولی اللہ لکھنوی:

(۴۰) الأغصان الأربعة، کارانامہ پریس، فرنگی محل، لکھنؤ، ۱۲۹۸ھ۔

انگریزی مراجع

- 1- Edward Tomas: The Other Side of Medal, London , 1926.
- 2-Major Basu: The Rise of Christian Power in India, Calcutta, 1931, India .
- 3- Ramesh Dutt: India in the Victorian Age, Calcutta,1898 India .
- 4- W. W. Hunter: The Indian Mussalmans, London, 1871.

مجلّات

- ۱- مجلّة ثقافۃ الهند، (عربی)، مئی جون، ۱۹۵۵ء، دہلی۔
- ۲- مجلّہ رفیق، جلد نمبر ۷، جنوری، فروری، ۱۹۸۴ء، پٹنہ۔
- ۳- مجلّة الضیاء (عربی)، شمارہ رجب، شعبان، ۱۳۵۴ھ لکھنؤ۔
- ۴- مجلّة العروۃ الوثقی، شمارہ نمبر ۷، جمادی الاولیٰ، مکتبہ اہلیہ، بیروت، ۱۳۵۱ھ۔
- ۵- مجلّہ معارف، فروری، ۱۹۲۹ء، اعظم گڑھ۔
- ۶- مجلّہ علوم الدین، شمارہ ۲۱، ۱۹۷۳ء، علی گڑھ۔